

جلد نمبر
27

عمران سیریز

جونک اور ناگن

93 - سہ رنگی موت

94 - متحرک دھاریاں

95 - جونک اور ناگن

96 - لاش گاتی رہی

ابن صفی

سہ رنگی موت

(پہلا حصہ)

میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ ”کالی کبکشاں“ پسند تو ضرور کی گئی۔ لیکن بے شمار خطوط میں اس بات کا شکوہ کیا گیا ہے کہ کہانی کے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں ہو سکا۔ میں نے خود ہی عرض کر دیا تھا کہ بعض حصوں کی تفصیل کہانی کا لطف دو بالا کر دیتی۔ خیر اب ”سہ رنگی موت“ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کہانی عام شمارہ تو کیا صرف ایک عدد خاص نمبر کے بس کا بھی روگ نہیں۔ لہذا پھیلے گی اور آپ کی متعدد فرمائشات بھی پوری ہو جائیں گی۔ یہ کتاب تو محض پیش خیمہ ہے!

اور ہاں! شاید میں نے کچھیلی کتاب کے پیشرس میں رحمان صاحب کا نانہالی نام کرم رحمان، لکھ دیا تھا۔ اس پر میرے بہترے پڑھنے والوں نے یاد دلایا ہے کہ اُن کا نام فضل الرحمن (ایف رحمن) ہے۔ چلے یہی سہی، مجھے بھلا اُن کے نانہالی اور داد بیہالی جھگڑوں سے کیا سروکار.... یہ چکر تو اُن کے دادا اور نانا کے درمیان چلتا تھا۔ نانا ”کرمو“ کہہ کر پکارتے تھے اور دادا ”فضلو“ کہہ کر.... مجھے پیشرس لکھتے وقت نانہالی ہی نام یاد آیا

تھا.... خیر.... اگر آپ بھی اُن کے دادا ہی کے طرفدار ہیں تو مجھے کیا۔ ”ایف رحمان“ ہی سہی.... لیکن میں اُن صاحب کی فرمائش ہرگز نہیں پوری کر سکتا جنہوں نے کیپٹن فیاض کی بیوی کا نام پوچھا ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ پرانی بیویوں کے نام یاد رکھتا پھروں۔ ویسے اس کہانی میں کیپٹن فیاض پر ایسی پیتا پڑی ہے کہ خود بھی بیوی کا نام بھول گئے ہیں۔ مجھے کہاں سے یاد رہے گا۔

بھائی امتحان نہ لیا کیجئے! کہاں تک یاد رکھوں.... ویسے یاد پڑتا ہے کہ کسی کتاب میں فیاض کی بیوی کا بھی نام آیا تھا....! سنگ ہی اور تھریسیا کی واپسی کے خواہش مندوں سے گذارش ہے کہ ”آگے آگے دیکھئے....“ فلمی گیت نہیں بلکہ مشہور مصرعہ مراد ہے!

ایک صاحب نے عمران سیریز کے آرژن جوہلی نمبر کے بارے میں لکھا ہے کہ کہیں وہ ”بیچارہ آرژن جوہلی“ نمبر نہ ثابت ہو۔ مطمئن رہیں۔ ابھی بہت دن ہیں۔ انشاء اللہ اُسے ضخیم ناول کی شکل میں پیش کر دوں گا۔ بشرط حیات وہ میری ناول نگاری کا سلور جوہلی نمبر بھی ہو گا!

ابن صفیر

۲۱ جون ۱۹۷۶ء



کیپٹن فیاض نے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی اور ساراوان کے جنگل میں منگل منارہا تھا۔ یعنی وہ شکار کا سیزن تھا۔ اور شکار کا سیزن ساراوان کے جنگل کو دھماکوں کا شہر بنا دیتا تھا۔ بے شمار شکاری یہاں کیمپ کرتے تھے۔ ہر طرف خیمے ہی خیمے نظر آتے۔ لیکن شکار وہی لوگ کر پاتے تھے جنہیں مقامی شکار کھلانے والوں کا تعاون حاصل ہو جاتا تھا۔

سیزن کی ابتداء میں ان لوگوں کا باقاعدہ طور پر نیلام ہوتا تھا۔ بسا اوقات اتنی بڑی بڑی بولیاں لگتیں کہ شکاریوں کو پسینہ آ جاتا۔ اور زیادہ تر شکاری ان کی خدمات سے محروم ہو جاتے تھے۔ لہذا انہیں صرف پکنک ہی پر اکتفا کرنا پڑتا۔ شکار خواب و خیال ہو کر رہ جاتا۔

پیشہ ور شکار کھلانے والے جانتے تھے کہ جنگل کے کن حصوں میں شکار ہو سکتا تھا اور پھر ان کی رہنمائی کے بغیر بھٹک جانے کا بھی اندیشہ رہتا تھا۔ کیمپ تک واپسی ناممکن تو نہیں البتہ مشکل ضرور ہو جاتی تھی۔

اس بار کیپٹن فیاض اپنی پارٹی سمیت ذرا دیر سے پہنچا تھا اور سارے شکار کھلانے والے پہلے ہی کام سے لگ چکے تھے! کسی طرح بھی کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو جنگل میں ان کی رہنمائی کر سکتا.... لہذا اُس کی پارٹی صرف پکنک منارہی تھی۔

کیپٹن فیاض یہاں پہلی بار نہیں آیا تھا۔ لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ محض اپنی یادداشت کے سہارے اُن مقامات تک پہنچ سکتا ہے جہاں پہلے بھی شکار کھیل چکا تھا۔ ساراوان کا جنگل کچھ ایسا ہی تھا۔

پارٹی میں ایک خان صاحب ایسے بھی تھے جنہیں ایک دن تاؤ آگیا، کہنے لگے ”میاں جنگلوں کا کیڑا ہوں! یہ عزیزم ساراوان کس شمار و قطار میں ہیں۔ افریقہ کے جنگلوں میں شکار کھیل چکا

ہوں.... وہ شکاری ہی کیا جو روئیدگی کی زبان نہ سمجھ سکے....!"

"روئیدگی کی زبان....!" کسی نے حیرت سے کہا "یہ کیا ہوتی ہے خان صاحب....!"

"جنگل میں پائی جانے والی نباتات راستہ بتاتی ہے۔ درخت سرگوشیاں کرتے ہیں۔ پودے اشارہ کرتے ہیں۔ بس سمجھنے والا ہونا چاہئے۔"

"مت بکواس کرو....!" فیاض نے براسمانہ بنا کر کہا۔!

"لو بھی ایسے ایسے تجربہ کار لوگ بھی اسے بکواس سمجھنے لگیں تو پھر بس اللہ ہی حافظ ہے۔"

"بکواس نہیں تو اور کیا ہے۔!"

"کیپٹن فیاض صاحب! میں پیدا انٹی شکاری ہوں۔!"

"حکیم لقمان کے بارے میں سننا تھا کہ جڑی بوٹیاں انہیں اپنے خواص بتا دیا کرتی تھیں۔ یا پھر یہ پیدا ہوئے ہیں نباتات کی زبان سمجھنے والے۔"

"کپتان صاحب! تھانہ نہ باشد! خان صاحب بھنا کر بولے۔"

"میں نے آپ کو روکا تو نہیں.... بسم اللہ تشریف لے جایے جب نباتات پوری معلومات فراہم کر دیں تو واپس آکر ہمیں بھی لے جایے گا۔!"

"تو گویا میں واقعی بکواس کر رہا ہوں۔!" خان صاحب آنکھیں نکال کر بولے۔

"جی نہیں! مستند آپ کا ارشاد.... لیکن پہلے آپ کچھ شکار کر لائیے اُس کے بعد ہم آپ کی رہنمائی قبول کر لیں گے۔!"

"تاؤ دلار ہے ہو پیارے... اچھا میں تنہا ہی جا رہا ہوں... کچھ نہ کچھ لے کر ہی واپس آؤں گا۔!"

"کیوں کیڑے کلبائے ہیں دماغ میں.... کیا پہلے بھی کبھی ادھر آچکے ہو۔!"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم دیکھ لینا! خان صاحب کسی قدر نرم پڑتے ہوئے بولے۔"

بہر حال انہوں نے شکار کا تھیلا اٹھایا تھا۔ رائفل کا ندھے سے لٹکائی تھی اور نکل کھڑے ہوئے تھے۔ دوسرے ساتھیوں نے بھی انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن کون سنتا ہے! فیاض خاموش ہی رہا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ بھٹکیں گے اور پھر دوسرے شکاریوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کیپ میں واپس آجائیں گے۔ ابھی تک ایسا ہوا نہیں تھا کہ کوئی اتنا ہی شکاری بھی بالکل ہی مفقود الحضر ہو گیا ہو.... دو چار دن بعد کیپ تک پہنچ ہی جاتا تھا۔

رات تک خان صاحب کی واپسی نہ ہوئی تو خواہ مخواہ کی بد مزگی پیدا ہو گئی۔ وہ خان صاحب کے بارے میں سوچے چارہے تھے اور سارا دن کے جنگلوں کی پرانی کہانیاں اکھڑ رہی تھیں۔

حشرات الارض سے لے کر بھوت پریت تک کی کلاسیکی کہانیاں۔!

"چلو سو جاؤ....!" کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "صبح آکر وہ اطلاع دیں گے کہ انہیں نیلم پری اٹھا کر لے گئی تھی۔!"

"تب پھر شاید ہی وہ اُسے چھوڑ کر واپس آئیں۔!" دوسرا بولا۔

"یارو.... سنجیدگی سے غور کرو.... پتا نہیں پیارے پر کیا گذری ہو۔!" تیسری آواز آئی۔!

انہوں نے زمین پر بستر لگائے تھے! اور سر پر وہ گراوینے کی وجہ سے خیمے میں تاریکی تھی۔

باہر کہیں الاؤ جل رہے تھے اور کہیں پیٹرو میکس کی روشنی بے کراں تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کبھی کبھی جانوروں کی آوازیں دور تک سنائے میں لہراتی چلی جاتیں۔

کچھ دیر پہلے شکاریوں نے خاصی رنگ رلیاں منائی تھیں۔ کہیں موسیقی کی محفلیں جھی تھیں۔ اور کہیں نقلیں اتارنے کا اکھاڑا لگا تھا.... لیکن اب صرف وہ روشنیاں باقی تھیں جنہیں رات بھر قائم رہ کر جنگلی جانوروں کو اس عارضی بستی سے دور رکھنا تھا۔ فیاض کے خیمے میں بھی خراٹے کو بجنے لگے۔

پھر اچانک وہ سب جاگ پڑے تھے۔ باہر شور ہو رہا تھا! بوکھلا کر خیمے سے باہر نکل آئے۔

بہت تیز ہوا چل رہی تھی اور کئی خیمے دھڑا دھڑل رہے تھے۔!

"گرا دو.... جلدی سے خیمہ گرا دو....!" فیاض حلق پھاڑ کر چیخا تھا۔ پھر جلدی جلدی خیمے کی طنائیں کاٹی جانے لگی تھیں۔!

تھوڑی دیر بعد آگ پر قابو پالیا گیا تھا اور آگ لگنے کی وجہ کے سلسلے میں چھان بین نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ وجہ تو صاف ظاہر تھی۔ باہر الاؤ جل رہے تھے۔ اچانک ہوا تیز ہو گئی اور چنگاریاں اڑ کر خیموں پر گر گئیں اور جو ہونا تھا ہو گیا۔!

صرف مالی نقصان ہوا تھا۔! زندگیاں محفوظ تھیں۔ الاؤ ٹھنڈے کر دیئے گئے اور پھر وہاں مکمل تاریکی ہو گئی تھی۔ لیکن اس حادثے کے بعد شاید ہی کسی کو نیند آسکی ہو۔!

دوسری صبح وہ خیمے دوبارہ نصب کر دیئے گئے تھے۔ جنہیں پچھلی رات کو گرا دیا گیا تھا۔ ایک طرف یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف کیپٹن فیاض، خان صاحب کے بارے میں دوسری پارٹیوں کے افراد سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ کچھ شکاری رات گئے واپس بھی آئے تھے لیکن کسی نے بھی فیاض کے بیان کردہ حملے والے آدمی سے متعلق کچھ نہ بتایا۔

پھر دوپہر تک فیاض نے ایک ایسے پیشہ ور شکاری کو تلاش کر لینے میں کامیابی حاصل کر لی تھی جس نے تین گنا معاوضے پر اُن کے ساتھ جانے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔

فیاض نے پارٹی سے صرف ایک آدمی کو ساتھ لیا تھا اور پیشہ ور شکاری سمیت خان صاحب کی تلاش میں روانہ ہو گیا تھا۔

”خواہ مخواہ اس شخص نے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔“ فیاض کے ساتھی نے کہا تھا۔۔۔۔۔ یہ ایک جوان العمر انجینئر تھا۔۔۔۔۔ ارشد نام تھا۔۔۔۔۔ اور شکار کے خط میں نری طرح مبتلا تھا۔

”غلطی ہوئی مجھ سے۔“ فیاض بولا۔ ”خان صاحب کے قول کی تردید نہیں کرنی چاہئے تھی۔ بات وہیں ختم ہو جاتی۔“

”ان کا ناپ میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

”بھئی خورے ہیں۔“ فیاض نے اسامہ بنا کر بولا۔

”کیا واقعی افریقہ کے جنگلوں میں شکار کھیل چکے ہیں۔۔۔۔۔؟“

”خدا جانے۔۔۔۔۔ تین سال سے زیادہ کی واقفیت نہیں ہے۔“

دفعۃً شکاری چلتے چلتے رک گیا۔

”کیا بات ہے۔۔۔۔۔“ فیاض نے پوچھا۔

”ذرا سوچنے دیجئے کہ وہ کدھر گئے ہوں گے۔“ شکاری بولا۔ ”کیا وہ پہلے بھی کبھی ادھر آئے ہیں۔“

”میں نہیں جانتا۔۔۔۔۔! میرے ساتھ پہلی بار آئے تھے۔“

”ضرور آپکے ہوں گے۔“ شکاری نے کہا ”ورنہ اس طرح تنہا نہ نکل کھڑے ہوتے۔“

”بھائی تم یہی تصور کرو کہ وہ ادھر کبھی نہیں آئے تھے۔“

”اگر میں یہ تصور کر لوں جناب تو میرے فرشتے بھی اُن کا پتہ نہ لگا سکیں گے اتنا بڑا جنگل ہے۔“

”اچھا تو پھر جس طرح مناسب سمجھو۔“

”یہی فرض کرنا پڑے گا کہ وہ پہلے بھی کبھی ادھر آئے ہیں۔ اسی طرح سمت کا تعین کرنے میں مدد ملے گی۔“

فیاض کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد شکاری ایک طرف چلنے لگا تھا۔ ارشد نے فیاض کی طرف دیکھ کر سر کو جنبش دی تھی اور بولا تھا۔ ”میں بھی پہلی ہی بار آیا ہوں۔“

فیاض کچھ کہنے بغیر شکاری کے پیچھے چلا رہا۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر بعد شکاری نے پوچھا۔ ”صاحب آپ کا خیمہ تو محفوظ رہا تھا۔“

”بروقت آنکھ کھل گئی تھی۔“ خیمہ گرا دیا۔ ورنہ شاید وہ بھی محفوظ نہ رہتا۔“

”چتا نہیں کون کبخت تھا۔“

”اُدھ۔۔۔۔۔ تو کیا آگ لگائی گئی تھی۔“

”جی ہاں۔۔۔۔۔ حالانکہ ہوا تیز تھی۔ لیکن یقیناً جانے کہ آگ کسی الاؤ کی چنگاری نے نہیں بھڑکائی تھی۔“

”کوئی خاص دلیل رکھتے ہو اس سلسلے میں۔“

”ارے صاحب! تیل میں ڈوبے ہوئے کپڑے کے گولے ملے ہیں جنہیں استعمال نہیں کیا جاسکا تھا۔! اتنے ہی گولوں سے کام چل گیا تھا جنہیں آگ لگا کر خیموں پر پھینکا گیا تھا۔“

”بالکل نئی بات! پہلے تو کبھی سننے میں نہیں آیا کہ یہاں ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو۔“

”اگر وہ گولے نہ ملتے تو یہ حادثہ اتفاقیہ ہی قرار پاتا۔“

”تو پھر کہیں یہ روز کا کھیل نہ بن جائے۔“ فیاض بولا۔

”اب مشکل ہے! لوگ جو کس رہیں گے۔ کچھ جاگیں گے اور کچھ سوئیں گے۔“

”اچھے بھلے لوگ بھی بسا اوقات سنک جاتے ہیں۔“ شکاری نے کہا اور پھر رک گیا۔

یہاں آس پاس چند اونچے درخت تھے اور دور تک قد آدم جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔

”میرا خیال ہے کہ اب میں کسی درخت پر چڑھ کر دیکھوں۔“

”ضرور۔۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔۔! فیاض بیزار سی بولا۔

شکاری درخت پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ فیاض نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔

”پتیا صاحب! کر کری ہو گئی ساری تفریح....!“ ارشد نے کہا۔

”میرا مقصد بھی صرف آؤنگ تھا، شکار ہوتا یا نہ ہوتا....!“ فیاض نے کہا اور سگریٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

پھر دونوں نے سگریٹ سلگائے تھے اور شکاری کو درخت پر چڑھتے دیکھتے رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ خان صاحب کہیں نباتات کی قوالی سننے بیٹھ گئے ہوں گے۔!“ ارشد نے کہا۔

”بیشمار نامعلوموں سے سابقہ پڑ چکا ہے لیکن یہ خان صاحب اپنی نوعیت کے ایک ہی نکلے۔!“

”کرتے کیا ہیں....؟“ ارشد نے پوچھا۔

”شہر میں کئی بڑی عمارتوں کے مالک ہیں۔ ہزاروں روپے ماہانہ کرایہ آتا ہے اس لئے باتوں

کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے۔!“

”مجھے ہاتھی کے شکار کا قصہ سنا ہے تھے۔!“ ارشد بولا۔ ”ماننا پڑے گا کہ اچھے داستان گو

ہیں۔ پورا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔!“

شکاری درخت کی انتہائی اونچائی پر پہنچ کر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔

”ویسے بھی اس بار شروع ہی سے عجیب طرح کی خلش ذہن میں موجود رہی ہے۔!“ فیاض بولا۔

”اس سے تو بہتر تھا کہ مسلسل سفر کرتے رہتے۔!“

”یوں بھی کیا بُرے تھے.... اگر یہ نالائق آدمی....!“

”ارے.... وہ آگ والی بات تو رہ ہی گئی۔!“ دفعتاً ارشد نے موضوع بدل دیا۔

”اگر شکاری کا بیان درست ہے تو یہ کسی شریر آدمی کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ بعض لوگ

دوسروں کی سراسیمگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔!“

اتنے میں شکاری درخت سے اتر آیا اور شمال کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ادھر چلنا چاہئے۔

ممکن ہے آپ کا آدمی ادھر ہی نکل گیا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہے تو واپسی کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔!“

”کیوں....؟“ فیاض چونک پڑا۔

”ابھی حال ہی میں ادھر دلدل دریافت ہوئی ہے۔!“

”دلدل دریافت ہوئی ہے۔؟“ فیاض کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں.... قریب ایک مربع فرلانگ کا ٹکڑا ہے۔!“

”کیا پہلے اس کا علم نہیں تھا کسی کو....؟“

”جی نہیں۔!“

”بڑی عجیب بات ہے....!“

”تمہیں معلوم ہے کہ دلدل کہاں سے شروع ہوتی ہے۔“ ارشد نے پوچھا۔

”جی ہاں.... اب ہم لوگوں نے وہاں نشانیاں قائم کر دی ہیں۔!“

”سوال یہ ہے کہ اچانک کیسے دریافت ہوئی۔!“

”یہ تو میں نہیں جانتا۔!“

”چلو.... تو پھر چلتے ہیں....!“ فیاض بولا۔

”میں اس قسم کا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“ ارشد نے طویل سانس لے کر کہا۔

”ان لوگوں نے نشانیاں قائم کر دی ہیں۔!“ فیاض بولا۔

”اگر خان صاحب دلدل ہی کی نذر ہوئے ہیں تو اب اُن کا سراغ نہیں ملے گا۔ لہذا محض

دلدل کی زیارت کر لینے سے کیا فائدہ۔!“

”آپ کی یہ بات بھی ٹھیک ہی ہے۔!“ شکاری بولا۔

”اگر ٹھیک ہے تو پھر تمہیں دلدل کا ذکر ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔!“

”یہ بات تو ابھی ان صاحب نے بھائی ہے.... واقعی اگر آپ کے ساتھی کو دلدل ہی نکل

چکی ہے تو اب سراغ نہیں ملے گا۔!“

”اچھی بات ہے.... تو اب ادھر لے چلو.... جدھر شکار ہوتا ہے۔!“ فیاض نے ناخوش

گوار لہجے میں کہا۔ ”آئے ہیں تو یہ وقت یوں ہی کیوں ضائع ہو۔“

”یہ بات تو میں نے پہلے آپ سے کہی تھی کہ اگر راستہ بھولے ہیں تو کسی نہ کسی پارٹی کے

ساتھ واپس آجائیں گے۔!“

”چلو بس ختم کرو اس قصے کو.... شکار ہو گا۔!“

انہوں نے شمال مشرق کا رخ کیا تھا۔

”ادھر پرندے ملیں گے.... ایک جھیل ہے۔!“ شکاری بولا۔

”ایسا ہی شکاری ہونا چاہئے کہ آج ہی واپس بھی ہو جائے۔“ ارشد نے کہا۔

”جھیل زیادہ دور نہیں ہے۔!“

تھوڑی دیر بعد انہوں نے فاروں کی آوازیں سنی تھیں۔ شاید جھیل میں شکار ہو رہا تھا۔
”کشتیاں مل جاتی ہیں۔!“ فیاض نے پوچھا۔

”جی ہاں..... جھیل کے آس پاس ماہی گیر آباد ہیں۔!“

”ارے.....!“ ارشد چلتے چلتے رُک گیا۔

”کیوں..... کیا ہوا.....؟“ فیاض اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”وہ..... وہ..... دیکھئے..... ادھر.....؟“

فیاض نے اٹھے ہوئے ہاتھ کی سمت دیکھا تھا اور ٹھٹھک گیا تھا۔! شکاری بھی رُک کر ادھر ہی دیکھنے لگا۔!

جھاڑیوں میں کوئی رنگین شے جھانک رہی تھی! شکاری آہستہ آہستہ اُن کے قریب پہنچ گیا اور آہستہ سے بولا۔

”پہلے پتھر پھینکتے..... پتا نہیں کیا چیز ہے.....؟“

”ارشد نے پتھر اٹھا کر جھاڑیوں میں پھینکا تھا۔! لیکن اُس شے نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔! اب وہ آہستہ آہستہ جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ فیاض نے ہولسے سے ریو اور نکال لیا تھا۔ قریب پہنچ کر شکاری نے رائفل کے کندے سے جھاڑیاں ہٹائی تھیں۔! ”خدا کی پناہ.....!“ وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔

کیپٹن فیاض اُسے سامنے سے ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور پھر اُس کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ جھاڑیوں میں ایک برہنہ آدمی اونڈھا پڑا ہوا نظر آیا۔ جس کے پورے جسم پر نیلی، پیلی اور سرخ دھاریاں تھیں۔ ایسی دھاریاں جن میں کشیدگی بے قاعدگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی آرٹسٹ نے فاصلوں کی پینٹش پر خصوصی توجہ دیکر اپنی چابک دستی کا مظاہرہ کیا ہو۔! ”گوشت پوست کا آدمی تھا۔ لیکن مردہ۔!“

”یہ..... یہ..... کیا بلا ہے.....!“ شکاری ہکلبایا۔ اُس کی تو گھگھکی بندھ گئی تھی۔

”کسی غیر معمولی آدمی کی لاش۔“ فیاض جبکہ کر لاش کا جسم ٹٹوٹا ہوا بولا۔ پھر اُس نے اُسے سیدھا کیا تھا۔

”دُور نہیں.....! تم دونوں قریب آ جاؤ، یہ مرچکا ہے۔ بھوت نہیں ہے۔!“ فیاض نے کہا۔

”دل..... لیکن..... اس کی رنگت.....!“ ارشد نے کہا جو بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

”غیر معمولی.....!“ فیاض رنگین دھاریوں کو انگلی سے گھستا ہوا بولا تھا۔! پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا اور جھک کر ان دھاریوں کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

”حیرت انگیز.....!“ اُس نے سراپیسنگی کے سے عالم میں کہا۔ ”یہ دھاریاں بنائی ہوئی نہیں معلوم ہوتیں..... بلکہ قدرتی ہیں۔!“

لاش کی مٹھیاں بند تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے اُن کے اندر کچھ موجود ہو۔!

فیاض نے بدقت مٹھیاں کھولی تھیں اور اُن میں سے ایک سے تیل میں بھیگی ہوئی کپڑے کی گیند برآمد ہوئی تھی اور دوسری سے ماچس کی ڈبیا۔

فیاض نے شکاری کی طرف دیکھا! اور وہ سر ہلا کر بولا۔

”بالکل اسی قسم کے گولے خیمے کے پاس ملے تھے..... ایک تھیلے میں رکھے ہوئے۔!“

”تو پچھلی رات وہ آگ اس نے لگائی تھی۔!“ فیاض طویل سانس لے کر بولا اور ایک بار پھر اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔!

”ل..... لیکن..... یہ مرا کیسے!“ شکاری کی آواز کانپ رہی تھی۔

”بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آرہی۔ نہ گولی کا زخم ہے اور نہ کہیں کسی چوٹ کا نشان.....!“

”اور یہ دھاریاں قدرتی ہیں.....!“ ارشد نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

”ایسا ہی لگتا ہے.....!“

”مگر یہ ہے کون.....؟“

فیاض نے شکاری کی طرف دیکھا! لیکن شاید اُس دھاری دار چہرے کے خدوخال اُس کے لئے بھی غیر مانوس تھے۔ اُس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔!



وہ ایک معمر آدمی تھا۔ لیکن اُس کی ساتھی نہ صرف جوان بلکہ بے حد خوبصورت بھی تھی۔ اُس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظریں بار بار اُس کی طرف اٹھتی تھیں۔ کیفے گریفی کے چھوٹے سے ہال میں غالباً گنجائش سے زیادہ لوگ موجود تھے۔ ایک ایک میز پر آٹھ اور چھ افراد نظر آرہے تھے۔

”سب متوجہ ہیں تمہاری طرف....!“ بوڑھے نے عورت سے کہا۔ ”بس ایک وہی نہیں ہے! اس طرح سر جھکائے بیٹھا ہے جیسے صرف کھانے پینے ہی کے لئے پیدا ہوا ہو۔!“

”کس کی بات کر رہے ہو....!“ عورت چونک کر بولی تھی۔

”ادھر بائیں جانب دیکھو....! اپنی میز پر تہا ہے۔!“

”اوہ.... ہاں، ہے تو....!“

”صورت سے بھی احمق اور سیدھا سادھا لگتا ہے....!“

”لیکن خوبصورت بھی ہے....!“ عورت مسکرائی۔

”ہاں.... ایسا ہی کچھ ہے....!“ بوڑھے نے بے دلی سے کہا۔

”تو پھر کیا خیال ہے....؟“ عورت اُس تہا آدمی کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ جو دوسروں کی طرح اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”اُسے تمہاری طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ ورنہ میری کلاکاری پر حرف آئے گا۔!“ بوڑھے نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

”ہمیں کام کے آدمی کی تلاش ہے....!“ عورت آہستہ سے بولی۔

”اگر وہ خود کام کا نہ ہو تو اُس کے توسط سے دوسرے مل جائیں گے۔!“

”تم جانو....!“

”اوہ تو کیا ہم کسی بندھے نکلے اصول کے تحت کام کرتے رہے ہیں....!“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔!“

”پھر کیا مطلب تھا۔!“

”کچھ بھی نہیں۔!“

”سنو.... وہ صورت سے ہی احمق لگ رہا ہے اور میں فی الحال کسی سمجھ دار آدمی سے اپنے تجربے کی ابتدا نہیں کرنا چاہتا۔ ذہین آدمیوں کو ڈھب پر لانے میں دشواری پیش آتی ہے۔!“

”ٹھیک ہے.... لیکن وہ تو ادھر دیکھ ہی نہیں رہا۔!“

”زبردستی متوجہ کروں گا۔!“

”وہ کس طرح....؟“

”ابھی بتاتا ہوں ذرا اُسے کافی کاکپ خالی کر لینے دو....!“

”کہیں بات کچھ کی کچھ نہ ہو جائے۔!“

”بس اب اس سلسلے میں کچھ نہ کہنا....“ بوڑھا پھر جھنجھلا گیا۔

”تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے....!“

”بحث نہیں.... تمہیں صرف میرے احکامات کی تعمیل کرنی ہے۔!“

”جو اندیشے پیدا ہوں اُن کا اظہار کر دینا فرمانی تو نہیں ہو سکتی۔!“

”دشواری یہ ہے کہ تم بہت بولتی ہو۔!“

”بولنے میں کیا دشواری ہو سکتی ہے۔!“

”بس.... اب خاموش رہو....!“

”اچھی بات ہے....!“

بوڑھا اٹھا تھا اور سیدھا اُس تہا آدمی کی میز کی طرف چلا گیا تھا۔

”معاف کیجئے گا۔!“ وہ اُس کی طرف جھک کر بولا۔

”ٹھک.... کیوں....!“ وہ اچھل پڑا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے ڈر گیا ہو۔

”کیا آپ تہا ہیں....!“

”جج.... جی ہاں.... بالکل....!“

”تو ہماری میز پر چلے....!“

”ٹھک.... کیوں....؟“

”وہ ہے میری میز....!“

اب وہ اُس طرف متوجہ ہوا تھا۔ اور اُس عورت پر بھی نظر پڑی تھی جسے ہال کے سارے افراد گھورے جا رہے تھے۔

”تنت.... تو.... پھر....!“

”مطلب یہ کہ ہم بھی تہا ہی ہیں! اور اس شہر میں اجنبی.... وہ میری بیوی ہے....!“

”بیوی....!“ اُس نے ایسے انداز میں دہرایا جیسے بیوی نہیں ملک الموت ہو۔

”جی ہاں....! ہم بڑی تہائی محسوس کر رہے ہیں۔!“

”تت..... تو پھر.....!“

”کہا..... ناکہ میری میز پر چلے..... دونوں کی تنہائی رفع ہو جائے گی۔!“

”اچھا... اچھا...!“ وہ کچھ اور زیادہ احسن نظر آنے لگا تھا..... ویٹر کو اشارہ کر کے وہ اٹھا تھا اور بوڑھے کے ساتھ اُسکی میز پر چلا آیا تھا۔ لیکن اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے کوئی جرم کر بیٹھا ہو۔

”آپ تو کچھ بولتے ہی نہیں.....!“ بوڑھے نے کہا۔

”جی کیا بولوں.....!“

”اپنا تعارف ہی کر دیجئے.....!“

”اُدہ..... اچھا..... میرا نام علی عمران ہے۔!“

”اور میں ضحیم اشرف ہوں..... یہ مسز اشرف.....!“

”جی بہت خوشی ہوئی۔!“

”ان کی طرف دیکھئے بھی تو.....!“

”کن کی طرف.....!“

”میری بیوی کی طرف.....!“

”جی بہت اچھا.....!“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ اُس کی بیوی کی طرف دیکھا

اور شرمناک سر جھکا لیا۔

عورت بوڑھے کو آنکھ مار کر مسکرائی تھی۔!

”آپ عجیب آدمی ہیں۔!“ بوڑھے نے کہا۔

”جی میں نہیں سمجھا۔!“

”اس قدر شرمیلے کیوں ہیں۔!“

”والد صاحب کہتے ہیں کہ حیالصف ایمان ہے.....!“

”وہ دوسرے معنوں میں کہا جاتا ہے..... بات کرتے ہوئے شرمناک اور بات ہے..... آپ

بچے تو نہیں.....!“

”آپ کیوں انہیں خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔!“ عورت بولی۔

”ارے واہ یہ بھی کوئی بات ہے..... اتنے بڑے ہو گئے ہیں اور اس طرح شرماتے ہیں۔!“

عمران ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے بوڑھے کی شکل دیکھتا رہا۔

”اب کافی کا ایک دور ہمارے ساتھ بھی ہو جائے۔!“ بوڑھے نے کہا۔

”پیٹ پھٹ جائے گا میرا..... یہ میری اٹھارویں پیمالی تھی۔“ عمران مسکری صورت بنا کر بولا۔

”اتنی زیادہ پیتے ہیں۔!“

”ہفتے کو اتنی ہی پیٹی پڑتی ہے۔!“

”کوئی خاص وجہ.....!“

”جی..... اب وجہ کیا بتاؤں.....!“ عمران نے پھر شرمناک سر جھکا لیا۔

”نہ بتانے کی کوئی وجہ.....؟“

”جی ہاں.....!“

”کیا وجہ ہے.....؟“

”وجہ میں ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔!“

”تب تو واقعی کوئی شرم ہی کی بات ہو گی۔“ بوڑھے نے کہا۔ اور عمران حیرت سے منہ کھول

کر اُس کی شکل دیکھنے لگا۔

”ابھی پورا تعارف تو ہوا ہی نہیں۔“ عورت بولی۔

عمران بوڑھے کی شکل دیکھتا رہا۔ عورت سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔

”اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو صاحب زادے۔“ دفعتاً بوڑھا گڑبڑا کر بولا۔

”آپ روشن ضمیر معلوم ہوتے ہیں۔!“ عمران کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آپ کو علم ہے

کہ وجہ شرمناک ہے۔!“

”ہو سکتا ہے لیکن میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔“

”بس سمجھ جائیے.....! میری زبان سے تو نہیں نکلے گا۔!“

”رہنے بھی دیجئے! یہ ایک کیس ہے.....!“

”کیس.....!“ عمران اُچھل پڑا۔

”جی ہاں.....!“

”مداوائف والا یا پولیس والا.....!“ عمران نے احسانہ انداز میں پوچھا۔

”اوہو..... میں نہیں سمجھا.....!“
 ”کاروبار کی بات الگ ہے.... اگر میں کسی سے دو سو ٹن بیاز خریدنا چاہوں تو وہ مجھے ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ ویسے کوئی نہیں پوچھتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے لوگ مجھ سے ملنا پسند ہی نہ کرتے ہوں۔!“
 ”مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔!“
 ”تو پھر آپ کیوں خواہ مخواہ مل بیٹھے ہیں۔! مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی کسی نے مجھے اس طرح لفٹ دی ہو.....!“

”آف فوہ.....! مجھے تو دراصل ماحول سے تمہاری لا تعلقی پسند نہیں آئی تھی۔!“
 ”جی میں نہیں سمجھا۔!“
 بوڑھا اُس کی طرف جھک کر آہستہ سے کان میں بولا۔ ”یہاں سب میری بیوی کو گھور رہے تھے۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا تھا۔!“

عمران نے دزدیدہ نظروں سے عورت کی طرف دیکھا تھا اور پھر جھینپ کر سر جھکا لیا تھا۔
 بوڑھے نے اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر تہقہہ لگایا۔
 ”تو کون سی فلم دیکھی تھی آپ نے.....!“ عورت نے عمران سے پوچھا۔
 ”جی..... پھا پھا کٹنی.....!“
 ”کوٹھے ٹپنی بھی ضرور دیکھئے گا۔!“

”جی بہت اچھا۔!“ عمران نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
 ”ہم لالہ زار میں ٹھہرے ہیں۔!“ بوڑھے نے کہا ”کرہ نمبر گیارہ ہے۔ کل کسی وقت آؤ..... تمہیں سچ مچ کام کا آدمی بنا دوں گا۔ شخصیت میرا خاص موضوع ہے۔ ماہر نفسیات ہوں۔!“

”مم..... ماہر نفسیات.....!“
 ”ہاں..... سمجھتے ہو نا ماہر نفسیات.....!“
 ”وہ جو مسٹر یا کے مریضوں کا علاج کرتا ہے.....!“
 ”میں تو صرف..... لوگوں کی شخصیتیں بدل دیتا ہوں۔ تمہیں اتنا اسرارٹ بنا دوں گا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔!“
 ”واقعی.....!“ عمران کے لہجے میں چکار تھی۔

بوڑھے کی آنکھوں میں عجیب تاثرات نظر آئے۔ اُس نے بہت غور سے عمران کو دیکھا تھا۔
 پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”یہ تو ذہانت کی لہر تھی۔“
 ”جی.....!“ عمران اس طرح بولا جیسے کسی بہرے آدمی سے مخاطب ہو۔!
 ”کچھ نہیں..... تم ایک لاجواب کیس ہو۔ میری معلومات میں اضافے کا سبب بن سکو گے۔!“
 ”جی میں نہیں سمجھا۔!“
 ”تمہارے سمجھنے کی بات بھی نہیں ہے! مشغلہ کیا ہے تمہارا۔!“
 ”جی بس یونہی..... کوئی خاص نہیں.....!“
 ”مطلب یہ ہے کہ کیا کام کرتے ہو.....!“
 ”ایکسپورٹ.....!“
 ”کیا بیچتے ہو.....!“

”آلو..... بیاز..... اور بیگن وغیرہ.....! بڑی مصیبت ہے جناب پچھلے سال گھیاں بھی ایکسپورٹ کی تھیں۔ لیکن ساری کی ساری خراب ہو گئیں..... بڑا نقصان ہوا تھا۔ ویسے ہمارے یہاں سے جو چیز بھی مڈل ایسٹ بھیجی جاتی ہے خراب نکل جاتی ہے..... کہیں یہ صیہونی سازش کا نتیجہ تو نہیں؟“

”وہ کس طرح صاحب زادے.....!“
 ”ارے اسرائیل کے جاسوس ہمارے مال میں جراثیم گھسیڑ دیتے ہوں۔!“
 بوڑھا اس طرح ہنسا تھا جیسے کسی بچے نے سیاست پر گفتگو شروع کر دی ہو۔!
 ”کیوں کیا میں غلط کہہ رہا تھا۔!“
 ”کیا تم صرف تجارت ہی کے موضوع پر گفتگو کر سکتے ہو۔!“
 ”نہیں فلموں کے موضوع پر بھی کر سکتا ہوں۔ کل ہی پھا پھا کٹنی دیکھی ہے۔!“
 ”اور کوئی موضوع.....!“ بوڑھے نے بُرا سامنہ بنا کر پوچھا۔
 ”اور تو بس یونہی ہے۔!“ عمران کے لہجے میں مایوسی تھی۔
 ”اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایک بے حد کار آمد آدمی بنا سکتا ہوں۔!“
 ”بنادیتے.....! لوگ پتا نہیں مجھے کیا سمجھتے ہیں.....!“

”یقین کرو....!“

عمران نے عورت کی طرف دیکھا اور وہ سر ہلا کر بولی۔ ”میرے شوہر غلط نہیں کہہ رہے۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے ایک شاعر کو گوشت کی دوکان کرا دی ہے۔ اب وہ اتنی چابک دستی سے بغدہ چلاتا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہ جائے حالانکہ اس سے پہلے گوشت کھاتا تک نہیں تھا۔“

”مجھے کیا بنائے گا جناب....!“ عمران نے بوڑھے سے پوچھا۔

”جو تم چاہو....!“

”ہیر و بن سکتا ہوں....!“ عمران نے لہک کر پوچھا۔

”ایک ہفتے کے اندر اندر....!“

”بس.... ایک بار مس فیٹم کے ساتھ چانس مل جائے۔!“

”کیا مس فیٹم آپ کو بہت پسند ہے....!“ عورت نے پوچھا۔

”جی بس اُس کے ڈانس بہت اچھے لگتے ہیں۔!“

”وہ تو اعضاء کی شاعری کی بجائے اعضاء کی دھماچو کڑی ہوتے ہیں۔!“ بوڑھا بڑا سامانہ بنا کر بولا۔

”جی میں نہیں سمجھا....!“

”شخصیت کی تبدیلی کے ساتھ ہی سمجھ داری بھی آجائے گی۔!“

”جی بہت اچھا....!“

”تو پھر کل آرہے ہوتا....!“

”ضرور آؤں گا.... ضرور.... ضرور....!“



اُس حیرت انگیز لاش کی دریافت نے پورے ملک میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ چوٹی کے سائنس دان اُس کا جائزہ لے رہے تھے اور اخبارات میں اُس سے متعلق طرح طرح کے مضامین شائع ہونے لگے تھے!

اور پھر سائنس دانوں کا متفقہ فیصلہ منظر عام پر آگیا تھا۔ جس کے مطابق رنگین دھاریاں مصنوعی نہیں تھیں۔ انہیں اُس کی کھال سے الگ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

پھر وہ لاش ایک عجوبے کی حیثیت سے محفوظ کر لی گئی۔ سارے ذہن لاش ہی میں الجھ کر رہ

گئے تھے۔ شکاریوں کے کیمپ میں لگنے والی آگ سے کسی کو سروکار نہیں تھا۔ اور نہ یہ بات ہی کسی کو یاد رہی تھی کہ لاش کی مٹیوں سے بھی کچھ چیزیں برآمد ہوئی تھیں۔ لیکن کیپٹن فیاض اپنے چند ہاتھوں کے ساتھ پھر ساراوان کے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ چار دن گذر جانے کے بعد بھی خان صاحب کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔

لاش عمران نے دیکھی تھی اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ ”یہ انجام ہوتا ہے رنگین مزاجی کا۔!“

اُسے حیرت تھی کہ فیاض نے اس معاملے میں اُس سے رجوع نہیں کیا تھا۔ اُس نے اُس کے کسی دوست کی گمشدگی کا واقعہ بھی سنا تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اپنے چند ہاتھوں کے ساتھ دوبارہ ساراوان کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔!

لاش کی شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی تھی۔ حالانکہ اخبارات میں اُسکی تصویر شائع ہوئی تھی۔ اُسی صبح کو جب عمران اپنے نئے ملاقاتیوں بیگم اور پروفیسر ضعیف اشرف سے ملنے جا رہا تھا اُس نے سر سلطان کی کال ریسیو کی۔

”تم کیا کر رہے ہو....؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”کس سلسلے میں....!“

”اسی لاش کے سلسلے میں....!“

”میں کیا کر سکتا ہوں جبکہ شناخت بھی نہیں ہو سکی! کیپٹن فیاض دیکھ بھال کر رہا ہے اُس کی۔ لیکن ایک بات کہوں گا لاش کی تشہیر سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس طرح شناخت نہیں ہو سکے گی۔!“

”کیوں....؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”دیکھنے والوں کے ذہن دھاریوں میں الجھ جاتے ہیں۔ چہرے کی بناوٹ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا....!“

”اوہ.... تمہارا خیال درست ہے!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”پھر کیا کیا جائے....!“

”کسی بہت اچھے آرٹسٹ کی خدمات حاصل کر کے ایسا چہرہ بنوایا جائے جس پر دھاریاں نہ

ہوں.... اور پھر اس کا فوٹو گراف چھاپا جائے اخبارات میں۔!“

”مجھے حیرت ہے کہ تشہیر کار کو پہلے ہی یہ بات کیوں نہیں سوچھی تھی۔!“

”اُسے اپنی محبوبہ کے ساتھ تھیٹر جانا رہا ہو گا۔“

”کیا بکواس ہے....؟“

”ہر شے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔! میری بکواس سے کیا ہوتا ہے۔ یہ سب سمجھتے ہیں کہ پوری قوم ان کی غلام ہے۔ اور یہ خصوصیت سے خدا کی طرف سے اتارے گئے ہیں نالائقوں پر....!“

”تم ان سے الگ تو نہیں ہو....!“

”یہی تو مصیبت ہے ہم سب ایک دوسرے کو برا کہہ رہے ہیں لیکن توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی بھی کوشش کریں۔“

”یہ آج تم بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہے ہو۔!“

”پڑوسی نے پانی کا ٹیکس ادا نہیں کیا تھا۔ کمبخت میرا کنکشن کاٹ گئے ہیں میں نے اس غلطی کی طرف توجہ دلائی تو بولے، تم استحصالی ہو۔!“

”پتا نہیں کیا بکواس کر رہے ہو۔!“

”شائد استحصالی ابھی آپ تک نہیں پہنچا۔!“

”بکواس بند کرو.... اور دیکھو کہ تم لاش کے سلسلے میں کیا کر سکتے ہو۔!“

”جب تک لاش کی شناخت نہ ہو جائے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ تفتیش کا نقطہ آغاز لاش کی شناخت ہی ہو گی۔!“

”ٹھیک کہتے ہو.... میں اس کی طرف توجہ دلاؤں گا! اچھی بات....!“

”خدا حافظ....“ کہہ کر عمران نے ریسپور کریڈل پر رکھ دیا تھا اور سلیمان کو آواز دی تھی۔

”جی فرمائیے....“ اُس نے کمرے میں داخل ہو کر جارحانہ انداز میں پوچھا۔

”پانی کا کیا ہوا....!“

”ہو تا کیا.... میں نے ٹیکس کی ادائیگی کی رسید دکھائی تھی بولے تین دن سے پہلے ممکن نہیں۔!“

”کیوں....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”حلقے کا انسپکٹر بیوی کے ساتھ زچگی میں جا پڑا ہے۔!“

”ہائیں....! زچگی ہو چکی یا نہیں۔!“

”خود پتا لگائیے جا کر.... مجھے اپنی بچگی ہی سے فرصت نہیں۔!“

”ابے یہ بچگی کیا ہوتی ہے۔!“

”سری اس طرح بات بات پر ٹوکتی ہے جیسے میں کل ہی تو پیدا ہوا ہوں.... میٹرک کیا

پاس کر لیا ہے کہ ہوش ہی ٹھکانے نہیں۔!“

”ابے تو پھر کیوں عشق کیا تھا جبکہ تو ان میٹرک بھی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔!“

”پاگل کتے نے کاٹا تھا مجھے۔“

”بس تو پھر بھونکتا رہ۔!“

”نہیں صاحب....! اب یہ گاڑی نہیں چلے گی۔!“

”کیوں میرا اور اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔ گاڑی اسی طرح چلتی رہے گی۔!“

”آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔!“

”مجھے کیا پڑی ہے کہ مجبور کروں گا۔ ساری گاڑیاں چلی جا رہی ہیں! کہ پیٹرول سے تو چلتی

نہیں.... دانٹا کلکل سے چلتی ہیں۔!“

”میں کہیں بھاگ جاؤں گا۔!“

”کبھی کبھی خیریت کا خط بھی لکھتا رہو....! لیکن ٹھہر.... تو کب تک ہو جائے گا میونسپل

کارپوریشن کا انسپکٹر....!“

”میں.... کیا کہہ رہے ہیں....!“

”ٹھیک کہہ رہا ہوں....!“

”کیا ٹھیک کہہ رہے ہو....!“

”ڈیڑھ سال تو ہو گئے....!“

”مت کیجئے بے شرمی کی باتیں۔!“ سلیمان جھینپ کر بولا۔ پھر وہ وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔

عمران نے پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ہوٹل لالہ زار کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری

طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ”روم نمبر گیارہ۔“

آپر ایٹر نے روم نمبر گیارہ سے ملایا تھا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ہیلو....!“

”ہپ.... پرو فیسر صاحب....!“ عمران ہکلا لیا۔

”کون پرو فیسر....؟“

”پروفیسر ضعیفم اشرف!“

”یہاں کوئی پروفیسر ضعیفم اشرف نہیں ہے۔“

”آپ کون ہیں.....؟“ عمران نے پوچھا۔

”سوڈا بائی کارب.....!“

”جی میں لیووں کا تیزاب بول رہا ہوں۔!“

”کیا بکواس ہے۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

عمران نے ریسپور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی تھی۔ اور اس طرح منہ چلانے لگا تھا جیسے جگلی ترک کر کے فون کرنے کی زحمت گوارا کی تھی!

اچانک فون کی گھنٹی بجی تھی اور اُس نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ ریسپور اٹھایا تھا۔ دوسری طرف سے بولنے والے نے اُس کا نام لیا تھا۔

”لیس عمران اسپیکنگ۔!“

”طویل فاصلے کی کال ہے جناب!“ اچکچھ کے آپریٹر کی آواز آئی ”ہولڈ آن کیجئے۔!“

”او کے.....!“

تھوڑی دیر بعد آواز آئی ”ہیلو..... ہیلو..... علی عمران۔!“

”علی عمران اسپیکنگ.....!“

”ہلومائی لیڈ..... میں ضعیفم اشرف بول رہا ہوں..... سردار گڈھ سے..... بھی اچانک ڈیڑھ بجے رات والی فلائٹ سے ہمیں سردار گڈھ آنا پڑا مجھے اُمید تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔ اسی لئے مطلع کر رہا ہوں کہ اب میں لالہ زار میں نہیں ہوں۔!“

”کک..... کیا بیگم صاحبہ بھی چلی گئیں۔!“ عمران نے پوچھا۔

”ہاں بھی۔!“

”تت تو سردار گڈھ بہت دور ہے۔!“ عمران نے مایوسی سے کہا۔

”اگر تم ایک کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہو تو یہ دوری کچھ بھی نہیں ہے۔!“

”جی میں نہیں سمجھا۔!“

”ارے بھی..... تم سردار گڈھ آسکتے ہو.....!“

”جی ہاں..... آتو سکتا ہوں..... لیکن تین چار دن بعد..... ڈھائی سوٹن پیاز کا بیعانہ دے

بیٹھا ہوں..... ڈلیوری لئے بغیر بل بھی نہیں سکتا یہاں سے.....!“

”کوئی بات نہیں، تین چار دن بعد ہی سہی..... میرا پتہ نوٹ کرو.....!“

”ایک منٹ.....!“ عمران نے کہا اور کاغذ پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

”ہیلو..... جی ہاں..... پتہ لکھوا پیئے۔!“

”عابد روڈ پر فانوس.....!“

”ارے وہ گول عمارت۔!“

”وہی دہی..... کیا تم ادھر آچکے ہو۔!“

”ایک آدھ بار..... جی ہاں..... کیا وہ آپ کی ذاتی عمارت ہے۔!“

”ہاں بھی..... میں نے اپنی نگرانی ہی میں تعمیر کرائی تھی۔ خود ہی نقشہ بھی بنایا تھا۔!“

”مم..... میں ضرور آؤں گا۔ اُس عمارت کو اندر سے دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔!“

”آجاؤ..... تمہاری یہ آرزو بھی پوری ہو جائے گی۔!“

”بس تین چار دن بعد.....!“

”اچھا..... خدا حافظ.....!“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

ریسپور کریڈل پر رکھ کر اُس نے دیدنے بجائے تھے اور جوزف کو آواز دی تھی..... لیکن

جوزف کی بجائے سلیمان کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”میں آخر کہاں سے لاؤں پانی۔!“ اُس نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

”اسی پڑوسی کے فلیٹ سے جس کے دھوکے میں ہمارا کنکشن کاٹا گیا ہے۔!“

”وہاں قفل پڑا ہوا ہے۔!“

”تو پھر بارش کے لئے ڈیمانگ۔!“

”سنجیدگی سے سوچئے۔!“

”ہر فلیٹ سے ایک ایک گلاس پانی مانگ لا۔ تیری بالٹی بھر جائے گی۔!“

”میں کچھ نہیں جانتا.....“ وہ پیر پختا ہوا چلا گیا۔ جوزف ایک طرف خاموش کھڑا تھا اُس کے

جانے کے بعد بولا۔ ”لیس باس۔!“

”پانی کا کیا ہو گا!“

”کچھ بھی نہیں باس....!“

”ارے تو کھائیں گے کیا۔ روٹیاں کیسے پکیں گی!“

”آج آنا ہی سہی باس....!“

”کیوں بکواس کر رہا ہے!“

”بڑی عمدہ خشک دُش تیار ہوتی ہے باس! خشک آٹے میں شکر اور مکھن ڈال کر بھون لیا جائے۔“

”اور پینے کے لئے....!“

”دودھ دینے والی تین چار بکریاں منگوالو۔“

”اور اُن بکریوں کو اپنا خون پلاؤں گا۔“ عمران آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

”ہاں.... یہ پراہلم تو بدستور برقرار رہے گا۔“ جوزف سہم کر بولا۔

پھر عمران نے گل رخ کو آواز دی تھی.... وہ آئی اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔!

”پانی کا کیا ہو گا؟“

”صبح سے کہہ رہی ہوں کہ بالٹی اٹھا اور سڑک کے نلکے سے بھرا.... لیکن سنتا ہی نہیں۔!“

”سڑک کا نلکا!“ عمران اُچھل پڑا۔ ”سامنے کی بات تھی۔ لیکن مجھے نہ سوچھی! بول کیا مانگتی ہے!“

”آپ میری خواہش پوری نہیں کر سکیں گے۔!“

”ہائیں.... کیا بکواس کر رہی ہے۔!“

”سچ کہہ رہی ہوں....!“

”لاکھ دولاکھ کی بات....!“ عمران نے سہم کر پوچھا۔

”نہیں صاحب.... صرف لات دولات کی بات ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”اتنا مارئے.... اتنا مارئے کہ کھال اتر جائے۔ یہی ہے میری خواہش۔!“

”کس کو....!“

”اُسی کو جو سڑک کے نلکے سے ایک بالٹی نہیں لاسکتا۔ توہین ہو جائے گی اُس ازلی باورچی

کی....!“

”یعنی تو سلیمان کو پتہ چاہتی ہے میرے ہاتھوں۔!“

”جی صاحب۔!“

جوزف کے دانت نکل پڑے تھے اور عمران گل رخ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔!

”کیا سچ....!“

”جی صاحب.... اس لاٹ صاحب کے بچے کی ایک بار کنڈی ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائیگا۔!“

”وہ نہیں ٹھیک ہو سکتا! لا بالٹی مجھے لادے.... میں بھراؤں گا۔!“

”آپ....!“ وہ منہ پھاڑ کر رہ گئی۔

”کیوں....؟ مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں! اگر باورچی شرمیلا ہو تو یہی

ہوتا ہے....!“

”آپ پر ثار کروں اُس حرام خور کو.... میں خود بھراؤں گی۔!“

”نہیں.... میرے کو لاؤ بے بالٹی....!“ جوزف بولا۔

”اجی آپ کہاں تکلیف کریں گے....!“

”نہیں باس! میں لاؤں گا۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ سڑک پر کوئی نلکا بھی ہے۔!“

”سنا تم نے....!“ عمران نے گل رخ سے کہا ”کہہ رہا ہے اسے سڑک پر کسی نلکے کا علم ہی

نہیں تھا۔!“

”سب ایک سے ہیں۔!“ وہ برا سامنے بنا کر بولی ”اسے تو بوتل کے علاوہ اور کچھ بھجائی ہی

نہیں دیتا....!“

”میں لانے گا نلکے سے پانی.... چلو.... بالٹی ڈو....!“ جوزف دروازے کی طرف ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ چلے گئے تھے اور عمران دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا تھا۔

فون کی گھنٹی پھر بجی اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے سر سلطان کی آواز آئی تھی۔

”یس سر....!“ عمران ماؤ تھ پیس میں بولا۔

”لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔ ایک سفارت خانے کا گمشدہ آفیسر.... وانگ لین....!“

”گمشدہ سے کیا مراد ہے آپ کی۔!“

”ایک ہفتہ قبل اپنے ملک کے لئے ہوائی جہاز سے روانہ ہوا تھا۔ لیکن وہاں نہیں پہنچا جب کہ

صرف اٹھارہ گھنٹے کی پرواز ہے۔“

”اوہ.... کس طرح شناخت کیا گیا۔“

”اُسی تدبیر سے جو تم نے بتائی تھی۔“

”ظاہر ہے کہ وہ تدبیر آپ نے تو بتائی نہ ہوگی کسی کو....!“

”نہیں میں نے پریس کو تجویز بھجوائی تھی۔ لیکن ابھی اُس کے بارے میں اخبارات میں کچھ

نہیں آیا۔ شام کے اخبارات ابھی چھپ ہی رہے ہوں گے۔!“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میری بتائی ہوئی تدبیر کے مطابق اُسے شناخت کیا گیا ہے۔!“

”آرٹھ کی بنائی ہوئی تصویر اخبارات میں شائع ہونے والی تصویر کے تراشے سمیت

میرے پاس بھجوائی گئی ہے۔!“

”کمال ہے.... براہ کرم یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجئے کہ وہ آرٹھ ہی کی تجویز تھی یا کسی

اور نے آرٹھ کو مشورہ دیا تھا۔ مجھے آرٹھ اور مشورہ دینے والے دونوں کے نام اور چٹوں سے

آگاہ کیجئے۔!“

”اس کی کیا ضرورت ہے....!“

”تفتیش کے سلسلے میں پہلا قدم سمجھ لیجئے۔!“

”اچھی بات ہے.... میں دیکھتا ہوں۔!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر عمران نے ریسور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

پھر قریباً دو گھنٹے کے بعد سر سلطان نے عمران کو اُن دو افراد کے بارے میں بتایا تھا۔

”تجویز سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری میکونو کی تھی۔ اور تصویر اُس کی بیوی مٹیو ہاشی

نے بنائی ہے۔ دونوں سٹائیکس پرنسز اسٹریٹ میں رہتے ہیں۔!“

”یہ ہوئی ثابات....!“

”کیا مطلب....؟“

”جی کچھ نہیں.... اب ہوا ہے اپنے ڈیپارٹمنٹ کا کیس....!“

”اس کے باوجود بھی تھا۔!“

”ہو سکتا ہے.... بہر حال میں آپ کو رپورٹ دیتا رہوں گا۔!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ عمران ریسور کریڈل پر رکھ کر اٹھ گیا۔

تھوڑی دیر تک کھڑا سر سہلا تا رہا پھر اچانک جوزف کو آواز دی۔

”یس باس....!“ کہیں سے اُس کی آواز آئی تھی۔ اور وہ خود بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

اُس کے ہاتھ میں بالٹی نظر آئی۔

”کیوں وقت برباد کر رہا ہے اپنا.... بھگتے دو اُن دونوں کو....!“

”اتنی دیر میں تین بالٹیاں ڈال چکا ہوں باس....!“

”بہت ہیں.... اب بالٹی رکھ دے اور وردی پہن کر میرے ساتھ چل....!“

”وردی پہن کر....! کوئی خاص بات ہے۔!“

”اچھا اب تو بھی سوال کرنے لگا ہے....؟“ عمران آنکھیں نکال کر بولا ”ان بد بختوں کی

صحبت نے تجھے بھی ڈبویا۔!“

”میں معافی چاہتا ہوں باس....!“ جوزف گڑگڑایا۔

”جل جلدی کر....!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ چلا گیا تھا اور عمران میز کے قریب بیٹھ کر کچھ لکھنے لگا تھا۔

جوزف کی واپسی تک اُس نے تحریر مکمل کی تھی اور پیڑ سے کاغذ نکال کر لفافے میں رکھ رکھا تھا۔

”دیکھو.... تم یہ لفافہ جولیا کے پاس لے جاؤ گے۔!“ اُس نے جوزف سے کہا۔ ”گیراج نمبر

تین تک بیدل جاؤ۔ وہاں سے سفید ڈوج نکالنا.... جولیا جہاں بھی جائے اُسے لے جانا....!“

”ڈرائیو بھی میں ہی کروں گا۔!“ جوزف نے پوچھا۔

”گیراج سے جولیا کے بنگلے تک، کہیں اور جانا ہوا تو وہ خود ڈرائیو کرے گی اور تم گاڑی

حیثیت سے بیٹھو گے۔!“

”او کے باس....!“ جوزف نے کہا اور باہر نکل گیا۔

عمران تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر فون پر جولیا نافنر واٹر کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر ایکس ٹو کی آواز میں بولا۔ ”عمران کی طرف سے تمہیں کچھ

ہدایات ملیں گی۔ ان پر عمل کرو....!“

”بہت بہتر جناب....!“

”آدھے گھنٹے تک تمہیں گھر ہی میں موجود رہنا ہے کیونکہ اسی دوران میں وہ تم سے رابطہ قائم کرے گا۔“

”ایسا ہی ہو گا جناب.....!“

عمران نے ریسپور کریڈل پر رکھ دیا۔



باہر سے کسی نے کال بیل کا بٹن دبایا تھا اور جولیا دروازے کی طرف چھٹی تھی۔ لیکن جوزف پر نظر پڑتے ہی سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ شاید وہ سمجھی تھی کہ عمران بذات خود آیا ہو گا۔

جوزف نے لفافہ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

”اندر آ جاؤ.....!“ وہ پیچھے ہٹی ہوئی بولی۔

”شکریہ مسی.....!“ جوزف نے ادب سے کہا۔ اندر داخل ہوا اور سٹنگ روم میں پہنچ کر اُس وقت تک کھڑا رہا جب تک جولیا نے ایک کرسی کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا۔

جولیا عمران کا خط پڑھتی رہی تھی پھر جوزف سے بولی تھی ”تم سے کیا کہا گیا ہے۔!“

”اگر تم ڈرائیو کرو تو میں باڈی گارڈ کے فرائض انجام دوں۔ ورنہ میں ہی ڈرائیو کروں گا۔!“

”بہتر ہے..... مجھے باڈی گارڈ کی ضرورت نہیں۔!“

”جیسی تمہاری مرضی۔!“

”میں پندرہ منٹ میں تیار ہو جاؤں گی۔!“

”اوکے مسی.....!“

جولیا دوسرے کمرے میں چلی آئی تھی۔ لباس تبدیل کرتے کرتے ایک بار پھر اُس نے عمران کا خط شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا..... آنکھیں گہرے تفکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے رہی ہو۔

سٹنگ روم میں واپس آ کر جوزف سے بولی ”کہاں چلنا ہے.....!“

”میں کیا جانوں مسی.....!“ جوزف نے حیرت سے کہا ”مجھے ہدایت ملی ہے کہ جہاں آپ

جانا چاہیں آپ کے ساتھ رہوں۔!“

”ٹھیک ہے..... چلو..... پرنسز اسٹریٹ چلنا ہے۔ سٹائیسویں عمارت میں.....!“

”پرنسز اسٹریٹ لے چلوں گا! لیکن یہ تم دیکھنا کہ سٹائیسویں عمارت کون سی ہے۔!“

”میں بتا دوں گی۔!“

ڈوج روانہ ہوئی تھی۔ جولیا پچھلی سیٹ پر نیم دراز اُسی معاملے سے متعلق سوچے جا رہی تھی..... نام وانگ لین اُس کے لئے نیا نہیں تھا۔ پہلے بھی سُن چکی تھی۔ ایک سفارت خانے سے تعلق تھا اُس کا، ایک بار ناپسندیدہ سرگرمیوں کی بناء پر اُس کے اپنے محکمے کی نظر میں بھی آ گیا تھا۔ لیکن بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ اور معاملہ رفع دفع ہو گیا تھا۔

بہر حال کوئی خاص ہی بات رہی ہوگی۔ تبھی یہ طریق کار اختیار کیا گیا ہے..... وہ سوچتی اور بار بار ذہن میں دہراتی رہی کہ اُسے کیا کرنا ہے۔

”وہ دیکھو..... وہ سبز عمارت..... اُسی کا نمبر سٹائیس ہو سکتا ہے۔ پچھلی چھپیں تھی۔!“ اُس نے پرنسز اسٹریٹ سے گذرتے ہوئے کہا اور جوزف نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

”ٹھیک ہے..... پھانک کھلا ہوا ہے۔ گاڑی اندر موڑ دو۔!“

جوزف نے تعمیل کی تھی۔ گاڑی اندر پورچ تک لیتا چلا گیا..... ایک باوردی گھریلو ملازم نے اُن کی پذیرائی کی۔

جولیا فائفر واٹر نے اُسے اپنا کارڈ دیا تھا اور اُس کے چلے جانے کے بعد جوزف سے بولی تھی ”تم گاڑی میں بیٹھو گے۔!“

”اوکے مسی.....!“

ملازم واپس آیا تھا اور جولیا کو اندر لے گیا تھا..... سٹنگ روم میں اعلیٰ درجے کی آر انش نظر آئی۔ کئی عمدہ قسم کی پینٹنگز دیواروں پر آویزاں تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی سٹنگ روم میں دخل ہو کر خرم ہوا تھا۔ جولیا اٹھ گئی۔

”میرے لائق خدمت محترمہ.....!“ اُس نے کہا۔

”مم..... میں..... مسٹر وانگ لین سے ملنا چاہتی ہوں۔!“

”مسٹر وانگ لین.....!“ اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”لیکن یہاں تو میں رہتا ہوں.....!“

میرا نام میکونو ہے۔!“

”اوہ..... تو کیا یہ پرنسز اسٹریٹ کی سٹائیسویں عمارت نہیں ہے۔!“

”یقیناً ہے محترمہ....!“ وہ اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”تب پھر مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔!“

”آپ تشریف رکھئے....!“ وہ ہاتھ ہلا کر بولا ”یقیناً آپ کو پتا ٹھیک یاد نہیں رہا۔“

جولیانے بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی تھی۔

اُس نے کہا ”مسٹر وانگ لین نے مجھے یہی پتا بتایا تھا۔ کوئی دس دن پہلے کی بات ہے۔!“

”مجھے حیرت ہے کہ اُس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا! وہ تو سفارت خانے ہی کی عمارت میں

رہتا تھا کیونکہ غیر شادی شدہ تھا۔ یہاں میں اپنی بیوی متی ہاشی کے ساتھ رہتا ہوں.... اور

فرسٹ سیکریٹری ہوں۔!“

”متی ہاشی!“ جولیانہ نظر انداز میں بولی ”وہی خاتون تو نہیں جنکی تصاویر کی نمائش پیش

آرٹ گیلری میں ہوئی تھی۔!“

”جی ہاں.... وہی....!“

”لئے کا اشتیاق تھا۔ عجیب اتفاق ہے! لیکن آخر مسٹر وانگ لین نے غلط بیانی سے کیوں کام

لیا۔ میں عمارت کا نمبر بھول سکتی ہوں لیکن اسٹریٹ کا نام بھلا دینا ممکن نہیں۔!“

”آپ درست کہہ رہی ہیں! کیا میں پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ آپ وانگ لین سے

کیوں ملنا چاہتی ہیں۔!“

”اُونہ کوئی بات نہیں میں سفارت خانے ہی میں مل لوں گی۔!“

”آپ کو مایوسی ہوگی محترمہ.... وہ باہر گیا ہوا ہے۔!“

”کب گئے باہر....!“

”پچھلے ہفتے کی بات ہے! اور شاید اب یہاں واپس ہی نہ آئے کہیں اور بھیج دیا جائے گا۔!“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔!“

”اسی لئے میں نے پوچھا تھا کہ آپ اُس سے کیوں ملنا چاہتی ہیں۔!“

”اب کیا بتاؤں۔!“

”کیا وہ آپ کا مقروض تھا۔!“

”ایسی ہی کچھ بات تھی۔!“

”اگر کوئی تحریر ہو اس کی آپ کے پاس تو شاید میں مدد کر سکوں۔!“

”تحریر تو نہیں ہے....!“ جولیانے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”در اصل بات دوسری

تھی.... ہماری واقفیت ٹپ ٹاپ کلب کی حد تک بہت پرانی ہے۔ میں دراصل آپ کے ملک سے

کچھ سامان منگوانا چاہتی تھی۔ مسٹر وانگ لین نے کہا۔ وہ منگوا دیں گے اور ڈیوٹی بھی نہیں ادا کرنی

پڑے گی۔!“

”کتنی رقم دی تھی آپ نے....!“

”دو ہزار ڈالر....!“

میکو نو سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑ کر رہ گیا۔

”آپ دشواری میں پڑ گئی ہیں محترمہ....!“

”کیا رقم کی واپسی کی کوئی صورت نہیں....!“

”اگر وہ واپس آیا تو افہام و تفہیم ہی سے یہ مسئلہ حل ہو سکے گا۔ ورنہ کوئی صورت نہیں۔!“

”خدا مجھ پر رحم کرے....!“

”آپ کا تعلق کس ملک سے ہے محترمہ۔!“

”سوئٹزر لینڈ سے۔ گھڑیاں بنانے والی ایک فرم کی نمائندہ ہوں۔!“

”بہر حال اگر وہ یہیں اپنی ملازمت پر واپس آگیا تو میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔!“

”اور دوسری صورت میں....!“

”مجھے افسوس ہے محترمہ! کہ دوسری صورت میں آپ اپنی رقم ڈوبی ہوئی ہی سمجھئے۔!“

”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ ایسا ہو گا۔!“

”ہم لوگوں کے درمیان وہ کبھی نیک نام نہیں رہا.... مجھے بے حد افسوس ہے محترمہ۔!“

”خیر جو ہونا تھا ہوا اب میں صرف دعا کر سکتی ہوں کہ وہ واپس آجائے! اچھا اجازت دیجئے۔!“

”اُوہ.... نہیں ٹھہریئے.... آپ کیسا مشروب پینا پسند کریں گی۔!“

”پھر کبھی مسٹر میکو نو....!“

”جب دل چاہے تشریف لائیے۔ آپ میری بیوی سے مل کر بے حد خوش ہوں گی۔ وہ اس

وقت موجود نہیں ہیں۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ جولیانے کہا!

وہ اُسے پورچ تک رخصت کرنے آیا تھا۔ جولیا جلد از جلد وہاں سے روانہ ہو جانا چاہتی تھی۔ خدشہ تھا کہ کہیں وہ اُس سے اُس کا پتہ نہ پوچھ بیٹھے۔ گاڑی میں بیٹھے ہی اُس نے آہستہ سے کہا تھا ”جتنی جلد ممکن ہو نکل چلو.....!“

جوزف نے خاصی پھرتی دکھائی تھی۔ اُس کے سارے حواس یکثرت بیدار ہو گئے تھے۔ لیکن جولیانے کچھ دیر بعد محسوس کیا تھا کہ اُس کی گاڑی کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اُس نے جوزف کو بھی اس سے آگاہ کر دیا اور پھر جوزف نے اپنے طور پر اس کا اندازہ لگانے کیلئے گاڑی کو خواہ مخواہ چکر دیئے تھے۔ ”تمہارا خیال صحیح ہے مسی..... کالی گاڑی تعاقب کر رہی ہے۔!“

”اچھا تو بس اب سیدھے میرے گھر ہی چلو..... اور گاڑی وہیں کھڑی کر کے تم بھی اُس وقت تک رکے رہنا جب تک کالی گاڑی پہچان نہ چھوڑوے۔!“

”اوکے..... مسی.....!“

جولیانے سیدھے عمران کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔! ورنہ خیال تھا کہ واپسی پر اُس سے معاملے کی نوعیت معلوم کرنے کی کوشش کرے گی۔!

گھر پہنچ کر جوزف کو اپنے ساتھ ہی اندر لیتی چلی گئی تھی اور فون پر عمران کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ جواب فوراً ملا تھا اور اُس نے اُسے رپورٹ دی تھی۔

”اُس کے کسی جواب سے تم نے یہ اندازہ تو نہیں لگایا تھا کہ وانگ لین مرچکا ہو۔!“ عمران نے سوال کیا۔!

”ہر گز نہیں۔ اُس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ بس یہی کہتا رہا تھا کہ اُس کی واپسی کی امید کم ہے! کہیں اور اس کی پوسٹنگ کر دی جائے گی۔! بہر حال وانگ لین کے بارے میں اُس نے یہ بتایا تھا کہ وہ سفارت خانے میں نیک نام نہیں ہے۔ اُس کے ساتھی بھی اُسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔!“

”اب تم ٹھیک پندرہ منٹ بعد پھر جوزف سے کہنا کہ تمہیں ٹپ ٹاپ ٹائٹ کلب کی طرف لے جائے۔ میں خود دیکھوں گا۔ اُس کالی گاڑی کو..... شاید اُن لوگوں کو جوزف پر شبہ ہوا ہے۔!“

”قصہ کیا ہے.....؟“

”قصہ بتانے بیٹھ گیا تو پندرہ منٹ بعد اس قابل نہیں رہوں گا کہ کالی گاڑی پر نظر رکھ سکوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی تھی اور سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔!

جولیانے بُرا سا منہ بنا کر..... گھڑی پر نظر ڈالی۔!

کالی گاڑی نے اب تک سفید دُوج کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ ٹپ ٹاپ ٹائٹ کلب پہنچی تھی۔! لیکن پارکنگ شیڈ کی طرف نہیں گئی تھی۔ دُوج کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو جانے کے بعد سڑک ہی پر رُک گئی تھی۔

عمران نے اپنی ٹو سیٹر خاصے فاصلے پر روکی۔! کالی گاڑی سے کوئی اُترا نہیں تھا۔! تھوڑی دیر بعد شاید وہ واپسی کے لئے مڑنے لگی تھی اور پھر ایک آدمی اُس پر سے اُتر کر کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا تھا۔! اور گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اب اُس میں صرف وہی عورت دکھائی دی جو اسے ڈرائیو کر رہی تھی۔!

صورت کچھ جانی پہچانی سی لگتی تھی لیکن جب وہ قریب سے گذری تو ایک اور گاڑی اُن کے درمیان حائل ہو گئی۔ ورنہ شاید عمران اُسے پہچان ہی لیتا۔!

بہر حال! وہ اب بھی اُسی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔! اگر صورت شناسانہ لگی ہوتی تو شاید عمران گاڑی کے تعاقب کا ارادہ ترک کر کے صرف اُس آدمی پر نظر رکھتا جو ٹپ ٹاپ ٹائٹ کلب میں جولیا کی نگرانی کے لئے رک گیا تھا۔!

گاڑی دس منٹ بعد لالہ زار ہوٹل کے سامنے رکی تھی۔ عورت گاڑی سے اُتری اس بار عمران نے اُسے پہچان لیا تھا۔ کچھ ہی دنوں پہلے اس کی تصویر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ یہ آرٹسٹ متیو ہاشی تھی۔ جس کی تصاویر کی نمائش نیشنل آرٹ گیلری میں پچھلے دنوں ہوئی تھی.....! خاصی دل کش صورت والی تھی۔ ناک اور آنکھوں کی بناوٹ بھی اس حد تک اُس کی قوی روایات کے مطابق نہیں تھی کہ اُس کی صحیح قومیت یا نسل کا تعین کیا جاسکتا۔ جنوبی مشرق ایشیائی کی کوئی عورت لگتی تھی۔

عمران بھی گاڑی سے اُترا تھا اور اس کا تعاقب کرتا رہا تھا..... اور کھوپڑی تو اس وقت سہلائی تھی جب اُسے کمرہ نمبر گیارہ میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہی کمرہ نمبر گیارہ جس میں پروفیسر ضعیف اشرف اپنی بیگم کے ساتھ مقیم تھا اور جہاں سے آج صبح فون پر کسی سوڈا بانی کارب نے عمران کی

”تیزابیت“ کو چیلنج کیا تھا۔

البتہ عمران یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ کمرے کا قفل مٹو ہاشی ہی نے کھولا تھا یا اندر سے کسی اور نے یہ دروازہ کھولا تھا۔

وہ ہلٹا ہوا آگے بڑھ گیا.... اور پھر ایک ٹویٹ میں داخل ہو کر ریڈی میڈ میک اپ ٹاک پر فٹ کیا تھا....! کوٹ اتارا اور الٹ کر پہن لیا۔ سوٹ میچ بن گیا! غرضیکہ نیچے سے اوپر تک حلیہ ہی بدل کر رہ گیا تھا!۔

ٹوئٹ سے نکل کر ڈائینگ ہال کی راہ لی.... وہاں سے معلوم کیا تھا کہ اتنی دیر میں مٹو ہاشی تو نہیں چلی گئی تھی۔ کالی گاڑی اب بھی وہیں کھڑی نظر آئی جہاں پارک کی گئی تھی وہ دروازے کے پاس سے ہٹ آیا۔ ایک میز کی جانب بڑھ ہی رہا تھا کہ کچھ یاد آگیا۔ اور وہ سیدھا پبلک کال بوتھ کی طرف چلا گیا۔

انسرومنٹ میں سکھ ڈال کر صفدر کے نمبر ڈائل کئے تھے۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

عمران نے ڈائمنگ ہال پر اچھتی ہوئی سی نظر ڈالتے ہوئے کہا ”میں عمران بول رہا ہوں۔ جو لیا اس وقت ٹپ ٹپ ٹپ نائٹ کلب میں موجود ہے۔ تمہیں یہ دیکھنا ہے کہ وہاں اُس کی نگرانی تو نہیں ہو رہی۔ نگرانی کرنے والے کا تعاقب کر کے معلوم کرنا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں۔!“

”آپ کہاں ہیں....؟“

”گھر پر نہیں ہوں.... باہر سفید ڈوج میں جوزف بیٹھا ہے جو لیا اُسی گاڑی پر واپس ہو گی۔ جوزف ڈرائیو کرے گا۔!“

”اچھی بات ہے.... میں پہنچ رہا ہوں۔!“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا.... اور بوتھ سے باہر نکل کر زینوں کے قریب کی ایک میز سنبھال لی۔ مٹو ہاشی زینوں سے اتر کر ہال ہی سے گذرتی ہوئی باہر جاتی۔

شائد آدھے گھنٹے بعد وہ زینوں سے اترتی دکھائی دی تھی۔ عمران اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس بار وہ جلدی میں نہیں معلوم ہوا تھا۔ مٹو ہاشی کے باہر نکل جانے کے بعد وہ اٹھا تھا۔ کاؤنٹر پر اپنے بل کی رقم ادا کی تھی اور زینے طے کر کے کمرہ نمبرہ گیارہ کے سامنے آڑکا تھا۔ راہداری سنسان

پڑی تھی۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی بالکل اسی انداز میں جیسے روم سروس والے دیتے ہیں! لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ لابی میں بھی کوئی نہیں تھا۔ ہینڈل گھمایا۔ دروازہ مقفل تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں اُس کی جیب سے ایک باریک سا اوزار نکل آیا تھا۔

جلد ہی قفل کھول لینے میں کامیاب ہو جانے کے بعد اُس نے ہینڈل گھمایا تھا اور آہستہ آہستہ دروازے کو پیچھے کھسکانے لگا تھا۔

اندر سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے پر اُس نے پورا دروازہ کھول دیا۔ سامنے والا کمرہ خالی نظر آیا۔ لیکن یہ دو کمرے کا سوٹ تھا۔ آہستہ سے دروازہ بند کر کے وہ آگے بڑھا! اور بائیں جانب والے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

یہ بیدار تھا۔ سامنے ہی مسہری پر ایک ایسا آدمی چت پڑا ہوا نظر آیا جس کا سارا چہرہ پیٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور جسم پر پورا لباس جو توں سمیت موجود تھا۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے!۔ عمران آہستہ آہستہ چلتا ہوا مسہری کے قریب آڑکا....! نامعلوم آدمی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ چہرے پر اس طرح بینڈج کی گئی تھی کہ صرف آنکھیں نتھنے اور کسی قدر دہانہ کھلے ہوئے تھے!۔

عمران نے جھک کر اس کا بازو ہلایا۔ لیکن اُس نے آنکھیں نہ کھولیں پھر جلدی ہی معلوم ہو گیا کہ وہ سو نہیں رہا تھا بلکہ بیہوش تھا!۔

کوٹ کی آستین اوپر کھسکا کر دستانے کا ٹین کھولا ہی تھا کہ ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں منکلو گئے۔ جلدی سے ٹین بند کر کے آستین ٹھیک کی تھی۔ اور اُلٹے پاؤں واپس ہوا تھا!۔ تیزی سے زینے طے کر کے فون بوتھ پر پہنچا اور رانا پیلس کے نمبر ڈائل کئے۔

دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سُن کر بولا۔ ”میں لالہ زار ہوٹل سے بول رہا ہوں۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے سائیکو مینشن سے ایک ایمبولینس گاڑی یہاں بھجواؤ۔ خاور اور چوہان سے کہو کہ اپنی ملٹری کی وردی میں ایمبولینس کے ساتھ ہی پہنچ جائیں۔ لالہ زار کے کمرہ نمبر گیارہ میں ایک مریض ہے جسے سائیکو مینشن منتقل کرنا ہے۔!“

”بہت بہتر جناب....!“

”خاور اور چوہان کو ہدایت دو کہ کسی سے پوچھ گچھ کئے بغیر سیدھے کمرہ نمبر گیارہ تک پہنچ کر دروازے پر دستک دیں۔ ایک بار ہلکی دوبارہ نسبتاً تیز۔ ایسوی لینس کا عملہ گاڑی ہی میں بیٹھا رہے گا۔!“

”میں سمجھ گیا جناب....!“

”ویش آل....!“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر کے پھر زینوں کی طرف چل پڑا۔

کمرے میں پہنچ کر ایسی جگہ بیٹھ گیا تھا جہاں سے بیڈ روم اور داخلے کے دروازے پر نظر رکھ سکتا۔ ہاتھ بگلی ہو لٹر پر تھا۔!

نامعلوم آدمی کی پوزیشن میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ بس پہلے ہی کی طرح گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اور یہ سانسیں بیڈ روم کے باہر سے بھی سُنی جاسکتی تھیں۔

عمران نے جیب سے جیوگم کاپیک نکالا اور ایک پیس دانٹوں میں دبا کر آہستہ آہستہ کچلنے لگا۔

قریباً پندرہ منٹ بعد دروازے پر ویسی ہی دستک ہوئی تھی جس کے لئے عمران نے بلیک نوید کو ہدایت دی تھی۔!

اُس نے ریڈی میڈ میک اپ ناک پر سے جیب میں ڈالا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

سامنے کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ چوہان پوری وردی میں ملبوس کھڑے نظر آئے۔!

”اوہ.... تو آپ ہیں۔!“ خاور بولا۔

”چپ چاپ اندر آ جاؤ....!“ عمران نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”اور تم لیفٹیننٹ صاحب باہر ہی ٹھہرو۔!“

”جیسی جناب کی مرضی....!“ چوہان ہنس کر بولا۔

”کسی اور کو اندر داخل نہ ہونے دینا....!“

”ظاہر ہے....!“

خاور کے داخل ہو جانے پر عمران نے دروازہ بند کر دیا تھا اور بیڈ روم کے سامنے پہنچ کر بولا۔ ”اسے سائیکو مینشن لے جانا ہے۔!“

”لیکن یہ ہے کون....؟“ خاور نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

”دھاری دار آدمی....!“

”نہیں....!“ خاور چونک پڑا۔

”زندہ ہے.... لیکن بیہوش....!“

”اوہ....!“

”اب تم دروازے پر ٹھہرو گے اور چوہان ایسوی لینس کے عملے کو اسٹریچر سمیت یہاں لائے گا۔ اُس سے کہہ دینا کہ اپنے ساتھ کسی اور کو اوپر نہ آنے دے۔ اگر کوئی پوچھے تو ڈانٹ دے۔!“

”میں سمجھ گیا....!“ خاور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا تھا۔ اوہ چلا گیا اور عمران وہیں ٹھہرا رہا۔ اس دوران میں اُس نے پھر کوٹ اُتار کر الٹ لیا تھا اور بیچ دوبارہ سوٹ بن گیا تھا۔!

چوہان سارے لوازمات کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اور جب کارروائی شروع ہو گئی تو عمران چپکے سے کھسک کر پھر ڈائٹنگ ہال میں آ گیا۔

کاؤنٹر پر کئی لوگ کھڑے کلرک سے باتیں کر رہے تھے انہوں نے عمران کو زینوں سے اترتے دیکھا تھا اور جب عمران غصے میں بھرا ہوا قریب پہنچا تو ایک آدمی نے پوچھا ”کیوں صاحب! کیا بات ہے....؟“

”ہو گی کچھ....! جہنم میں جائے.... میں نے تو مریض کی خیریت پوچھی تھی۔ لیکن سالوں نے ڈانٹ دیا.... پتا نہیں خود کو کیا سمجھنے لگتے ہیں وردی پہن کر....!“

”ایک کیپٹن ہے اور دوسرا لیفٹیننٹ....!“ دوسرا بولا۔

”آخر کس کمرے میں ہے مریض کہ مجھے خبر تک نہیں۔!“ کلرک نے حیرانی ظاہر کی۔

”کمرہ نمبر گیارہ میں....!“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”کمرہ نمبر گیارہ.... لیکن وہ لوگ تو آج صبح ہی آئے ہیں۔ ایک برقعہ پوش عورت تھی اور

ایک مرد....!“

اُس نے جلدی سے رجسٹر کھولا تھا اور صفحے پر نظر دوڑاتا ہوا بولا۔ ”اسد اللہ اور بیگم اسد اللہ۔!“

پھر وہ زینے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مریض کو اسٹریچر پر ڈال کر نیچے لایا جا رہا تھا۔! سر سے تیر تک چادر میں ڈھکا ہوا تھا۔!

کلرک کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر زینے کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔

”جج جناب....!“ وہ خاور کی طرف دیکھ کر ہکھلایا۔ ”یہاں اندراج....!“

”بکو مت....!“ خاور دھاڑا۔

کلرک بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

”یہی بتا دیجئے کہ مسٹر اسد اللہ ہیں یا بیگم اسد اللہ۔“ عمران نے احمقانہ انداز میں ہانک لگائی۔
”بٹ اپ....!“

”ارے باپ رے....!“ کہہ کر اُس نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی تھی۔

وہ سب صدر دروازے سے گذرتے چلے گئے۔

”دھاندلی ہے دھاندلی....!“ ایک آدمی بولا۔

”قطعی غیر قانونی حرکت....!“

”ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو کھٹ سے جتھ کڑی!“

”بھائیو....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا ان لوگوں میں مسٹر اسد اللہ بھی شامل تھے!“

”جی نہیں....!“ کلرک نے کہا۔

”جب تو پھر بیگم اسد اللہ ہی ہوں گی۔ پتا نہیں بیچارے اسد اللہ کہاں ہوں گے ہو سکتا ہے

کہیں اور دوالینے چلے گئے ہوں۔!“

”مجھے تو کچھ گھپلا معلوم ہوتا ہے۔!“ ایک آدمی بولا۔

”ارے کہیں وہ بیچارے کمرے ہی میں نہ بیٹھے ہوں۔!“ عمران نے کہا۔

کلرک نے ہیڈ ویٹر سے کہا تھا کہ وہ اوپر جا کر دیکھ آئے۔ وہ چلا گیا تھا۔ اور یہاں بھانت

بھانت کی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ عمران بیچ بیچ میں نکلے لگتا جا رہا تھا۔

”آپ کس کمرے میں مقیم ہیں جناب!“ دفعتاً کلرک نے عمران کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مقیم کہاں ہوں۔ پروفیسر ضخیم اشرف سے ملنے آیا تھا۔ لیکن کمرہ نمبر گیارہ میں تو مسٹر اینڈ

مسز اسد اللہ مقیم ہیں۔!“

”پروفیسر رات ہی کو چلے گئے تھے۔!“

”خواہ مخواہ کی دوڑ پڑی۔ مجھے مطلع کئے بغیر ہی چلے گئے.... خیر....!“

اتنے میں ہیڈ ویٹر نے آکر اطلاع دی کہ کمرہ بالکل خالی ہے۔

”یہ بہت بُرا ہوا کہ وہ لوگ بیگم اسد اللہ کو ان کی عدم موجودگی میں لے گئے۔!“ کلرک بولا۔

”خواہ مخواہ کی باتوں سے کیا فائدہ....!“ ایک آدمی نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے مسٹر اسد اللہ بھی

ملٹری ہی والے ہوں۔ اور انہی کی ایماء پر وہ لوگ اُن کی بیمار بیوی کو لے گئے ہوں۔!“

”ہاں بھی.... یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔!“ عمران چپک کر بولا۔ ”ہم لوگ خواہ مخواہ افلاطون

بنے جا رہے ہیں....!“

اسی قسم کی باتوں میں پندرہ منٹ گذر گئے۔ عمران وہیں رُک کر دیکھنا چاہتا تھا کہ کسی اسد اللہ

کی واپسی بھی ہوتی ہے یا نہیں۔!

وہ چپ چاپ وہاں سے ہٹا تھا اور ڈائینگ ہال کے ٹوائیلٹ کی طرف چلا گیا تھا۔!

وہاں پھر کوٹ اُلٹا تھا اور ریڈی میڈ میک اپ ٹاک پر جمایا گیا۔!

غالباً دس ہی منٹ بعد وہ گھڑی آپہنچی تھی جس کا اُسے انتظار تھا۔

ایک آدمی ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ بھی کسی ہسپتال کے لوگ اسٹریچر

سمیت آئے تھے....!

”مسٹر اسد اللہ.... وہ لوگ لے گئے بیگم صاحبہ کو....!“ کلرک مضطربانہ انداز میں چیخ کر بولا۔

وہ آدمی جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ اور حیرت سے منہ کھولے کلرک کو دیکھتا رہا۔

”جی ہاں....!“ کلرک آگے بڑھ کر بولا۔ ”ملٹری والے تھے۔!“

اُس کے چہرے پر پل بھر کے لئے سراسیمگی کے آثار نظر آئے تھے۔ پھر سنبھل کر بولا

تھا۔ ”اچھا.... اچھا.... لے گئے.... میں بھی یہی چاہتا تھا کہ ملٹری کے ہسپتال میں داخل

کراؤں۔ کوشش کی تھی لیکن اُمید نہیں تھی۔!“

پھر وہ اپنے ساتھ آنے والوں کی طرف مڑ کر بولا تھا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں بھائی۔ ہر جانہ

دینے کو تیار ہوں۔!“

ساتھ ہی اُس نے جب سے پرس نکالا تھا اور دس دس کے کچھ نوٹ نکال کر ایک آدمی کے

ہاتھ میں رکھ دیئے تھے۔!

اُس نے اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر واپس چلنے کا اشارہ کیا۔!

اسد اللہ کاؤنٹر پر آیا اور کلرک سے بولا۔ ”اچھا تو جناب میرا حساب کر دیجئے اب تو مجھے بھی

مریضہ کے ساتھ رہنا پڑے گا۔!“

کلرک نے جلدی جلدی حساب کیا تھا اور وہ ادا ہو گئی کر کے صدر دروازے کی طرف بڑھا ہی

کے کمران میں داخل ہوئی تھی اور کمران کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔

عمران کے اشارے پر وہ گاڑی سے اتر اٹھا اور حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔!

پھر ایک لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر پہنچے تھے۔! عمران اُسے ایک کمرے میں لے گیا۔

”تم یہاں آرام کرو۔۔۔۔۔!“ اُس نے کہا ”لیکن خود سے کمرے کے باہر قدم بھی نہ نکالنا! فون

موجود ہے۔ جس چیز کی بھی ضرورت ہو ریسور اٹھا کر بلن دباؤ اور کہہ دینا۔۔۔۔۔!“

”بہت بہتر جناب۔۔۔۔۔!“ اُس نے گوگلو کے سے عالم میں کہا تھا۔

عمران دوسری منزل پر آیا تھا۔۔۔۔۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر خاور سے فون پر رابطہ قائم کیا۔!

”اُسے ہوش آگیا ہے! کسی نشہ آور دوا کے زیر اثر تھا۔! خاور کی آواز آئی ”اپنا نام سوڈا بائی

کارب بتاتا ہے۔!“

”خوب اور کچھ۔۔۔۔۔!“

”حیرت انگیز باتیں کر رہا ہے۔!“

”ہاں رکھا ہے۔۔۔۔۔؟“

”آپریشن تھینر کے برابر والے کمرے میں۔۔۔۔۔ آخر آپ وہاں کس طرح جا پہنچے تھے۔!“

”اطمینان سے بتاؤں گا۔۔۔۔۔!“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ اس فون کی طرف متوجہ ہوا تھا جس سے ٹیپ ریکارڈر ابلج تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ ٹیپ ریکارڈر کے مختلف سوچ آف اور آن کرتا رہا تھا۔ پھر صفدر کی آواز

آئی تھی۔ ”ٹپ ٹاپ ٹاپ کلب میں جو لیا کی نگرانی کرنے والے نے ایک ٹیکسی میں جو لیا کے بنگلے

تک اُس کا تعاقب کیا تھا اور پھر وہاں سے سیدھا داراب ہاؤز چلا گیا تھا۔ وہاں اُس نے ٹیکسی چھوڑ

دی تھی۔ میں آدھے گھنٹے تک داراب ہاؤز کے سامنے اُس کی واپسی کا منتظر رہا تھا۔ لیکن وہ باہر

نہیں آیا تھا۔! جو لیا کے بنگلے کے آس پاس پھر کوئی ایسا فرد نہیں دکھائی دیا جس پر نگرانی کا شبہ کیا

جاسکتا۔ آؤور اینڈ آل۔“

ٹیپ ریکارڈر کا سوچ آف کر کے عمران نے فون پر جو لیا کے نمبر ڈائل کئے تھے۔!

دوسری طرف سے جو لیا ہی کی آواز آئی تھی۔۔۔۔۔ اُس نے چھوٹے ہی سوال کیا تھا کہ آخر وہ

اُسے کیوں دوڑا رہا ہے۔

تھا کہ عمران تیز قدموں سے چل کر اُس کے برابر پہنچا اور آہستہ سے بولا۔! ”اول درجے کے

احتمق ہو۔ جلدی سے نکل چلو ورنہ دھر لئے جاؤ گے۔۔۔۔۔!“

”مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔!“

”باتیں پھر ہوں گی! میرے ساتھ چلے آؤ۔ وہ اپنا کوئی آدمی یہاں ضرور چھوڑ گئے ہوں گے۔!“

وہ اُسے اپنی ٹو سیٹر تک لایا تھا۔

”بیٹھو۔۔۔۔۔ جلدی سے۔۔۔۔۔!“

وہ اضطراری طور پر دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔! عمران نے انجن اسٹارٹ کیا اور

گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

”یہ کیا احمقانہ حرکت تھی۔ اُسے بیہوش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔!“ عمران بولا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔۔۔! میری عدم موجودگی میں میتو ہاشی یہاں آئی تھی اور مجھے فون پر

اطلاع دی تھی کہ اس طرح اُسے داراب ہاؤز پہنچا دوں۔!“

”تم ہوش میں چھوڑ کر گئے تھے۔!“

”جی ہاں! بالکل بے ضرر تھا۔ جو کہا جاتا تھا وہی کرتا رہا تھا۔!“

داراب ہاؤز کا تو اب رخ بھی نہ کرنا۔ میتو ہاشی سے تو جواب طلب کیا جائے گا پتا نہیں وہ کن

ہاتھوں میں پڑا ہو گا۔! میں اس وقت پہنچا جب یہ سب کچھ ہو چکا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں

دوسری ہدایت ملی تھیں۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں کی چہ میگوئیاں سنیں تو تمہارا انتظار کرنے کے

لئے رک گیا! کیا پہلے کبھی داراب ہاؤز گئے ہو۔!“

”کبھی نہیں۔۔۔۔۔!“

”خیر۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔ اب ادھر کارخ بھی نہ کرنا۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سیدھا میتو ہاشی کے پاس جاؤں گا۔!“

”قطعاً نہیں۔۔۔۔۔ میرے ساتھ چلو۔۔۔۔۔ مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہمارا تعاقب تو نہیں ہو رہا۔!“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔!“

”تم اپنے منہ پر رومال رکھ لو۔!“ عمران نے کہا ”تاکہ پہچانے نہ جاسکو۔!“

اُس نے مشورے پر عمل کرنے میں ذریعہ نہیں لگائی تھی اور تھوڑی دیر بعد گاڑی سائیکو مینشن

”جو کچھ بھی ہوا ہے اُس کا کریڈٹ میں تمہیں دلوں گا۔“ عمران نے جواب دیا۔

”کیا ہوا ہے.....؟“

”ایک عدد زندہ دھاری دار آدمی ہاتھ لگا ہے۔!“

”کیوں ہانک رہے ہو.....!“

”لیکن میں یہ ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ وہ اس وقت کہاں ہے! ایکس ٹو کے حکم ثانی تک تم گھر سے باہر نہیں نکلو گی۔!“

”اور اُس کا لی بلا کے لئے کیا کروں..... وہ میرے بنگلے میں تورات بسر نہیں کر سکے گا۔!“

”خراٹے نہیں لیتا..... مطمئن رہو.....!“

”جن کی دو بوتلیں صاف کر چکا ہے..... اس وقت تک..... کیا تم مجھے ہنری فوری ڈکی نواسی سمجھتے ہو.....؟“

”انخراجات کا واچر سائیکو مینشن بھجوا دینا۔! چیف ادا نیگی کر دے گا۔ ویسے اب میدان صاف ہے.....! جوزف کو اپنی فیات دے دو..... ڈوج خود رکھو.....! اُس سے کہہ دو کہ تمہاری گاڑی وہیں کھڑی کرے جہاں سے ڈوج لایا تھا۔!“

”کیا بات ہے تم بہت سیریس معلوم ہوتے ہو.....!“

”بد تمیزیوں کا موسم نہیں ہے.....!“

پھر قبل اس کے کہ جو لیا کوئی دوسرا سوال جڑ دیتی اُس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور کمرے سے نکل کر سر جیکل وارڈ کی طرف چل پڑا۔

ڈیوٹی ڈاکٹر سے دھاری دار آدمی کے بارے میں استفسار کیا تھا۔!

”اب تو گہری نیند سو رہا ہے.....!“ ڈاکٹر بولا۔

”خواب آور انجکشن.....!“

”ہرگز نہیں.....! خود بخود سویا ہے.....!“

”اپنے بارے میں کیا بتاتا تھا۔!“

”وہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ کسی اور نے اُسے بتایا ہے کہ اُس کا نام سوڈا بانی کارب ہے۔!“

”یادداشت کھو بیٹھا۔!“

”عمران صاحب یہ بھی نہیں کہا جاسکتا.....!“

”رنگین دھاریاں.....!“

”قدرتی..... قطعی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انسانی عقل کا کوئی کارنامہ ہو گا۔!“

”اُسے یہ تو یاد ہی ہو گا کہ لالہ زار میں کہاں سے آیا تھا۔!“

”یہ بھی نہیں بتا سکا..... البتہ یہ ضرور کہتا ہے کہ صرف حکم کی تعمیل اُس کی سرشت ہے۔

اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مصرف نہیں۔!“

”کیا خیال ہے..... اب خود بخود بیدار ہو گیا نیند کے خاتمے کے لئے کوئی دوا اُس کے جسم میں پہنچانی پڑے گی۔!“

”اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔!“

”ذرا صل میں بھی اُس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔!“

”بیدار ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔!“

”اچھی بات ہے.....! عمران نے طویل سانس لی تھی اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔!

پھر وہ تیسری منزل پر پہنچا تھا اور اسد اللہ کے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔

دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

”تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے اسد اللہ.....!“ اُس نے پہلا سوال کیا تھا۔

”میرا نام اسد اللہ نہیں ایثور سنگھ ہے.....!“

”تب تو بڑا عمدہ ترجمہ کیا ہے اپنے نام کا..... ویسے کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔!“

”جب تک کہ باقاعدہ تعارف نہ ہو کوئی کسی کو نہیں جانتا۔!“

”تو پھر مجھے بتا دینا چاہئے کہ میرا شمار قانون کے محافظوں میں ہوتا ہے.....!“

”جی میں نہیں سمجھا.....!“ ایثور سنگھ چونک کر بولا۔

”مطلب یہ کہ میں تمہارے باس کا آدمی نہیں ہوں۔!“

”تو پھر..... تو پھر.....!“

”تم زیر حراست ہو.....!“

وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے اُسے دیکھتا رہا۔

”اُس دھاری دار آدمی کو تم کہاں سے لائے تھے....؟“

”مم.... میں کچھ نہیں جانتا....!“

”خواہ مخواہ زبان کو تھکاؤ نہیں.... جتنی جلدی سچی بات بتادو گے تمہارے حق میں اتنا بہتر ہو گا....!“

”میں کچھ نہیں جانتا....!“

”تو کیا وہ آسمان سے ٹکا تھا....!“

”میں نہیں جانتا....!“

”اچھی بات ہے ایثار سنگھ.... وہ بہت بھوکے ہیں! اور انسانی گوشت انہیں بہت پسند ہے۔“

”کک.... کون....؟“

”ابھی بتاتا ہوں.... آؤ میرے ساتھ....!“ وہ بائیں جانب والے دروازے کی طرف

ہوا بولا تھا۔!

دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ ایثار سنگھ ساتھ تھا۔!

کمرے میں روشنی کرنے کے بعد اُس نے ایک شارٹ سرکٹ ٹی وی سیٹ کا سوئچ آن کیا۔ کسی کمرے کی تصویر اسکرین پر ابھر آئی جسکے فرش پر کئی بڑے بڑے اڑھے ریگ رہے تھے۔

”یہ زہریلے نہیں ہیں!“ عمران نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ”لیکن عموماً بھوکے رہتے ہیں۔“

اگر تمہیں اس کمرے میں بند کر دیا جائے تو صبح صرف ہڈیوں کا پنجرہ برآمد ہو گا۔!“

”نن.... نہیں....!“ ایثار سنگھ خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ وہ وہاں کی

پہنچا تھا۔!“

”کہاں سے لائے تھے اُسے....؟“

”سردار گڈھ سے.... مجھے ہدایت ملی تھی کہ اُسے یہاں لاؤں اور لالہ زار میں قیام کروں۔“

کمرہ نمبر گیارہ خالی ملے گا! وہ بے چوں و چرا ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ سردار گڈھ سے یہاں

برقعے میں آیا تھا۔ اس ہدایت کا بھی خیال رکھا تھا کہ چلنے کے انداز میں نسوانیت برقرار رکھے۔

جب وہ یہاں تک آگیا تھا تو پھر آخر دار اب ہاؤز بیہوش کر کے لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔

”اب ایک بے حد اہم سوال ہے....!“

”اگر میرے علم میں ہوا تو ضرور جواب دوں گا....!“

”تمہیں کس سے ہدایات ملتی ہیں....!“

”کمپنی کی طرف سے.... جس کا ملازم ہوں۔“

”اس کمپنی کے بارے میں وضاحت سے بتاؤ۔!“

”سردار گڈھ کا سونفلگ کمپنی جو سائنسی آلات کا بیوپار کرتی ہے۔!“

”اس سے قبل کتنے دھاری دار آدمیوں سے سابقہ پڑ چکا ہے....!“

”آدمی....!“ ایثار سنگھ ہنس پڑا۔

”کیوں! اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے....!“

”آپ اُسے آدمی سمجھتے ہیں۔ کبھی پہلے بھی کوئی ایسا آدمی دیکھا تھا۔!“

”ابھی حال ہی میں ایسے ہی ایک آدمی کی لاش ملی ہے....!“

”ہاں! اُس پر بھی مجھے ہنسی آئی تھی۔!“

”آخر وجہ....؟“

”ارے جناب.... وہ رو بوٹ ہے....!“

”اُس لاش کا پوسٹ مارٹم بھی ہوا تھا۔!“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”دھاریاں

قدرتی ضرورت تھیں۔ لیکن وہ آدمی ہی تھا۔!“

”نہیں....!“ ایثار سنگھ خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ”مجھ سے کہا گیا تھا کہ ایک مقامی سائنس

دان نے یہ رو بوٹ تیار کیا ہے چونکہ فی الحال اسے پوشیدہ رکھنا ہے، اس لئے اتنی احتیاط برتی

جارہی ہے! کیا وہ اب ہوش میں ہے جناب....؟“

”ہوش میں آیا تھا.... لیکن پھر سو گیا۔!“

”جو کچھ مجھے معلوم تھا میں نے عرض کر دیا۔!“

”متنبہاشی کو کب سے جانتے ہو....!“

”آج ہی جناب....! اس سے پہلے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔!“

”کیا تمہاری کمپنی کی طرف سے تمہیں اس کے سلسلے میں کچھ ہدایات ملی تھیں۔!“

”مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس نام کی کوئی عورت مجھ سے رابطہ قائم کرے گی۔ شاید میرے لالہ زار

پہنچے اور کمرہ نمبر گیارہ حاصل کرنے کے پندرہ منٹ بعد ہی وہ وہاں پہنچ گئی تھی۔“

”اور اُسی وقت اُسے بیہوش بھی کر دیا ہو گا۔“

”جی ہاں۔۔۔۔!“

”پھر کب ہوش میں آیا تھا۔!“

”اُس کے بعد ہوش ہی میں نہیں آیا تھا۔!“

”تم لالہ زار کس وقت پہنچے تھے۔!“

”غالباً چھ بجے صبح۔۔۔۔!“

”گویا وہ چھ اور سات کے درمیان ہی کسی دقت ہوش میں آگیا تھا۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔!“

”تم غلط کہہ رہے ہو۔۔۔۔!“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا ”اُس نے نوبے ایک فون کال کا

جواب دیا تھا۔!“

”ناممکن جناب۔۔۔۔!“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ٹھہرے! مجھے یاد آرہا ہے۔۔۔۔ جی ہاں۔۔۔۔

آئی تھی ایک کال۔۔۔۔ کسی نے کسی پروفیسر کے بارے میں پوچھا تھا۔!“

”تو وہ تم ہی تھے جس نے اپنا نام سوڈا بائی کارب بتایا تھا۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔ اور اُس نے اپنا نام لیو کا تیزاب بتایا تھا۔!“

”تم نے اپنا ہی نام کیوں نہیں بتایا تھا۔۔۔۔!“

”وہ اپنا نام سوڈا بائی کارب ہی بتاتا ہے۔۔۔۔ بے اختیاری میں میری زبان سے نکل گیا تھا۔۔۔۔

پھر لیو کا تیزاب سن کر مجھے ہنسی آئی تھی۔!“

”پروفیسر ضخیم اشرف کو جانتے ہو۔۔۔۔!“

”نہیں جناب۔۔۔۔! یہ نام میرے لئے نیا ہے۔۔۔۔!“

”تو تمہیں خصوصیت سے کمرہ نمبر گیارہ حاصل کرنے کی ہدایت ملی تھی۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔!“

”تم نے خود تک کرایا تھا یا پہلے ہی سے تمہارے نام پر تک تھا۔!“

”جی نہیں۔۔۔۔ میں نے ہی کرایا تھا۔!“

”عجب ہے کہ تمہیں وہ کمرہ خالی مل گیا۔۔۔۔!“

”جب میں نے کمرہ نمبر گیارہ کے لئے کہا تھا تو کلرک کو بھی حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ صرف

کمرہ نمبر گیارہ ہی اُس وقت خالی تھا۔۔۔۔ اس کے علاوہ اور سارے کمرے یا تو بک تھے یا آباد تھے۔!“

”دلچسپ اتفاق ہے۔۔۔۔!“ عمران اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”آپ یقین کیجئے کہ اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں ہے۔۔۔۔!“

”تم اُس وقت کہاں تھے جب میرے آدمی اُسے کمرہ نمبر گیارہ سے نکال لائے تھے۔!“

”میتو ہاشی کی ہدایت کے مطابق ایسولینس کا انتظام کرنے گیا تھا تاکہ اُسے ایک بیہوش

مریض کی صورت میں لالہ زار سے داراب ہاؤز منتقل کیا جاسکتا۔!“

”تمہاری کمپنی کا سربراہ کون ہے۔!“

”ڈاکٹر سرنگی۔۔۔۔!“

”سرنگی۔۔۔۔ یہ کیا نام ہے۔۔۔۔؟“

”قوم ہوتی ہے سرنگی۔۔۔۔!“

”مقامی یا کوئی غیر مقامی۔۔۔۔!“

”مقامی ہی ہے جناب۔۔۔۔!“

عمران نے اُس کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کی تھیں اور پھر ایسولینس سے بولا

”تھا چونکہ تم نے مجھ سے تعاون کیا ہے۔ اسلئے تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونے پائے گی۔!“

”لیکن آخر کار میرا حشر کیا ہو گا۔!“

”اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم نادانستگی میں کسی کا آلہ کار بنے ہو تو تمہیں اپنے انجام کے سلسلے

میں زیادہ تشویش نہیں ہونی چاہئے۔!“

”میں نہیں سمجھا جناب۔۔۔۔!“

”تمہارا ریکارڈ خراب نہیں ہونے دوں گا۔۔۔۔!“

”بہت بہت شکریہ جناب۔۔۔۔!“



سہ رنگی دھاریوں والی لاش کی تصویر اور میتو ہاشی کا بنایا ہوا خاکہ ایک ساتھ اخبارات میں

شائع ہوئے تھے اور سفارت خانے کے عملے نے اُسے وانگ لین کی حیثیت سے شناخت کر لیا تھا۔
ادھر عمران نے اُس آدمی کا خاکہ سائیکو میشن کے ایک ایکسپٹ سے بنو لیا تھا جو زندہ ہاتھ!
تھا۔ لیکن ابھی اسکی تشہیر نہیں کرائی تھی۔ میکونو اور متیو ہاشی زیر نگرانی تھے۔ اُس شخص کی بھی نگرانی
کی جا رہی تھی جسے صفر نے داراب ہاؤز میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ شائد وہ وہیں مقیم بھی تھا۔
داراب ہاؤز کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ وہاں سانپ کی کھالوں کا ایک تاجر رہتا ہے۔!
سہ رنگی دھاریوں والا زندہ آدمی سائیکو میشن ہی میں تھا۔ لیکن ابھی تک اُس سے عمران نے
کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔ اُسے سر سلطان کے سامنے پیش کیا گیا جو ایک بند گاڑی میں
سائیکو میشن آئے تھے۔!

”بعض اوقات تو میں سوچنے لگتا ہوں کہ کہیں تمہارے پاس چراغ الہ دین تو نہیں ہے۔!“
سر سلطان نے عمران سے کہا تھا۔
”چراغ تو نہیں ہے لیکن اب میں صورت سے بھی الہ دین لگنے لگا ہوں شائد۔!“ عمران نے
جواب دیا تھا۔

”کیا یہ بات بھی کر سکتا ہے۔!“

”کچھ پوچھ کر دیکھئے۔!“

سہ رنگا آدمی اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے کچھ سن ہی نہ رہا ہو۔ عمران نے اُسے متوجہ
کر کے کہا ”اپنا نام بتاؤ۔!“

”سوڈا بانی کارب۔!“ اُس نے جواب دیا اور سر سلطان حیرت سے عمران کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

”یہی نام بتاتا رہا ہے۔۔۔۔۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ پھر اُس نے دوسرا سوال کیا ”تمہارے باپ

کا کیا نام ہے۔۔۔۔۔!“

”میں نہیں جانتا۔۔۔۔۔!“

”کہاں رہتے ہو۔۔۔۔۔؟“

”یہیں رہتا ہوں۔۔۔۔۔!“

”جس کے ساتھ تم نے برقعے میں سفر کیا تھا وہ کون ہے۔۔۔۔۔!“

”مسٹر اسد اللہ۔۔۔۔۔! مجھے اپنی بیوی بنا کر لایا تھا۔!“

”تم نے اس پر احتجاج نہیں کیا تھا۔!“

”احتجاج کیوں کرتا۔؟“

”یعنی اگر کوئی تمہیں اپنی بیوی بنالے تو تم احتجاج بھی نہیں کرو گے۔!“

”کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔!“ اُس نے لا پرواہی سے کہا۔

”اس سے پہلے تم کہاں تھے۔۔۔۔۔؟“

”یہیں تھا۔۔۔۔۔!“

”تم ہم سے مختلف کیوں ہو۔۔۔۔۔!“

”اللہ کی مرضی۔۔۔۔۔!“

”ناشاء اللہ!“ عمران خوش ہو کر بولا۔۔۔۔۔ اور سر سلطان اُسے گھور کر رہ گئے۔

”کیا یہ سچی بات نہیں بتائے گا۔!“ سر سلطان نے تھوڑی دیر بعد عمران سے پوچھا تھا۔

”سچی ہی بات کر رہا ہے۔۔۔۔۔!“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”سوڈا بانی کارب کے علاوہ اپنا اور کوئی نام اسے یاد نہیں۔ برین واشنگ کا کیس ہے۔۔۔۔۔!“

”ضروری نہیں۔۔۔۔۔!“

”ہر قسم کے جذبے سے بھی عاری ہے! میں ثابت کر سکتا ہوں۔!“

سر سلطان کی بے یقینی رفع کرنے کے لئے عمران اُس آدمی کو اُسی کمرے میں لایا تھا جہاں

ایٹور سنگھ نے اعترافات کئے تھے۔!

سر سلطان بھی ساتھ آئے تھے۔ عمران نے ٹی وی کا سوچ آج کیا۔ اسکرین پر اُسی کمرے کی

تصویر ابھری جس کے فرش پر کئی اٹوڈھے ریگ رہے تھے۔۔۔۔۔!

”تم دیکھ رہے ہو نا۔۔۔۔۔!“ عمران نے اُس آدمی سے پوچھا۔

”ہاں میں دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔!“

”یہ اسی عمارت کا ایک کمرہ ہے۔۔۔۔۔ اور یہ اٹوڈھے کئی دن سے بھوکے ہیں۔!“

وہ کچھ نہ بولا۔۔۔۔۔ عمران نے کہا ”اگر کوئی اس کمرے میں داخل ہو جائے تو یہ اُس کا گوشت

نوح کھائیں گے۔!“

وہ اب بھی خاموش ہی رہا۔ اور اُس کی آنکھیں ہر چند کہ ٹی وی کی اسکرین ہی پر لگی ہوئیں تھیں لیکن اُن سے لاقطعی ظاہر ہو رہی تھی.... کسی جذبے کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔
 ”تم سچ نہیں بول رہے اس لئے تمہیں اس کمرے میں بند کر دیا جائے گا۔“ عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”بند کر دیا جائے....!“ اُس نے لا پرواہی سے کہا۔

”وہ تمہارا گوشت کھا جائیں گے اور وہاں صرف ہڈیوں کا پتھر پڑا رہ جائے گا۔“

”پڑا رہ جائے....!“ اُس نے ساٹ لہجے میں کہا۔

عمران نے سر سلطان کی طرف دیکھا تھا۔ اور وہ صرف سر کو جنبش دے کر رہ گئے تھے!

پھر اُس آدمی کو اُسی کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جہاں اُسے رکھا جاتا تھا۔

”تم آخر کیا کہنا چاہتے ہو۔!“ سر سلطان نے عمران کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مقصد جناب....! یہ انسانی کارنامہ ہے۔ اس لئے مقصد ضرور رکھتا ہو گا۔!“

”انسانی کارنامہ....!“

”تو پھر کیا یہ کوئی نئی نسل دریافت ہوئی ہے....!“

”اگر اس نوعیت کا اختتام اُسی لاش پر ہو گیا ہو تا تو میں سمجھتا کہ ممکن ہے کہ وہ کسی بڑے

سمندری صدف سے برآمد ہوا ہو۔ لیکن یہ دوسرا زندہ آدمی جسے اتنی رازداری سے کہیں لے جا

جارتھا۔ انسانی کاوشوں کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔!“

”مگر یہ دھاریاں....!“

”اس سائنسی دور میں ناممکن نہیں ہے۔!“

”چلو تسلیم....!“ وہ طویل سانس لے کر بولے ”لیکن مقصد....!“

”دیکھنا پڑے گا....!“

”نہ ایٹور سنگھ اس پر روشنی ڈال سکا ہے! اور نہ وہ دھاری دار آدمی۔!“

”یہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا کہ وہ جذبات سے عاری ہے۔ صرف احکامات کی تعمیل کرتا ہے

اسی بناء پر ایٹور سنگھ اُسے رو بوٹ سمجھتا تھا۔!“

”اچھا پھر....!“

”اسی سکتے کے آس پاس ہی کہیں مقصد بھی پوشیدہ ہو گا۔!“

”کیا اس آدمی کی دریافت کو پوشیدہ رکھو گے۔!“

”صرف اسی حد تک کہ وہ دھاری دار آدمی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”بغیر دھاریوں کی ایک تصویر بنوائی ہے۔ اُسے تلاش گمشدہ کے اشتہار کے طور پر اخبارات

میں شائع کرانے جارہا ہوں۔!“

”اچھا خیال ہے.... کم از کم یہ تو معلوم ہی ہو سکے گا کہ وہ ہے کون....؟“

”جس طرح وانگ لین....!“ عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

”وانگ لین کا نام مت لو.... شناخت حتی نہیں ہے! ہو سکتا ہے وہ محض ہم شکل ہو وانگ لین کا۔“

”یہاں مسئلہ وانگ لین کا نہیں ہے۔ وانگ لین ہویا نہ ہو! بات دراصل یہ ہے کہ لاش کا

جائزہ دھاریوں کو مد نظر رکھ کر لیا گیا ہے۔ یہ قطعی نہیں دیکھا گیا کہ موت کس طرح واقع ہوئی

اور یہ دیکھنا بہت ضروری تھا۔ رہی حتی شناخت کی بات تو وہ بھی ناممکن نہیں.... سفارت خانے

سے اُس کے فنگر پر منٹس منگوا لیجئے! حتی شناخت ہو جائے گی۔!“

”یہ ضرور ہونا چاہئے۔!“

”اُس سے بھی زیادہ ضروری موت کا سبب معلوم ہونا ہے۔!“

سر سلطان تھوڑی دیر بعد واپس چلے گئے تھے.... پھر تین گھنٹے کے اندر اندر عمران نے

وانگ لین کی موت کا سبب معلوم کر لیا تھا۔ اُس نے سر سلطان سے فون پر دوبارہ رابطہ قائم کیا اور

بولتا۔ ”موت کا سبب زہر... کسی خارجی ذریعے سے جسم میں داخل ہوا۔ دانے پیر کے انگوٹھے میں

پائے جانے والے نشانات کی بناء پر ایکسپٹ نے موت کا سبب سانپ سے ڈسا جانا قرار دیا ہے۔!“

”سفارت خانے سے اطلاع ملی ہے کہ وانگ لین کے ریکارڈ کے فائل سے فنگر پر منٹس کا کارڈ

غائب ہے....!“ سر سلطان نے اُسے اطلاع دی۔

”اس طرح حتی شناخت بھی مشکل بنا دی گئی ہے۔“ عمران طویل سانس لے کر بولا۔

”حالانکہ توجہ خود سفارت خانے ہی نے دلائی تھی۔!“

”میکو نو اور متو ہاشی زیر نگرانی ہیں۔!“ عمران بولا۔

”یہ چکر سمجھ میں نہیں آیا....؟“

”فکر نہ کیجئے! اس سفارت خانے کے بعض افراد پہلے ہی سے میری نظر میں رہے ہیں۔!“

”اور کوئی خاص بات....!“

”جی نہیں....!“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر اُس نے صدر کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔ لیکن وہاں سے جواب نہ ملا۔ ریسور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجی۔!“

دوسری طرف لیفٹیننٹ چوہان تھا.... اُس نے اطلاع دی کہ جولیا کی نگرانی بدستور جاری ہے! نگرانی کرنے والا وہ آدمی نہیں ہے جس نے پچھلے دن میتو ہاشی کی گاڑی سے برآمد ہو کر نگرانی کا آغاز کیا تھا اور پھر داراب ہاؤز چلا گیا تھا۔!

”تو اب تمہیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کی واپسی بھی داراب ہاؤز ہی میں ہوتی ہے یا نہیں.... اور جولیا سے کہو کہ وہ صرف اپنے بچکے ہی تک محدود نہ رہے.... باہر بھی نکلے....!“ عمران نے کہا۔

”بہت بہتر....!“

عمران نے ریسور کرڈیل پر رکھ دیا۔



کیپٹن فیاض کی بُری حالت تھی حلیہ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ دن بھر ساراوان کے جنگلوں کے مختلف حصوں میں مارا مارا پھرتا اور شام کو ایک ہیلی کوپٹر کے ذریعے سردار گڈھ واپس آ جاتا۔ ارشد کے علاوہ سارے ساتھی اپنی اپنی راہ لگے تھے۔ اُس نے تو ارشد سے بھی کہا تھا کہ وہ بھی اپنا کام دیکھے لیکن ارشد اس پر تیار نہیں ہوا تھا۔ خان صاحب کی بازیابی سے قبل فیاض کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ بہر حال دونوں ہی شام کو سردار گڈھ واپس آ جاتے تھے۔ اور رات بسر کر کے پھر ساراوان کی طرف نکل جاتے۔

ساراوان کے جنگل سردار گڈھ سے بیس میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں پھیلے ہوئے تھے۔ فیاض کے ماتحتوں کا قیام شکاریوں کے کیمپ ہی میں رہتا تھا۔ اور خان صاحب کی تلاش کے سلسلے میں اُن کی تک و دو بھی جاری تھی۔

ایک صبح فیاض کو ارشد نے جگایا۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ فیاض اُس کی اس حرکت

چھٹھلا گیا تھا۔ لیکن اُس کی آواز کی تھر تھراہٹ نے اُس تاثر کو فوراً ہی ختم کر دیا۔ کوئی خاص ہی بات معلوم ہوتی تھی.... اور پھر وہ خاص بات دوسرے ہی لمحے میں سامنے آ گئی۔ ارشد نے تارہ اخبار اُسے تھما دیا۔ پہلے ہی صفحے پر وہ خاص بات موجود تھی۔!

”ہر چند کہ کیرہ فوٹو نہیں ہے! لیکن کیا یہ خان صاحب نہیں ہیں....!“ ارشد نے کہا۔

”من و عن وہی ہیں! کسی نے لائٹ اینڈ شیڈ میں بہت ہی عمدہ تصویر بنائی ہے....!“ فیاض نے کہا تھا اور تصویر سے متعلق اشتہار کی عبارت پڑھنے لگا تھا۔ کسی عبدالمنان نے صاحب تصویر کا نام لئے بغیر پبلک سے اپیل کی تھی کہ اگر اُس کا پتہ کسی کو معلوم ہو تو عبدالمنان کو مطلع کرے یا اپنے قریبی تھانے سے رجوع کرے۔ پتہ بتانے والے کو معقول انعام دیا جائے گا۔ لیکن اس ”عبدالمنان“ نے اپنا پتہ تحریر نہیں کیا تھا۔

”کیا یہ ایک عجیب و غریب اشتہار نہیں ہے۔“ ارشد نے کہا۔

فیاض کچھ نہ بولا۔ اُس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اگر معاملہ کسی عبدالمنان کا نہ ہوتا تو اُسے ہرگز غصہ نہ آتا۔

”خدا کی پناہ....!“ دفعتاً ارشد اچھل پڑا۔

”کیا بات ہے....!“

”کہیں یہ خان صاحب ہی کی حرکت نہ ہو۔! خواہ مخواہ سنسنی پھیلا نا چاہتے ہوں۔ ورنہ اشتہار میں عبدالمنان کا پتا کیوں موجود نہیں ہے۔!“

”اسی لئے کہ عبدالمنان کی بجائے واقف حال اپنے قریبی تھانے سے رجوع کرے۔“

”میں نہیں سمجھا....!“

”تم نہیں سمجھ سکو گے۔!“

ارشد اُس کی شکل دیکھتا رہ گیا اور فیاض نے جھپٹ کر فون کا ریسور اٹھایا تھا۔ ایک ہیچ سے رابطہ قائم کر کے طویل فاصلے کی کال بک کرائی تھی اور اپنے محکمے کے حوالے سے ترجیحی سلوک کا مطالبہ کیا تھا۔ دو منٹ کے اندر اندر ہی لائن مل گئی تھی اور اس نے آپریٹر کو عمران کے فلیٹ کے نمبر دوبارہ بتائے تھے۔

”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”مجھے سوچنے دو.....!“ فیاض سر پکڑ کر بیٹھ گیا! اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔
تھوڑی دیر بعد وہ بڑبڑایا ”لیکن وہ خان صاحب سے واقف تو نہیں تھا۔! اگر اُسے اُن کا سراغ مل گیا
ہے تو تصویر شائع کرانے اور پھر فوٹو گراف کیوں نہیں.... اوہ میرے خدا.... کہیں خان صاحب
کی لاش تو نہیں ملی.... محض شناخت کرنے کے لئے اُس نے لاش کو دیکھ کر زندہ آدمی کی تصویر
کسی آرٹسٹ سے بنوائی ہو۔!“

”کیا وہ آپ ہی کے مجھے کا کوئی آدمی ہے!“ ارشد نے سوال کیا! لیکن اُسے اس کا جواب نہ مل سکا۔!
یہ دونوں سردار گڈھ کے سب سے بڑے ہوٹل انٹرنیشنل میں مقیم تھے....! دن بھر جنگل
کی خاک چھانٹتے اور شام کو واپس آکر اس بُری طرح ڈھیر ہوتے کہ رات کے کھانے کی بھی سدھ
نہ رہتی اور پھر دوسری صبح نئے سرے سے خان صاحب کی تلاش کا آغاز ہوتا۔!

لیکن آج عمران سے فون پر گفتگو کے بعد فیاض نے ہمت ہار دی تھی اور اُسے عمران پر بے
تماشا غصہ بھی آ رہا تھا۔ اگر اُس نے پوری بات بتا دی ہوتی تو ذہن سے وہ بوجھ ہٹ جاتا جس نے
کئی دنوں سے اُس کی زندگی تلخ کر رکھی تھی۔

”تو پھر اب کیا ارادہ ہے....!“ ارشد نے پوچھا۔

”آج آرام کریں گے۔“ فیاض بھنا کر بولا۔

”میں نے پوچھا تھا کیا وہ تصویر آپ کے مجھے کی طرف سے شائع کرائی گئی تھی۔“

”بھی سمجھ لو۔“

”تو پھر لاش کی شناخت ہو چکی ہوگی! شہر میں خاں صاحب کے سیکنڈوں واقف ہوں گے۔“

”ہو سکتا ہے۔!“ فیاض نے بیزاری سے کہا۔

”اُس کال کے بعد سے آپ میں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں کپتان صاحب....!“

”بات پوری نہیں ہو سکی تھی اس لئے....!“ فیاض اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”کسی وجہ سے

لائسنس ڈیڈ ہو گئی....!“

”دوبارہ آزمایئے.... یہ تو بہت ضروری بات تھی۔!“

”یار ختم کرو.... میں تو حق دوستی ادا کر رہا تھا۔ ورنہ یہ کام تو صرف میرے ماتحت بھی

کر سکتے تھے۔!“

”کون.... عمران....!“

”ہاں.... عمران.... کون ہے....؟“

”فیاض.... سردار گڈھ سے....! تم نے تصویر کیوں شائع کرائی ہے۔؟“

”تم سے مطلب....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”مطلب نہ ہو تا تو کال کیوں کرتا....!“

”کیا وہی ہے....؟“

”بالکل وہی.... لیکن اس میں کون سی عقل مندی پوشیدہ ہے کیا میں فوٹو گراف نہیں

کر سکتا تھا۔!“

”کر سکتے تھے لیکن تم سے یہ عقل مندی سرزد نہ ہو سکی۔!“

”کیا وہ شہر میں گم ہوا تھا کہ اس کی ضرورت پیش آتی.... لیکن آخر اس کا مقصد کیا ہے۔

تم نے آرٹسٹ سے تصویر کیوں بنوائی فوٹو گراف دے سکتے تھے۔!“

”چلو اچھا ہوا کہ تم نے یہ کال کر لی۔ واپس آ جاؤ.... وہاں بھک نہ مارو....!“

”کیا مطلب....!“

”واپس آ جاؤ....!“

”جب تک پوری بات نہ معلوم ہو جائے واپس آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز آئی تھی اور فیاض چیختا ہی رہ گیا تھا۔

”اُدھر سے ڈس کنکٹ کر دیا گیا ہے....!“ آپریٹر کی آواز آئی۔

”ٹھیک ہے....!“ فیاض نے کہا اور خود بھی ریسیور رکھ دیا۔

”کون تھا.... کس سے بات ہوئی تھی....!“ ارشد نے پوچھا۔!

”ہے ایک دیوانہ....!“

”کیا کہہ رہا تھا.... اور تصویر اُس نے کیوں شائع کرائی ہے۔!“

”میرا خیال ہے کہ اُس نے صرف مجھے متوجہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے.... شاید۔

خان صاحب کا سراغ مل گیا ہے۔!“

”لیکن یہ تصویر.... آرٹسٹ کی بنائی ہوئی تصویر کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔!“

”تصور کا معمہ مجھے مسلسل پریشان رکھے گا۔!“

”میرا خیال ہے کہ خان صاحب کی لاش ہی ملی ہے۔!“

”لیکن کہاں.... وہ تو جنگل میں گم ہوئے تھے.... اگر جنگل میں لاش ملتی تو پہلے ہمیں خبر ہوتی.... براہ راست آپ کے ہیڈ کوارٹر تک بات کیسے پہنچتی....!“

”اچھا.... بس! اب مجھے سوچنے دو....!“

ارشاد اُس کے کمرے سے چلا گیا تھا اور فیاض نے ہاتھ روم کی راہ لی تھی۔ اور ابھی ہاتھ روم ہی میں تھا کہ فون کی گھنٹی بجتی شروع ہوئی۔

”جنم میں جاؤ....!“ کہہ کر وہ پھر دانتوں میں برش کرنے لگا۔ گھنٹی بجتی رہی آخر جھنجھلا کر

کمرے میں آیا تھا اور ریسورٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا تھا۔ ”ہیلو....!“

”ناراضگی کی وجہ....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کون ہے....؟“

”ایک ہمدرد....!“

”مقصود بیان کرو....!“

”تم نے اخبارات میں وہ تصویر دیکھی....؟“

”تم آخر ہو کون....؟“

”بتا چکا ہوں کہ ایک ہمدرد تم سے مخاطب ہے۔!“

”کیا تم مجھے جانتے ہو....؟“

”اچھی طرح.... اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری مدد کے بغیر تم اپنے ساتھی کو تلاش نہیں کر سکو گے....!“

”اس حد تک ہمدرد ہو تو فون کال کی بجائے تمہیں ہی آنا چاہئے تھا میرے پاس۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔!“

”ملاقات کی تشہیر میرے حق میں بہتر نہ ہوگی۔!“

”اچھا تو پھر....؟“

”تم ہی مجھ تک آنے کی کوشش کرو....!“

”کس طرح اور کہاں....؟“

”مینار آزادی کے آس پہلو پر مجھے موجود ملو جس طرف کتبہ ہے....!“

”کس وقت....؟“

”ٹھیک گیارہ بجے....!“

”لیکن میں تمہیں پہچانوں گا کیسے....!“

”انتہائی کافی ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں.... خود ہی مل بیٹھوں گا۔!“

”لیکن اگر وہ کوئی کام کی بات نہ ہوئی تو تمہیں میرے وقت کی بربادی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔!“

”میں تمہارے عہدے سے واقف ہوں کپتان صاحب....!“

”اچھی بات ہے! میں وہاں گیارہ بجے ملوں گا۔!“

”اور تنہا آؤ گے....!“

”یہ کیا بات ہوئی۔!“

”اگر مجھے شبہ بھی ہو گیا کہ تم تنہا نہیں ہو تو ہرگز نہ ملوں گا۔!“

”مطمئن رہو.... میں تنہا ہی آؤں گا۔!“

”یاد رکھنا ٹھیک گیارہ بجے۔!“

”او.... کے....!“ فیاض نے کہا تھا اور اُس وقت تک ریسورٹ کرڈیل پر نہیں رکھا تھا جب

تک کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز نہیں سُن لی تھی۔

ابھی گیارہ بجنے میں دیر تھی۔ اُس نے روم سروس کو رنگ کر کے کمرے ہی میں ناشتہ طلب

کیا اور پھر ٹھیک گیارہ بجے وہ پبلک گارڈن میں مینار آزادی کے قریب دکھائی دیا تھا۔ اور وعدے کے مطابق تنہا ہی آیا تھا۔ ارشد کو بتایا تک نہیں تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔!

بائیں جانب تھوڑے ہی فاصلے پر ایک آدمی نظر آیا۔ جو اُسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے

ایک جانب مڑ گیا.... فیاض آہستہ آہستہ آگے بڑھا.... وہ یکساں درمیانی فاصلہ برقرار رکھ کر اُسکے

پیچھے چلا رہا.... غالباً وہ گارڈن کے اُس حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں کئی گلی جانور تھے۔!

وہاں پہنچنے کے لئے ایک ایسی روش سے گذرنا پڑا تھا جس کے دونوں اطراف میں قد آدم

گھنے پودوں کی قطار اختتام تک چلی گئی تھی۔!

”آخر تم چاہتے کیا ہو....؟“ اُس نے بالآخر پوچھا۔

”صرف یہ معلوم کرنا کہ تم نے آج صبح طویل فاصلے کی فون کال کسے کی تھی؟“

فیاض سنائے میں اٹھیا۔ لیکن اُس کا ذہن پڑی سے نہ ہٹ سکا۔ فوراً خیال آیا کہ مخاطب کی معلومات کا ذریعہ ٹیلی فون ایکس چینج نہیں ہو سکتا ورنہ اس پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔!

”جواب دو.... تم کیا سوچنے لگے۔!“

”اگر تم اس حد تک جانتے ہو تو یہ معلوم کر لینا کہ کال کسے کی گئی تھی کیا مشکل ہے۔!“

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔!“

”میں نے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا تھا اُس تصویر کے سلسلے میں۔!“

”تصویر کس نے شائع کرائی ہے؟“

”میرے محکمے کی طرف سے شائع ہوئی ہے! میرے ایک ایسے دوست کی تصویر ہے جو ساراوان کے جنگل میں کھو گیا تھا۔ میرے محکمے کے لوگ میرے اُس دوست کے صورت آشنا

نہیں معلوم ہوتے ورنہ تصویر شائع کرانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔!“

”فوٹو گراف کی بجائے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویر کیوں شائع کرائی گئی ہے....؟“

”اس کا جواب تو وہی دے سکے گا جس کی تجویز پر ایسا ہوا ہے....!“

”کیا تم نے باضابطہ طور پر اپنے گمشدہ دوست کا فوٹو گراف محکمے کی تحویل میں نہیں دیا تھا۔!“

”اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں خود ہی اُسے تلاش کر رہا تھا اور پھر وہ شہر میں تو گم ہوا

نہیں تھا کہ تشہیر کی ضرورت پیش آتی۔!“

”تو پھر اس کی تصویر کی اشاعت کا کیا مقصد ہے....؟“

”میں نہیں سمجھ سکتا....! فون پر مجھے کچھ نہیں بتایا گیا۔ البتہ واپسی کا مشورہ دیا گیا تھا۔!“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہارا دوست مل گیا ہے۔!“

”میرا خیال ہے زندہ نہیں ملا ورنہ....!“

”رک کیوں گئے کیپٹن.... بات پوری کرو....!“

”زندہ ملا ہوتا تو تصویر شائع کرانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ خود ہی بتا دیتا کہ وہ کون ہے اور

اُس صورت میں تصویر بھی ہاتھ کی بنائی ہوئی نہ ہوتی۔!“

فیاض چلتا رہا.... اس روش پر اُس آدمی نے اپنی رفتار کسی قدر تیز کر دی تھی۔

پھر اچانک عقب سے کسی نے فیاض کی گردن پر ایک زوردار ضرب لگائی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔! قدم لڑکھڑائے اور وہ اوندھے منہ روش پر جا پڑا تھا۔!

پھر ہوش میں نہیں رہا تھا کہ آگے کے احوال کا ریکارڈ رکھ سکتا۔!

دوبارہ آنکھ کھلی تھی۔ ایک آرام دہ بستر پر اور خاصی دیر تک سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ کس حال میں ہے! صبح ہو گئی ہے یا قیلو لے کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔!

پھر جیسے ہی نیند کے خمار سے ذہن کو چھٹکارا ملا بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔! گردن ابھی تک بڑی طرح ڈکھ رہی تھی۔ چاروں طرف نظر دوڑائی۔ بڑی پُر تکلف خواب گاہ تھی.... اور اُس کی

سجاوٹ کا معیار اعلیٰ ذوق کی غمازی کر رہا تھا۔!

وہ مسہری سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا اور اُسے کھول لینے کی کوشش کرنے لگا! لیکن

کامیابی نہ ہوئی۔ آخر جھلا کر اُسے دونوں ہاتھوں سے پٹنے لگا تھا۔!

پھر کمرے میں کچھ اس طرح کی آوازیں گونجی تھیں جیسے کسی مائیکروفون کو جھینڑا جا رہا ہو۔

فیاض چونک کر اُن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیوں وقت ضائع کر رہے ہو کیپٹن فیاض۔“ کسی کی آواز آئی۔

”تم کون ہو.... سامنے آکر بات کرو۔!“ فیاض اپنی دکھتی ہوئی گردن ٹٹول کر دھاڑا۔

”سامنے آئے بغیر ہی دو دو باتیں ہو سکتی ہیں۔!“

”تم نے بہت بڑے مجرم کا رکناب کیا ہے۔ تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔!“

”تھیٹر ایکل انداز میں مکالمے بولنے کی ضرورت نہیں کیپٹن فیاض کام کی بات کرو۔!“

”کیا بکواس ہے۔!“

”کیپٹن فیاض! اپنی زبان کو قابو میں رکھو.... ورنہ دوبارہ آسمان نہ دیکھ سکو گے۔!“

پھر فیاض کو جیسے ہوش آگیا تھا.... خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ پچویشن ایسی تھی

کہ وہ چپ چاپتے مارا بھی جاسکتا تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوتی۔ اُس اجنبی سے ملاقات کی

تجویز کا ذکر اُس نے ارشد تک سے نہیں کیا تھا۔ اور اُس کے ماتحت تو ساراوان ہی تک محدود رہنے

تھے۔ لہذا عقل مند کی کا تقاضہ یہی تھا کہ جوش میں آنے کی بجائے حکمت عملی سے کام لیا جاتا۔

”دلیل معقول ہے۔۔۔۔!“

”لیکن تمہارا یہ طریق کار کچھ چٹا نہیں۔۔۔۔!“ فیاض نے ناخوش گوار لہجے میں کہا ”آخر تم

اُس تصویر یا میرے دوست سے اتنی دل چسپی کیوں ہے۔۔۔۔؟“

”اس لئے کیپٹن فیاض کہ اُس پر ہماری کثیر رقم خرچ ہوئی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا۔۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔۔؟“

”اُس کی واپسی ضروری ہے۔ میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں۔ ورنہ یہاں ایسی تباہی پھیلے گی

تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔!“

”یہ باتیں تو تم مجھ سے فون پر بھی کر سکتے تھے۔ یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔!“

”یہاں تم اس لئے لائے گئے ہو کہ تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو جائے اور تم کو شش کر

اپنے دوست کو ہمارے حوالے کر دو۔۔۔۔!“

”آخر اُس بیچارے کا قصور کیا ہے۔۔۔۔؟“

”غیر ضروری باتوں میں مت پڑو۔۔۔۔ تمہیں جلد ہی آزاد کر دیا جائے گا۔۔۔۔ اور تم ہمارا

قوت بھی دیکھ لو گے۔۔۔۔!“

فیاض کچھ نہ بولا۔ دفعتاً اُسے کھانسی آنے لگی تھی۔ بوکھلا کر مڑا۔ دیوار کے ایک رخنے

سفید رنگ کا کثیف دھواں خارج ہوتا نظر آیا۔۔۔۔ سر چکرانے لگا تھا۔۔۔۔ اور کھانسیاں تھیں

رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔۔۔۔ اور پھر وہ دوبارہ بیہوش ہو گیا تھا۔!



”مسئلہ الجھ گیا ہے۔!“ سر سلطان نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ ”سفارت خانہ وانگ لین

لاش کا مطالبہ کر رہا ہے۔!“

”خواہ۔۔۔۔ خواہ۔۔۔۔“ عمران ہاتھ نچا کر بولا۔

”منہ بنانے اور ہاتھ نچانے سے کام نہیں چلے گا۔!“ سر سلطان جھنجھلا کر بولے تھے۔

”ارے جناب۔۔۔۔! یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم بھی اُسے وانگ لین کی لاش تسلیم کر لیں

اگر وہ تسلیم کرانا ہی چاہتے ہیں تو اُس کے فنگر پر نش پیش کریں۔!“

”وہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ فنگر پر نش فائل میں موجود نہیں ہیں۔!“

”اُن کے اپنے ملک میں تو موجود ہی ہوں گے کہیں نہ کہیں! بہر حال فنگر پر نش کے موازنے

کے بغیر وہ قانوناً بھی ہم سے لاش کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔۔۔۔! آپ اسی بات پر اڑے رہے۔۔۔۔!“

”فائدہ کیا ہو گا۔۔۔۔؟“

”ہمیں فائدہ ہو یا نہ ہو۔۔۔۔ لیکن انہیں بھی فائدہ اٹھانے نہیں دیا جائے گا۔!“

”انہیں کیا فائدہ ہو گا۔۔۔۔؟“

”کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو گا تبھی فنگر پر نش غائب ہو گئے ہیں۔!“

”کھل کر بات کرو۔۔۔۔!“

”فنگر پر نش دینے میں پہلو تہی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔!“

”نیا اچھی طرح جانتے ہیں۔!“ سر سلطان مضطربانہ انداز میں بولے۔

”یہی کہ وہ وانگ لین کی لاش نہیں ہے۔!“

”کیوں دماغ خراب ہوا ہے۔۔۔۔!“

”یقین کیجئے۔۔۔۔!“

”آخر کس بناء پر کہہ رہے ہو۔۔۔۔؟“

”کتنی بار عرض کروں کہ فنگر پر نش۔۔۔۔!“

”ممکن ہے۔۔۔۔ وہ کسی طرح ضائع ہو گئے ہوں۔!“

”لیکن آپ بہر حال فراہم کر سکیں گے۔۔۔۔!“

”وانگ لین وہاں کا پیدائشی شہری نہیں ہے۔ جہاں کے سفارت خانے میں کام کرتا تھا۔ اُس

کی ماں جاپانی تھی اور باپ چینی! ہانگ کانگ میں پیدا ہوا تھا! جوانی کا زمانہ ہانگ کانگ ہی میں گذرا

تھا۔ پھر دوسری جنگ میں اُس نے جاپانیوں کے لئے اتحادیوں کی جاسوسی کرنی شروع کی۔

ہانگ کانگ سے فرار نہ ہو جاتا تو اُسے گولی ماری جاتی۔۔۔۔ اگر آپ چاہیں تو اُس کے فنگر پر نش

ہانگ کانگ سے منگوا سکتے ہیں۔!“

”اوہ۔۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔!“

”لیکن مقصد کیا ہو سکتا ہے۔۔۔۔!“

”بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔!“
”کیا خیال ہے تمہارا.... وہ لوگ ساراوان کے جنگل کے قریب شکاریوں کا کیمپ نہیں دیکھنا

چاہتے....!“

”پہلے میں یہی سمجھتا تھا۔! لیکن اب خیال بدل گیا ہے۔!“

”کیوں....؟“

”اُس آتشزدگی کے بعد سے کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ وہاں برابر شکار ہو رہا ہے اُس حیرت انگیز لاش کی دریافت نے بھی شکاریوں پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ بلکہ اب تو وہاں پہلے سے زیادہ بھیڑ ہو گئی ہے۔ اس توقع پر کہ شاید کوئی زندہ دھاری دار آدمی ہاتھ آجائے۔ مچلوں کا خاصا اڑدھام ہو گیا ہے وہاں....!“
”پھر اُس آتشزدگی کا کیا مطلب تھا۔!“

”خدا جانے....! اگر اُسے سانپ نے نہ ڈسا ہوتا تو معاملہ مزید کچھ آگے بڑھتا۔ لیکن ٹھہریے۔ اُس کی مٹھی سے برآمد ہونے والی مایوس کی ڈیبا خالی تھی اور شاید اسی وجہ سے وہ وہاں سے واپس چلا گیا تھا ورنہ سارے ہی گولے استعمال کرتا۔ واپسی میں اُسے سانپ نے ڈس لیا۔!“
”کیا تم نے یہ بات مارک نہیں کی....!“

”کون سی....؟“ عمران انہیں غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”اُسے سانپ نے ڈسا تھا اور دوسرا دارلب ہاؤز میں پہنچایا جانے والا تھا جہاں سانپ کی کھالوں کا ایک تاجر رہتا ہے....!“

”میں اس پر بھی غور کرتا رہا ہوں.... اور آج میرا ارادہ ہے کہ غیر قانونی طور پر داراب ہاؤز کی سیر کروں گا....!“

سر سلطان اُسے گھور کر رہ گئے تھے۔ کچھ بولے نہیں تھے۔ پھر عمران اُن کے جنگل سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ رات کے آٹھ بجے تھے۔ اور موسم خاصا خوش گوار تھا اُس نے گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔ وہ ضمیمہ اشرف اور اُس کی نوجوان بیوی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔!

لالہ زار کے کمرہ نمبر گیارہ کی کہانی شروع ہونے کے بعد سے عمران اُن دونوں پر بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت محسوس کرنے لگا تھا۔ رات کو انہوں نے کمرہ نمبر گیارہ چھوڑا تھا اور الٹور سنگھ سے کمرہ نمبر گیارہ ہی میں ٹھہرنے کو کہا گیا تھا اور پھر دوسری صبح پروفیسر ضمیمہ نے اُسے

”یہی تو دیکھنا ہے کہ سفارت خانہ دیدہ و دانستہ ہم سے ایک غلط بات کیوں تسلیم کرانا چاہتا ہے!“
”اچھی بات ہے۔! میں سفارتی ذرائع سے اُس کے فنگر پرٹس ہانگ کانگ سے منگوانے کی کوشش کروں گا۔!“

”میں اُس کے بارے میں مزید تفصیلات لکھوا کر آپ کو دے دوں گا۔ بڑی آسانی سے آپ یہ کام کرا سکیں گے۔!“

”ایٹور سنگھ کا کیا رہا....!“

”ہونا کیا تھا۔! محض اُس کے بیان کی بناء پر ہم یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ وہ کا سوفیگ کمپنی کا ملازم ہے۔ کیونکہ وہاں اُس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ کسی نے تسلیم ہی نہیں کیا کہ وہ الٹور سنگھ نامی کسی آدمی کو جانتا ہے۔ کمپنی سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو اُس کی تصویر بھی دکھائی گئی تھی۔!“
”تمہارا کیا خیال ہے اُس کے بیان کے متعلق....!“

”اُس نے جھوٹا بیان نہیں دیا جناب! اور یہ حقیقت ہے کہ اُس نے اپنی دانست میں کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کی۔ وہ دھاریدار آدمی زبوت ہی لگتا ہے۔!“

”ارے ہاں!“ سر سلطان چونک کر بولے۔ ”اُس اشتہار کا کیا رہا۔ جو تم نے شائع کرایا تھا۔!“
”فوری ری ایکشن جناب....! سب سے پہلے کیپٹن فیاض کی کال آئی تھی سردار گڈھ سے۔ اُس نے اُسے اپنے گمشدہ دوست کی حیثیت سے شناخت کر لیا ہے۔!“

اُس کے بعد کئی تھانوں سے مختلف لوگوں نے تصویر کی شناخت کی ہے....!“
”آخر ہے کون....؟“

”ایک مقامی لینڈ لارڈ فتح محمد خان.... شہر میں کئی بڑی بڑی عمارتوں کا مالک ہے! تنہا ہے۔ کوئی ایسا قریبی عزیز نہیں ہے جو ساتھ رہ سکے۔ رہائشی عمارت میں دو ملازم اُس کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں نے وہاں سے فنگر پرٹس حاصل کئے ہیں۔ جو اس آدمی کے فنگر پرٹس سے مطابقت رکھتے ہیں۔ محض فیاض کے شناخت کر لینے پر مطمئن نہیں ہو گیا تھا۔! اچھا اب اجازت دیجئے۔!“
”ٹھہرو....!“ سر سلطان ہاتھ اٹھا کر بولے اور عمران اٹھتے اٹھتے رک گیا۔!

”داراب ہاؤز والوں کا کیا رہا۔!“

”فی الحال انہیں چھیڑنا نہیں چاہتا! کا سوفیگ والوں کو ہی چھیڑ کر پچھتایا ہوں اب یہ لوگ

سردار گڈھ سے فون پر مطلع کیا تھا کہ اب وہ لالہ زار میں نہیں ہے! حالانکہ وہ کوئی ایسی اہم ملاقات نہیں تھی وہ تو اُسے اپنے ہی طرح کا ایک مسخرہ اور اچھا وقت گزارنے کا خواہش مند سمجھا تھا۔
فلیٹ میں پہنچ کر اُس نے ٹیلی فون سنبھالا۔ اور سردار گڈھ کے لئے ڈائریکٹ ڈائیلنگ کی فائوس کے فون نمبر پہلے ہی معلوم کر چکا تھا!

دوسری طرف سے کسی کی آواز آئی تھی۔ ”فائوس.....!“

”جی ہاں..... جی ہاں..... فائوس..... پپ پروفسر صاحب!“ عمران ماؤتھ پیس میں ہکھلایا!

”کون صاحب ہیں.....!“

”علی عمران ایم ایس سی ڈی ایس سی اینڈ ڈی ڈی اے.....!“

”پروفسر صاحب تشریف نہیں رکھتے.....!“

”کب رکھیں گے.....!“

”جی..... کیا فرمایا.....؟“

”میں نے عرض کیا تھا کہ کیا بیگم صاحبہ سے ملاقات ہو سکتی ہے.....!“

”وہ بھی نہیں ہیں.....!“

”تب پھر آپ کون ہیں.....!“

”سیکرٹری.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کیوں مذاق کرتے ہیں جناب! سیکرٹری تو عورت ہوتی ہے.....!“

”اور آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ میں عورت ہوں.....!“

”ارے باپ رے اتنی بھاری آواز.....!“

”آپ کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ میرا مذاق اڑائیں۔!“

”مم معافی..... چاہتا ہوں..... جناب..... نہیں جنابہ.....!“

”آپ کا نام لکھ لیا گیا ہے۔ پروفسر کو بتا دیا جائے گا۔ لیکن یہ ڈی ڈی اے کون سی ڈگری ہے۔!“

”ڈگری نہیں ڈاکٹر ٹیٹ.....!“ عمران نے لہجے میں فخر یہ انداز پیدا کر کے کہا ”ڈاکٹر آف

ڈومیسٹک آفئیرز.....!“

”کس یونیورسٹی سے ملی ہے.....! میرے لئے تو قطعی نئی چیز ہے.....!“

”ہر یونیورسٹی کے بس کا روگ نہیں ہے! صرف ہنالولوی میں دستیاب ہے۔!“

”خدا لیا کیا پروفسر کے سارے ہی جانے والے مسخرے ہیں۔!“

”میں پوچھ رہا تھا کہ پروفسر صاحب کہاں تشریف لے گئے ہیں۔!“

”سردار گڈھ سے باہر کہیں گئے ہیں۔ مجھے بھی بتا کر نہیں جاتے۔ حالانکہ میں سیکرٹری ہوں۔!“

”چتا نہیں دیکھنے میں کیسی ہیں آپ.....!“

”اے مسٹر کیواس نہیں.....!“

”جی بہت بہتر.....!“ کہتے ہوئے عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر اُس نے بڑی تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلائی تھی اور سلیمان کو آوازیں دینے لگا تھا۔ وہ آیا

اور اس انداز میں کھڑا ہو گیا جیسے کچھ سنتے ہی جھپٹ پڑے گا۔

”کیا ہوا نکلے کا.....!“

”وہ تو ہوتا ہی رہے گا اب گٹر کی خیر منائیے.....!“

”کیا مطلب.....!“

”دودن سے اہل رہا ہے..... آج گنگو پناؤڑی کے محکمہ موسمیات نے پشین گوئی کی ہے کہ

بارہ بجے رات کو پہلی منزل کے ہاتھ روم میونسپل کارپوریشن بن جائیں گے.....!“

”ابے گٹر کے سلسلے میں اتنی ادبی گفتگو.....!“ عمران حیرت سے بولا۔

”میں تو اب پاگل ہو جاؤں گا۔!“

”اسی میں عافیت ہے..... ضرور ہو جاؤ.....!“

”اور سنئے.....! جمہدار صاحب گٹر میں بانس چلانے کے مبلغ ہیں روپے طلب فرما رہے تھے

فی فلیٹ.....!“

”تجھ سے بھی طلب کئے تھے.....؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”نہیں..... میں نے سنا ہے۔!“

”انواہ ہے..... کارپوریشن بانس چلانے کی تنخواہ دیتی ہے.....!“

”دیتی ہوگی..... لیکن بارہ بجے رات کو.....!“

”کیواس بند! نکلے کی بات کر.....!“

”ٹھیک ہو گیا ہے.... لیکن اس کیلئے مجھے پڑوسی کا بل آپکی جیب سے ادا کرنا پڑا ہے.... اور اگلے سال کیلئے بھی تاکید کر دی ہے کہ دونوں بازو کے پڑوسیوں کے بل ہمیں ہی بھجوائے جائیں!“

”اے دماغ تو نہیں خراب ہو گیا!“ عمران غراتا ہوا اٹھا تھا۔

”کیا کروں.... مجھے بے حد صدمہ ہوا تھا یہ سن کر کہ آپ نیچے سے بالٹی بھر لانے پر تیار ہو گئے تھے!“

”خدا تجھے جزائے خیر دے....!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر پھر بیٹھ گیا۔

”انہی سب باتوں نے تو اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔!“ گل رخ کی چیخ سنائی دی۔

”اتنے زور سے!“ عمران لکچر پکڑ کر بولا ”رحم کر مجھ پر.... اختلاج قلب کا مریض ہوں۔!“

”میں کہتی ہوں آپ ہم دونوں کو نکال باہر کیجئے۔!“

”پھر میں اندر کیسے رہ سکوں گا۔!“ عمران کراہا۔

بات کچھ اور بڑھتی لیکن فون کی گھنٹی بجی تھی اور عمران نے ریسیور اٹھا لیا تھا دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔ ”لیفٹیننٹ صدیقی کی نگرانی بیک وقت چار آدمی کر رہے ہیں۔!“

”ایک ایک کر کے چاروں کو پکڑو اور ہیڈ کوارٹر پہنچا دو....!“

”صدیقی تو کہیں باہر سے آیا ہے۔!“

”سردار گڈھ سے ایٹور سگھ سے متعلق تفتیش کی تھی اس نے.... میرا خیال ہے کہ وہ چاروں وہیں سے اس کے پیچھے آئے ہوں گے۔!“

”اُن چاروں کو غاور کے حوالے کرو.... اور تم ٹھیک گیارہ بجے گریفی کے سامنے والے فنا پاتھ پر مجھے ملنا....!“

”بہت بہتر....!“

”شب روی کا لباس تمہارے ساتھ ہونا چاہئے۔!“

”میں سمجھ گیا.... اچھی بات ہے....!“

عمران ریسیور کرئیل پر رکھ کر سلیمان کی طرف مڑا تھا۔

”آپ تشریف لے جائیے.... میں دعا کروں گا کہ اللہ پاک آپ کو وزیرِ بلدیات بنادے۔“

”پھر وہی.... پھر وہی....!“ گل رخ چپنائی ”بجائے اس کے کہ دو چار ہاتھ جھاڑ دیں!“

”ارے ارے پٹوانا چاہتی ہے اپنے خدائے مجازی کو....!“

”یہ تو پھانسی دلوادے مجھے....!“ سلیمان بُرا سامنے بنا کر بولا۔

”اب دفع ہو جاؤ.... زندگی محض پانی کا ٹکڑا اور میونسپل کارپوریشن نہیں ہے....!“

”سبل بندہ اور چولہا ہانڈی بھی ہے....!“ سلیمان سر ہلا کر بولا۔

”چل جٹ یہاں سے....!“ گل رخ اُسے دھکیلتی ہوئی کمرے سے باہر نکال لے گئی۔



اس بار کیپٹن فیاض کی آنکھ کھلی تو محسوس ہوا جیسے فضا میں تیر رہا ہو.... آنکھیں پھر بند کر لیں اور حافظے پر زور دینے لگا۔ ایک ایک کر کے ساری باتیں یاد آنے لگیں.... پتا نہیں کس چکر میں پڑ گیا تھا۔ بہر حال اُس کمرے میں ہونے والی گفتگو سے تو یہی اندازہ ہوا تھا کہ خان صاحب مرے نہیں زندہ ہیں۔ اور یہ لوگ ان کی واپسی کے خواہاں ہیں۔ کیا وہ عمران کے ہاتھ لگے ہیں۔! تھوڑی دیر بعد اُسے احساس ہو گیا کہ وہ کسی تیز رفتار گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا ہے....! اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔

”کیا آپ کو ہوش آ گیا ہے....!“ اگلی سیٹ سے بڑی دلکش نسوانی آواز آئی تھی۔

”جج.... جی ہاں....!“ فیاض بوکھلا گیا....!

”ابھی لیٹے رہئے.... لیٹ جائیے....!“

غیر ارادی طور پر فیاض پھر لیٹ گیا تھا۔ اور ڈرائیو کرنے والی نے کہا تھا۔ ”آپ سڑک کے کنارے بیہوش پڑے تھے۔! خاصی بھیڑ اکٹھا تھی آپ کے گرد.... میں اٹھوالائی ہوں.... اور اب ہم پولیس اسٹیشن کی طرف جا رہے ہیں۔!“

”اس کی ضرورت نہیں محترمہ.... وہ کوئی حادثہ نہیں تھا۔ مجھ پر بیہوشی کے دورے پڑتے ہیں.... آپ کا بہت بہت شکریہ۔!“

”اچھا تو پھر گھر چلتے ہیں۔ آپ کو فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔!“

فیاض کچھ نہ بولا۔ پتا نہیں اُس نے اپنے گھر کی بات کی تھی یا اُس کے گھر کی۔! اُس کی وحشت بڑھتی رہی.... اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا تھا ”مجھے انٹرنیشنل میں اتار دیجئے گا۔! میں وہیں مقیم ہوں۔!“

”اب تو میری کوٹھی آگئی.... کچھ دیر یہاں ٹھہریے.... پھر آپ کو بھجوا دیا جائے گا!“
 ”جیسی آپ کی مرضی!“ اُس نے کہا اور سوچنے لگا! آواز تو بڑی دلکش ہے صورت بھی دیکھ
 لی جائے۔ کیا مضائقہ ہے!

گاڑی ایک عمارت کی کپڑاؤں میں رکھی تھی اور اُس عورت نے نیچے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ
 کھولا تھا.... فیاض کی آنکھوں میں بجلی جی چمک گئی۔ عورت کیا تھی چاند کا ٹکڑا تھی۔

فیاض اٹھ بیٹھا اور آہستہ سے بولا۔ ”آپ تو شرمندہ کر رہی ہیں....!“
 اگر وہ شلوار سوٹ میں نہ ہوتی تو فیاض.... اُسے کسی سفید فام نسل کی عورت سمجھتا!
 ”شرمندگی کی کیا بات ہے! آپ بیمار ہیں.... ٹھہریے.... میرا بازو پکڑ کر اُترئیے!“
 ”اب اتنا بھی بیمار نہیں ہوں....!“ فیاض ہنس کر بولا۔

وہ اُسے نشست کے کمرے میں لائی تھی اور بیٹھ جانے کے بعد بولی تھی۔ ”میں آپ کو
 سیدھی انٹرنیشنل بھی لے جاسکتی تھی!“

”واقعی آپ نے بڑی زحمت کی....!“
 ”اپنی بھی ایک غرض پوشیدہ تھی بقول آپ کے اس تکلیف اٹھانے میں!“

”فرمائیے....! میرے لائق کیا خدمت ہے....!“
 ”آپ کی کشادہ پیشانی کے بائیں گوشے پر یہ سرخ رنگ کامرہ میری دلچسپی کا باعث بنا ہے!“
 ”جی میں نہیں سمجھا....!“ فیاض مسے کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

”مجھے پاسٹری کا شوق ہے....! اس کے سلسلے میں قریباً ہر قوم کا لٹریچر میرے زیر مطالعہ رہا
 ہے.... ایک قوم ایسی بھی ہے جو چہرہ دیکھ کر ہاتھ کا تعین پہلے ہی سے کر دیتی ہے....!“
 ”میں نہیں سمجھا!“

”چہرے کی بناوٹ سے اندازہ کرتی ہے کہ ہاتھ کس قسم کی لکیریں اور اُبھار رکھتا ہو گا!“
 ”میرے لئے بالکل نئی بات ہے....!“

”جنوبی امریکہ کی انکا نسل جس کی جڑیں قدیم مصر سے تعلق رکھتی تھیں اس نظریے کی بانی
 سمجھی جاتی ہے....!“

”اوہ.... اتنا وسیع ہے آپ کا مطالعہ....!“

”اب میں آپ کا ہاتھ دیکھ کر اندازہ لگاؤں گی کہ یہ نظریہ کس حد تک اپنے دعوے کی
 صداقت کو پہنچتا ہے....!“

”ضرور.... ضرور.... بڑی خوشی سے!“ فیاض اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

”نہیں....! پہلے یہ بتائیے چائے پیچھے گایا کافی.... یا پھر کوئی سوفٹ ڈرنک!“

”اس کی زحمت نہ کیجئے!“

”واہ.... یہ کیسے ممکن ہے....!“

اُس نے میز کے پائے سے لگا ہوا ایک ٹن دبا دیا تھا.... جلد ہی ایک آدمی کمرے میں داخل
 ہوا اور وہ فیاض کی طرف دیکھنے لگی۔

”کافی....! اگر آپ اصرار کر رہی ہیں!“

”کافی اور کریم....!“ اُس نے نووارد سے کہا تھا۔ وہ کسی قدر خم ہو کر واپس چلا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فیاض کے پاس ہی بیٹھ گئی! عجیب طرح کی خوشبو اُس کے جسم سے
 بوٹ رہی تھی۔ فیاض کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اُس نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا
 روبرو انہماک سے دیکھنے لگی تھی!

فیاض کے جسم میں برقی لہریں دوڑتی رہیں۔

”بڑا سچا علم تھا انکا نسل کا....!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ اور بڑے غور سے فیاض کی شکل
 دیکھنے لگی....! فیاض گڑبڑا گیا۔

”آپ لاؤلد ہیں....!“

”جج.... جی ہاں....!“

”اور آپ نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں دی....!“

”کوئی امکان ہی نہیں!“

”تلفی غلط.... ہاتھ کچھ اور کہہ رہا ہے....!“

”میری بیوی شروع ہی سے بیمار ہے....!“

”آپ کو دوسری شادی کرنی چاہئے تھی!“

”میں اُسے دکھ نہیں دینا چاہتا۔!“

”کیا یہ ضروری ہے کہ پہلی بیوی کو دوسری شادی کا علم ہی ہو جائے!“

”مشکل تو ہے! لیکن میں سرکاری ملازم ہوں!“

”ہاں یہ دشواری ہے۔! اگر بات کھل گئی تو.... آپ دشواری میں پڑیں گے؟“

”اُوہ....!....!....!“

وہ جھک کر اس کی ہتھیلی کو بہت غور سے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بایاں ہاتھ بھی پھیلانے لگا تھا۔ تھوڑی دیر کے انہماک کے بعد سر اٹھا کر کہا ”آپ کسی ایسے جگہ سے تعلق رکھتے ہیں؟“

”سب کچھ پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔!“

”ہرگز نہیں....!“ فیاض ہنس کر بولا ”آپ تو مجھے متحیر کئے دے رہی ہیں۔!“

”اگر آپ کو اپنی تاریخ پیدائش بھی معلوم ہو تو.... میں آپ کو بہت کچھ بتا سکتی ہوں۔!“

فیاض نے اُسے اپنی تاریخ پیدائش بتائی تھی.... اُس نے میز پر سے پڑا اٹھایا۔ اور کچھ

لگی۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر پُر تشویش لہجے میں بولی ”یہ ایک ماہ آپ پر بہت سخت ہے۔!“

”اُوہ....!“ فیاض ہونٹ سکڑ کر رہ گیا۔ وہ طویل سانس لے کر پھر بولی تھی۔ ”کسی دور

کی وجہ سے پریشانی میں پڑیں گے.... اور دشواریوں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔!“

”بچاؤ کی کوئی صورت....!“

”اس کا انحصار خود آپ پر ہو گا۔ یاد دہانی ترک کیجئے یا مشکل میں پڑیے....!“

”در اصل میز ایک دوست گم ہو گیا ہے! مجھے اُس کی تلاش ہے۔!“

”اُس کی تاریخ پیدائش بتا سکیں گے۔!“

”نہیں....!“

”نام کا پہلا حرف....!“

”پہلا حرف ”ف“ ہے....!“

”لیکن اُس سے تو آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا....! حساب تو یہی بتا رہا ہے۔ نام

کے لئے آپ صرف پریشان ہو سکتے ہیں۔ وہ آپ کو کسی مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔!“

”اچھا کسی ایسے دوست کے بارے میں بتائیے جس کا نام ”ع“ سے شروع ہوتا ہے۔!“

”ٹھہریے....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی تھی اور پیڈ پر پھر کچھ لکھنے لگی تھی۔!

پھر رک کر پوچھا! ”کیا یہ کوئی قتلون مزاج آدمی ہے۔!“

”جی ہاں....!“

”اُوہ....! دیے دل کا بُرا بھی نہیں معلوم ہوتا.... بس اس کی قتلون مزاجی آپ کو لے ڈوبے گی۔!“

فیاض کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا ”میرا خیال ہے کہ یہ شخص میری پریشانی کا باعث بن چکا ہے۔!“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ میرا علم سچا ہے۔!“

”واقعی....! آپ ایک باکمال خاتون ہیں۔!“

”بہر حال یہ وقت آپ کے لئے ایسا ہے کہ آپ کو ہر قدم احتیاط سے اٹھانا چاہئے۔“

”آپ کا بہت بہت شکریہ۔! اگر اس طرح بیہوش ہو کر نہ گرتا تو آپ سے ملاقات بھی نہ ہوتی۔!“

فیاض نے کہا اور پھر اپنی پوری داستان من و عن و ہر آنے بیٹھ گیا۔ وہ بہت غور سے سنتی رہی تھی

اور اُسکے خاموش ہوتے ہی بولی تھی ”حیرت انگیز.... تو وہ لاش آپ ہی نے دریافت کی تھی۔!“

”جی ہاں....! اور مجھے شبہ ہے کہ میرے دوست پر بھی کوئی ایسی ہی افتاد پڑی ہے۔! ورنہ

آج تک کوئی شکاری ساراوان کے جنگل میں اتنے دنوں تک گم نہیں رہا۔ کسی نہ کسی طرح کیپ

تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ بھگتے ہوئے شکاری۔!“

”یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ رنگین دھاریوں والی لاش آپ کے دوست ہی کی تھی۔!“

”نہیں....! اُس کی تو نہیں تھی۔ لیکن اُس جنگل کے کسی حصے میں کوئی ایسی غیر معمولی بات

ضرور ہو رہی ہے کہ وہاں پہنچ کر آدمی کی میت بدل جاتی ہے۔!“

”محض ایک واقعے کی بناء پر ایسا نہیں کہا جاسکتا....!“

”اور ایسا کوئی آدمی ساری دنیا میں پہلی بار دریافت ہوا ہے۔ زندہ یا مردہ حالت میں....! اسے

تو آپ تسلیم کریں گی۔!“

”جی ہاں....! ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔!“

”یقیناً وہ کوئی معمولی ہی آدمی تھا جو غیر معمولی حالات سے دوچار ہو کر اپنی اصل رنگت کھو

بیٹھا تھا۔!“

”اور اُس دوسرے دوست کا کیا قصہ ہے!“

”میرا خیال ہے کہ میرا گم شدہ دوست ہیئت تبدیل ہو جانے کے بعد میرے اُسی دوست کے ہاتھ لگا ہے۔“

”اُس دوست کی حیثیت کیا ہے!“

”جنگل ہے....“ فیاض بُرا سامنہ بنا کر بولا۔

”یعنی وہ آپ کی سرکاری حیثیت کے دباؤ میں نہیں ہے۔“

”کچھ ایسی ہی بات ہے....“

”پورا نام بتائیے.... شاید.... میں مزید کچھ معلوم کر سکوں۔“

”علی عمران....!“

”اُس نے پیڑ پر پھر کچھ حساب لگایا تھا اور سر اٹھا کر مایوسانہ انداز میں بولی تھی۔ ”وہ آپ کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکتا.... لیکن آخر وہ آپ کے گم شدہ دوست کا کرے گا کیا۔“

”خدا ہی بہتر جانے....!“

”جناب عالی! اگر آپ نے اُس کی دوستی سے ہاتھ نہ اٹھایا تو بڑے خسارے میں رہیں گے۔“

”ہو سکتا ہے اپنا عہدہ ہی کھو بیٹھیں۔!“

فیاض کے جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ گئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا

تھا۔ پھر بولا تھا ”اب اجازت دیجئے۔“

اس بار اُس عورت نے اپنے ڈرائیور کو طلب کر کے کہا تھا کہ وہ کیپٹن فیاض کو انٹرنیشنل میں چھوڑ آئے۔

فیاض کچھ ایسا بوکھلایا ہوا تھا کہ نہ تو اُس نے اُس کا نام معلوم کیا تھا اور نہ ہی اپنا بتایا تھا۔

راستے میں وہ سوچ رہا تھا کہ آخر عمران سے کس طرح پٹنا جائے۔ محکمہ خارجہ اُس کی پشت

پناہی کرتا تھا.... اور اب تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ اگر اُس نے اُس کی طرف توجہ نہ

دی تو کسی بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں گاڑی سے اترتے وقت اُس نے ڈرائیور سے کہا تھا کہ اُس کی طرف سے

اپنی بالکلے کا مزید شکریہ ادا کر دے۔!

اپنے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ فون کی کھنٹی بجنے لگی۔ جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آواز آئی تھی ”کیا خیال ہے کیپٹن فیاض۔ تم نے دیکھی ہماری طاقت۔!“

”پہلے بھی ایسے شیخی خورے مجرم میری نظر سے گذرے ہیں۔!“

”اچھی بات ہے....“ دوسری طرف سے آواز آئی ”ریسیور میز پر رکھ دو تاکہ سلسلہ منقطع

نہ ہو۔ پھر ذرا اپنے کپڑے اتار کر سینے پر نظر ڈالو.... اُس کے بعد بات کرنا۔!“

”مگ.... کیا مطلب....!“

”جو کچھ کہہ رہا ہوں جلدی سے کر ڈالو۔ مطلب بھی معلوم ہو جائے گا۔!“

فیاض نے ریسیور میز پر ڈال دیا۔ اور کوٹ اتار پھینکا ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر کے قمیض اتار دی۔

اور پھر بنیان اُتارتے ہی اُس کی چیخ نکل گئی تھی۔ سینے سے ناف تک ویسی ہی رنگین دھاریاں موجود تھیں جیسی لاش پر دیکھ چکا تھا۔!

بوکھلا کر ریسیور اٹھایا اور بھنسی بھنسی سی آواز میں بولا ”یہ تم نے کیا کیا....!“

”اپنے خلاف ثبوت فراہم کیا ہے۔!“

”آخر تم چاہتے کیا ہو....!“

”اُس کی واپسی....!“

”لل.... لیکن یہ دھاریاں....!“

”محض معمولی سی تنبیہ.... اگر تم وعدہ کرو کہ اُس کی بازیابی کے سلسلے میں ہماری مدد کرو گے

تو انہیں منادینے کی تدبیر تمہیں بتادی جائے گی۔ ورنہ رفتہ رفتہ یہ دھاریاں تمہارے پورے جسم

پر پھیل جائیں گی۔!“

”مم.... میں.... وعدہ کرتا ہوں....!“

”تو سنو....! تدبیر یہ ہے کہ جتنا تیز دوڑ سکتے ہو دوڑو.... اُس وقت تک دوڑتے رہو جب

تک بے دم ہو کر گر نہ جاؤ۔ دس مختلف اوقات میں یہی عمل دہرانے پر دھاریاں غائب ہو جائیں گی

اور اُسکے بعد اگر تم اپنے وعدے پر قائم نہ رہے تو تم سمیت تمہارا خاندان دھاری دار ہو جائے گا۔!“

”کیا ابھی دوڑنا شروع کروں....!“ اُس نے احقانہ انداز میں پوچھا تھا۔

”یہی بہتر ہو گا.... اُن کی افزائش کی قوت مضحل ہونی شروع ہو جائے گی۔!“

”آپ جانیں....!“ صفدر بیزاری سے بولا۔

عمران کچھ نہیں بولا تھا۔ صفدر نے تھوڑی دیر بعد کہا! ”ہاں تعاقب ہو رہا ہے سرخ رنگ کی

چڑی ہے۔“

”مزے کرمت دیکھنا۔“

”آخر ایسے حالات میں آپ فلیٹ کی طرف جاتے ہی کیوں ہیں۔! سائیکو مینشن ہی تک

محدود رہے۔!“

”سائیکو مینشن تک محدود رہ جانے کے بعد یہ نہ معلوم کر سکوں گا کہ وہ لوگ کس وقت کیا

کر رہے ہیں! فلیٹ کی طرف اسی لئے گیا تھا.... نہ جاتا تو ہرگز نہ معلوم ہوتا کہ وہ لوگ میری راہ

پر لگ چکے ہیں۔!“

”حالانکہ آپ نے بڑی احتیاط برتی تھی۔ بیجاری جولیا کو گھر ہی تک محدود کر دیا ہے۔!“

”میں کیا جانوں.... اُس پر یہ پابندی ایکس ٹو نے لگائی ہے۔!“

”اس قصے کے سر پیر ہی کا پتا نہیں چل رہا۔!“

”اگر تم بھی دھاری دار ہو جاؤ تو کیسی رہے....!“

”اپنے اوپر نکت لگا کر خاصی کمائی کر لوں گا۔!“

”خیال بُرا نہیں ہے۔ اگر ہم اس دھاری دار آدمی کو کسی طرح ملک سے باہر نکال بیجائیں اور کسی

مغربی ملک میں پہنچ کر اُسکی نمائش کریں تو رات بھر ہی میں ساری دنیا میں مشہور ہو جائیں گے۔!“

”پھر کیوں خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اسی پر عمل کر ڈالئے۔!“

”ملک سے نکال لے جانا آسان نہ ہو گا۔!“

”آخر مقصد کیا ہے اس کا....!“

”کچھ نہیں کہا جاسکتا....! دیکھنا پڑے گا۔!“

”ایٹور سنگھ کا کیا رہا....!“

”میں نے اُسے کاموفیگ کمپنی کے ایک ذمہ دار آدمی کا تحریری بیان دکھایا تھا اور اُس نے

ایٹور پر پٹ لیا تھا۔!“

”کیا تھا بیان میں....!“

فیاض نے ریسیور کرڈیل پر رکھا تھا اور دیوانوں کی طرح کمرے میں چکر لگانے لگا تھا۔ ساتھ ہی کپڑے بھی پہنتا جا رہا تھا۔!

اور بلا آخر وہ ہوٹل سے نکل بھاگا۔ رات کے نو بج گئے تھے۔ سردار گڈھ کی سڑکیں سنسان

ہونے لگی تھیں۔ وہ پانگوں کی طرح دوڑتا رہا تھا۔ شاید اپنی پوری زندگی میں اتنا تیز کبھی نہیں دوڑا تھا۔



حسب ہدایت صفدر گرگرفنی کے قریب موجود تھا۔! عمران کی ٹوسیٹر دیکھ کر اُس کی طرف لپکا!

”بیٹھ جاؤ جلدی سے.... شاید ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔!“ عمران نے کہا تھا.... اور پھر

صفدر کے بیٹھتے ہی ٹوسیٹر طوفان کی طرح آگے بڑھی تھی۔!

”فلیٹ کے قریب ہی سے تعاقب شروع ہوا ہے۔!“

”تو پھر اب کیا کریں گے۔!“

”فکر نہ کرو.... پہلے ہی انتظام کر چکا ہوں۔ جہاں تعاقب کرنے والے کو ڈونج دوں گا ڈپر

دوسری گاڑی مل جائے گی۔!“

”ملتی ہی کیوں نہ کر دیں فی الحال۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... بے حد منظم لوگ معلوم ہوتے ہیں۔!“

”کرنا کیا ہے....!“

”دار اب ہاؤز میں چوروں کی طرح داخل ہوتا ہے۔!“

”جناب والا.... آپ نے مجھ سے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا۔!“

”کینا کرتے آپ....!“

”آپ کو اطلاع دیتا کہ وہاں دو بے حد خطرناک قسم کے لیشین بھی دیکھے تھے میں نے۔!“

”کتے میری عادت میں شامل ہیں.... اور پھر کتے کہاں نہیں ہوتے۔!“

”وہ دونوں دن بھر باندھ کر رکھے جاتے ہیں اور رات کو کمپاؤنڈ میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔“

”تب تو وہ لوگ مردوں کی طرح سوتے ہوں گے۔ یہ بڑی اچھی خبر سنائی تم نے۔!“

”علامہ والے کیس کے دوران میں سگ گزیدگی کے کتے انجکشن لئے تھے آپ نے۔!“

”یار کیوں بور کر رہے ہو! ضرورت پڑے تو مزید انجکشنوں میں بھی کیا مضائقہ ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا!“

”عمارت کی پشت پر ہمارے لئے ایک ٹرک موجود ہے..... میں ڈرائیور اور تم کلینر..... اُس الماری سے اپنے ساز کی پتلون تلاش کر لو.....!“ عمران نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔
تھوڑی دیر بعد اُن کا حلیہ ہی بدل کر رہ گیا تھا..... میلی میلی پتلونیں پہن رکھی تھیں اور چہروں کی بناوٹ میں بھی کسی قدر تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ بہر حال اب وہ عمران اور صفدر کی حیثیت سے شناخت نہیں کئے جاسکتے تھے!

عمارت کے عقبی زینوں سے اتر کر اُس جگہ پہنچے جہاں ایک ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ نہایت آسانی سے نکلے چلے گئے! عمران ٹرک ڈرائیو کر رہا تھا اور صفدر اُس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔
”دیکھو اُن بیچاروں کو میری ٹوسیٹر کی نگرانی کب تک کرنی پڑتی ہے!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”کیا اُس گاڑی میں کئی آدمی تھے!“

”تین عدد.....!“

”داراب ہاؤز والے بھی کہیں پوری طرح ہوشیار نہ ہوں..... اور مجھے تو یقین ہے کہ اب آپ وہاں کوئی قابل اعتراض چیز سرے سے پائیں گے ہی نہیں!“
”اُس کے باوجود بھی میں اُس عمارت میں داخل ہونا چاہتا ہوں!“
تھوڑی دیر بعد وہ داراب ہاؤز کے قریب جا پہنچے تھے۔ تعاقب کرنے والوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا!

داراب ہاؤز کے عقب میں دور تک کچے مکانوں اور جھونپڑیوں پر مشتمل بستیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ عمران نے اُدھر ہی ٹرک روکا اور پُر فکر لہجے میں بولا۔ ”اگر بھنسن جاؤ تو مجھے بُرا بھلا مت کہنا۔“
”میں نہیں سمجھا!“

”میرا تعاقب کیا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ پوری طرح ہوشیار ہو گئے ہیں اور یہ بھی سامنے کی بات ہے کہ دھاری دار آدمی کے سلسلے میں تفتیش کا نقطہ آغاز داراب ہاؤز میں ہی ہو سکتا ہے!“
”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں!“

”داراب ہاؤز میں قدم رکھا اور دھرے گئے!“

”یہی کہ اس نام اور حلیے کا کوئی آدمی کبھی کمپنی کا ملازم نہیں رہا!“

”کیوں نہ سردار گڑھ ہی سے تفتیش کا آغاز کریں!“

”آغاز داراب ہاؤز سے ہو گا۔ پہلے سامنے کی بات..... آخر وہ سردار گڈھ سے یہاں لایا گیا ہے۔ اور داراب ہاؤز میں اُس کا کیا کام.....!“
صفدر کچھ نہ بولا۔

”خدا کی پناہ.....!“ عمران تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا ”آخر میرا تعاقب کیوں.....؟“

”جی میں نہیں سمجھا!“

”میرا تعاقب کیوں.....! وہ تو صدیقی کے پیچھے تھے۔ اس طرف میں نے دھیان ہی دیا تھا کہ وہاں فیاض سے کوئی حماقت سرزد ہوئی ہے!“
”ہاں..... یہ سوچنے کی بات ہے.....!“ صفدر سر ہلا کر بولا تھا۔
”خیر.....! دیکھا جائے گا!“

عمران نے اپنی ٹوسیٹر ایک بڑی عمارت کے سامنے روکی تھی جس میں کم از کم ساڑھے چھوٹے چھوٹے فلیٹ ضرور رہے ہوں گے!

”اُترو.....!“ عمران نے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا!

تعاقب کرنے والی گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی تھی!

وہ زینے طے کر کے تیسری منزل پر آئے تھے۔ اور عمران نے ایک فلیٹ کا قفل کھولا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ عمران نے اندھیرے میں سوچ بچ بورڈ ٹیبل کر روشنی کی تھی!

”یہ کہاں لے آئے.....!“ صفدر بولا۔

”وہ اسٹیشن..... جہاں گاڑی بدلتی ہے! پانچ دس منٹ سستالو.....! اور یہاں لباس تبدیل کریں گے!“

”اُف..... فوہ..... آپ نے لباس شب رومی کے لئے بھی تو کہا تھا..... میں بھلا

گیا.....!“ صفدر نے تاسف سے کہا!

”فکر نہ کرو..... لباس تو بہر حال تبدیل کریں گے! اور اُس گاڑی کے حسب حال جر

اب سفر کریں گے!“

”آپ کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آئی۔“

”سیر تو کرنی ہے داراب ہاؤز کی۔“

”بس اب خاموش رہئے.... جو کہیں گے کروں گا۔“

”کئی احمقوں میں سے تمہارا انتخاب اسی لئے تو کیا تھا۔“

وہ اگلی نشستوں سے اتر کر ٹرک کے پچھلے حصے میں آ بیٹھے تھے.... انداز ایسا ہی تھا جیسے

چادریں تانیں گے اور لیٹ کر سو جائیں گے۔!

”یہ تاروں بھرا آسمان....“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”کاش! میں مرغ پر جاسکوں....!“ صفدر نے ٹکڑا لگایا۔

”اپنی پسند کی تمہیں وہاں بھی نہیں مل سکے گی۔!“

”میرا خیال ہے کہ مرغ پر زندگی موجود ہے....!“ صفدر نے کہا۔

”درست فرمایا....!“ نیچے سے آواز آئی۔ ”نامی گن کے نشانے پر ہیں آپ دونوں حضرات

اپنے ہاتھ اوپر اٹھائیے اور چپ چاپ نیچے اتر آجئے....!“

”کیا ہم مرغ پر پہنچ چکے ہیں۔!“ عمران نے رازدارانہ انداز میں صفدر سے پوچھا۔

”جی نہیں....!“ یہ آواز زمین سے آئی تھی۔!“

”نامی گن کیا ہوتی ہے۔!“

”نیچے اترو....!“ اس بار سخت لہجے میں کہا گیا۔

”اسی لئے کہتا تھا کہ بہت زیادہ قابلیت کی باتیں نہ کیا کرو۔“ عمران صفدر کو گھونسنہ دکھا کر بولا۔

”تم نیچے اترتے ہو یا ہم فائرنگ شروع کر دیں۔!“

”ہمارا پناڑ ٹرک ہے۔ چرا کر نہیں لائے۔!“ صفدر نے اکڑ کر کہا۔

”کچھ بھی سہی.... نیچے اترو!“ نیچے سے آواز آئی تھی۔ بولنے والا اندھیرے میں کہیں پوشیدہ تھا۔

عمران نے آواز کی طرف کوئی چیز اچھالی تھی.... زوردار دھماکہ ہوا اور اُس نے صفدر سے

کہا۔!“ٹاک بند کر کے دوسری طرف چھلانگ لگا دو۔!“

گہرا دھواں چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ صفدر نے خاصی تیزی دکھائی۔ دونوں ساتھ ہی

زمین پر پہنچے تھے اور ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔!

پھر بستی میں شور ہونے لگا تھا۔! دھماکہ کی آواز سے آس پاس کے لوگ سر اسیمہ ہو گئے

تھے....! یہ دونوں دوڑتے رہے....! کوئی تعاقب میں نہیں آیا تھا۔! البتہ سامنے سے کچھ لوگوں

کے دوڑنے کی آوازیں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔!

”بھاگو.... بم پھٹا ہے....!“ عمران نے ہانک لگائی۔

”کہاں.... کدھر....!“ کئی آوازیں آئیں۔ دوڑتے ہوئے قدم ٹک گئے تھے.... اور یہ

دونوں اُن کے قریب پہنچ گئے تھے۔!

عمران پیچھے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ادھر.... ہم نے تو آج تک محسوس کی تھی۔!“

اور پھر وہ دونوں اُسی بھیڑ میں مدغم ہو گئے تھے۔!

”اب کھسک چلو....!“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”دھوئیں کے اثرات ادھر بھی محسوس

ہونے لگے ہیں۔!“

وہ اُس بھیڑ سے نکلے تھے اور ایک طرف چل پڑے تھے۔

”ناممکن ہے....؟“ عمران بڑبڑایا۔ ”پوری طرح جاگ رہے ہیں لوگ۔!“

”بم خطرناک تو نہیں تھا۔!“

”قطعی نہیں، بیہوشی طاری کرنے والا دھوئیں کا چھوٹا سادستی بم تھا! لیکن بیہوشوں کی تعداد

خاصی ہو گی۔!“

”بہر حال مہم ناکام رہی۔!“

”جو لوگ بھی ہیں! مجھ سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتے ہیں۔! خیر چلو اب گدھوں کے

کان اینٹھیں۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”شل ہے کہ دھوئیں سے نہ جیتے تو گدھے کے کان اُٹھیں۔!“

”اب بھی نہیں سمجھا۔!“

”وہ تینوں جو سنگھارام فلیٹس کے سامنے ہماری واپسی کے منتظر ہوں گے....! کم از کم

داراب ہاؤز والوں کو بھی تو معلوم ہو جائے کہ ہم غافل نہیں ہیں۔!“

”اچھا خیال ہے!“ صفدر سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن ضروری نہیں کہ وہ اب بھی وہیں موجود ہوں۔!“

”ضروری ہے..... جب تک میری ٹو سیٹر وہاں موجود رہے گی اپنی جگہ سے بلیں گے بھی نہیں۔“
 ”چلے دیکھے لیتے ہیں۔!“
 ”اور ہاں..... آئندہ غلاء باز بننے کی کوشش نہ کرنا..... ٹرک ڈرائیور اور مریخ پر زندگی کے آثار کے امکانات پر گفتگو..... واہ..... واہ.....!“
 ”مجھے کچھ نہ کہئے..... ابتداء آپ نے ہی کی تھی تاروں بھرے آسمان کا ذکر کر کے۔!“
 ”میاں وہ شاعری تھی تم سائنس پر پا کر بیٹھے۔!“
 ”اچھا تو پھر کتنی تنخواہ کئے گی اس بار.....!“
 ”بے فکر ہو..... تمہاری قابلیت کی تعریف ایکس ٹو سے ہرگز نہ کروں گا۔!“
 وہ ایک بس پر سوار ہوئے تھے..... اور سنگھارام فلیٹس کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔
 کنکشن کے چوراہے پر بس سے اتر کر فلیٹس کی طرف پیدل جانا پڑا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے تھے۔

”آہا..... واہ..... گاڑی موجود ہے.....!“ صفدر بولا۔

”بس چپ چاپ چلے آؤ.....!“

”وہ اُس گاڑی کی طرف بڑھتے رہے جو کچھ دیر پہلے اُن کا تعاقب کرتی رہی تھی..... کار کے قریب پہنچ کر عمران اگلی کھڑکی پر بٹھا تھا اور آہستہ سے پوچھا تھا ”ماچس ہوگی بابو جی.....!“
 ”نہیں.....!“ اندر سے کوئی غرایا تھا لیکن پھر شائد ریو الوور کی بد نمثال دیکھ کر اُس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ پچھلی کھڑکی پر صفدر کار ریو الوور اپنی جھلکیاں دکھا رہا تھا..... اس وقت اس گاڑی میں صرف دو ہی آدمی تھے۔ ایک اگلی سیٹ پر تھا اور دوسرا پچھلی سیٹ پر نیم دراز شائد اوگھ رہا تھا۔ عمران نے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہوئے ریو الوور کی نال اُس کے پہلو سے لگادی۔ پچھلی سیٹ والے کے ساتھ یہی برتاؤ صفدر نے کیا تھا۔

”انجن اشارت کرو..... اور جدھر کہوں چلتے رہو۔!“ عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”لل..... لیکن..... کون ہو تم.....؟“

”دوست تو ہرگز نہیں ہو سکتے..... چلو..... کرو اشارت.....!“ طوعاً کرہاً اُس شخص نے تعمیل کی تھی۔ ”جنش نہ کرنا۔!“ عقب سے صفدر کی آواز آئی۔

”تم کیا چاہتے ہو.....!“ ڈرائیور نے عمران سے پوچھا۔

”فی الحال اتنا ہی کہ جہاں لے جاؤں چپ چاپ چلے چلو.....!“
 ”مقصد.....!“

”مقصد تو باس بتائے گا۔! ہم تو حکم کے بندے ہیں۔!“
 ”کون باس.....!“

”باس صرف باس ہے.....! ہم اتنا ہی جانتے ہیں۔!“ عمران بولا۔
 ”تمہیں پچھتا نا پڑے گا۔!“

”یہ جملہ فلموں میں بہت مقبول ہے۔!“

”تم ایک سرکاری کام میں مداخلت کر رہے ہو۔!“

”کس سرکار سے تعلق ہے تمہارا۔!“

”چلو..... پتا چل جائے گا۔!“

”دیکھا جائے گا.....!“

گاڑی پہلے ہی اشارت ہو کر حرکت میں آچکی تھی۔ ”اب بائیں جانب موڑ لو!“ عمران نے کہا۔
 ”آخر تم ہو کون.....؟“ پچھلی سیٹ سے آواز آئی۔

”مجھ سے جواب چاہتے ہو۔ یا اگلی سیٹ والے سے۔!“ صفدر نے پوچھا۔

”ہمارا تعلق سی آئی ڈی سے ہے۔!“ پچھلی سیٹ سے آواز آئی تھی۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو.....!“ عمران غرایا۔

اُس نے رانا پیلس کی طرف ڈرائیور کی رہنمائی کی تھی اور وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر گاڑی روک لینے کو کہا تھا۔ جیسے ہی انجن بند ہوا تھا۔ ریو الوور کی نال اُس کے پہلو سے ہٹ کر بائیں کپڑی پر پڑی تھی اور وہ دوسری طرف کی کھڑکی پر ڈھ گیا تھا۔

”خبردار..... خبردار.....!“ پچھلی سیٹ والا بوکھلا کر بولا لیکن اُس کی زبان بھی جلد ہی بند ہو گئی تھی! صفدر نے ریو الوور کا دستہ اُس کی گردن پر رسید کیا تھا۔ بہر حال وہ دونوں بحالت بیہوشی ہی رانا پیلس میں داخل ہوئے تھے۔

ایک گھنٹے بعد جب اُن کے حواس بحال ہوئے تھے اور انہوں نے عمران کو سامنے کھڑا پایا تھا

”میں نے کہا تھا کہ آپ لڑکیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ آپ کے خلاف ثبوت فراہم کرنا اُس کے ذمے ڈالا گیا ہے لہذا اُس نے تمہیں کیا ہے دن رات آپکی نگرانی کر کے یہ کام سرانجام دے گا۔“

”ب سے اُسے جانتے ہو....!“

”پچھلے دو تین ماہ سے....!“

”میری نگرانی کب سے شروع ہوئی ہے۔!“

”آج ہی سے....!“

”مفضل کہاں رہتا ہے....؟“

”آپ یقین نہیں کریں گے کہ ہم اُس کی قیام گاہ کا پتہ نہیں جانتے، ہماری ملاقاتیں تقریباً

ہر شام کینے صبحی میں ہوتی ہیں۔!“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ گاڑی اُسی کی ہے۔!“

”جی ہاں.... کیونکہ شروع ہی سے ہم نے گاڑی اُس کے پاس دیکھی ہے۔!“

”تم دونوں کہاں رہتے ہو۔!“

”ایک ہی گھر میں.... دونوں نے مل کر کرائے پر ایک فلیٹ لے رکھا ہے۔ فیملی نہیں ہے۔

ہمارے پاس یزدانی منزل کا آٹھواں فلیٹ ہے۔!“

”ہم تمہارے بیان کی تصدیق کئے بغیر تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔!“

”شوق سے۔!“ وہ سر ہلا کر بولا ”میرا نام صادق ہے جیسا کہ میرے کارڈ پر بھی تحریر ہے۔

اور یہ اکرم.... ہمارے دفتر سے بھی تصدیق کر سکیں گے اور یزدانی منزل میں ہمارے قریبی

پڑوسیوں سے بھی۔!“

”ٹھیک ہے۔!“

”لیکن ہمیں کب تک یہاں رکنا پڑے گا۔! اگر کل دفتر نہ گئے تو جواب طلب کر لیا جائے گا۔!“

”جو حماقت تم دونوں سے سرزد ہوئی ہے اُسکا تھوڑا بہت بھگتان تو جسے میں آنا ہی چاہئے۔!“

”سوال یہ ہے کیا فضل نے آپ کے بارے میں غلط بتایا تھا۔؟“

”یعنی میں لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہوں۔!“

”جی ہاں....!“

تو بغلیں جھانکنے لگے تھے۔! ”اب کیا خیال ہے دوستو! عمران نے بے حد نرم لہجے میں سوال کیا۔

”کک.... کیا مطلب....!“ ایک ہکلا کر رہ گیا۔

”میرا تعاقب کیوں ہو رہا تھا....!“

”زن.... نہیں تو....!“

”اگر سی آئی ڈی کے آدمی ہو تو اپنے شناخت نامے پیش کرو.... تم سے معذرت بھی طلب

کر لوں گا اور خاصے اعزاز و اکرام کے ساتھ تمہاری واپسی بھی ہو جائے گی۔!“ وہ کچھ نہ بولے....

صدر عمران کے پیچھے کھڑا تھا۔ عمران نے اُس سے کہا۔ ”اگر یہ آدمی منٹ میں شناخت نامہ

پیش کریں تو تم انہیں شوٹ کر دینا۔!“

صدر نے ریوالور نکال لیا۔

”ٹھہریے....!“ دوسرا آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا ”ہم بلا وجہ مارے جائیں گے۔ جبکہ ہمارا قصور

اس سے زیادہ نہیں کہ ہماری دوستی افضل سے ہے۔!“

”کون افضل....!“

”تیسرا آدمی جو ہمارے ساتھ تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ہم جس کے ساتھ تھے۔!“

”وہ کہاں گیا....!“

”آپ لوگوں کے پیچھے سے تھوڑی دیر پہلے کہیں سے کسی کو فون کرنے گیا تھا۔!“

”تو یہ بات غلط تھی کہ تم دونوں سی آئی ڈی سے متعلق ہو....!“

”جی ہاں.... ہم سرکاری ملازم ضرور ہیں لیکن سی آئی ڈی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔!

اُس نے کہا کہ کرجیب سے اپنا کارڈ نکالا اور عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا تھا ”ہم دونوں ایک

دفتر میں کام کرتے ہیں۔!“

”اور افضل....؟“

”وہ یہی کہتا ہے کہ وہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے۔!“

”شاید تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ افضل ہی نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا تھا۔!“

”جی ہاں.... بس ہم تفریحا اُس کے شریک کار بن گئے تھے۔ گاڑی بھی اُسی کی ہے۔!“

”میرے بارے میں اُس نے تمہیں کیا بتایا تھا۔!“

”ہم سنگٹن کے تھانے سے آئے ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”اُوہ.... کیا گاڑی مل گئی....!“

”ہلی تو ہے.... لیکن....!“

”لیکن.... کیا....؟ وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

”میا آپ بیٹھے کو بھی نہ کہیں گے۔“ عمران مسکرا کر بولا۔

”اُوہ.... معاف کیجئے گا.... تشریف لائیے.... اندر چلے.... دراصل اس وقت کوئی ملازم

بھی موجود نہیں ہے۔!“

وہ انہیں نشست کے کمرے میں لایا تھا۔ دونوں بیٹھ گئے اور وہ کھڑا انہیں ٹٹولنے والی نظروں

سے دیکھتا رہا۔!

”آپ کا تعلق سی آئی ڈی کے کس سیکشن سے ہے۔!“ دفعتاً عمران نے سوال کیا۔

”مم.... میرا....!“ وہ اچھل پڑا ”کسی سے بھی نہیں۔ پتا نہیں آپ کے اس سوال کا کیا

مطلب ہے۔!“

”انہوں نے ہمیں یہی بتایا ہے۔!“

”کن کی بات کر رہے ہیں۔!“

”اکرم اور صادق نے جن کے ساتھ آپ کب ملزم کی نگرانی کر رہے تھے۔!“

”دیکھئے جناب....! میں مذاق کے موڈ میں نہیں۔!“

”گاڑی انہی دونوں کے قبضے میں تھی۔ انہوں نے بتایا ہے کہ وہ آپ کے دوست ہیں اور

آپ کو علم ہے کہ گاڑی اُن کے پاس ہے۔!“

”پتا نہیں کون چوڑھے ہیں! میں تو جانتا نہیں کسی اکرم یا صادق کو۔!“

”کیا آپ افضل خان نہیں ہیں۔!“

”یقیناً ہوں اور میں نے ہی اپنی گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی۔!“

”تب پھر آپ کو ہمارے ساتھ تھانے تک چلنا ہو گا۔ اُن دونوں کو روک لیا گیا ہے۔!“

”وہ چھوٹے ہیں.... اُن پر مقدمہ قائم کیجئے۔!“

”میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے ساتھ چل کر انہیں دو ٹوک جواب دیجئے! اُن کا یہ دعویٰ

”اگر کرتا بھی ہوں تو آپ کون ہوتے ہیں دخل اندازی کرنے والے....؟“

وہ کچھ نہ بولے.... عمران چند لمحے انہیں گھورتے رہنے کے بعد بولا تھا ”افضل سی آئی ڈی کا

آدمی نہیں ہے بلکہ میرے ایک کاروباری حریف کا آدمی ہے۔ تم میاں لوگ پتا نہیں کیوں اپنی

حجamt بنوانے کے لئے ہم نمے آدمیوں کے بیچ آپڑے ہو۔!“

”واقعی....!“ ایک نے دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا ”آخر ہمیں کیا پڑی تھی۔!“

”خیر.... خیر.... چھوڑے تو جانیں سکتے فی الحال۔!“ عمران نے لا پرواہی سے کہا۔

ان کا کمرہ مقفل کر کے وہ دوسرے کمرے میں آیا تھا۔ صفدر کو وہیں چھوڑا اور اُس طرف چل

پڑا جہاں بلیک زیرو اُس کا منتظر تھا۔

”صبح سے پہلے ناممکن ہے جناب....!“ اُس نے اطلاع دی ”رجسٹریشن آفس ہی سے گاڑی

کے مالک کا نام اور پتہ معلوم ہو سکے گا۔!“

”دوسری صورت اور بھی ہے....! دو گھنٹے سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے! معلوم کرو کہ کسی

تھانے میں اس نمبر کی گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ تو نہیں درج کرائی گئی۔!“

”اُوہ.... شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔!“

”جہاں سے گاڑی غائب ہوئی ہے۔ اُسی علاقے کے تھانے سے ابتدا کرو....!“

”بہت بہتر جناب....!“

اور پھر بیس منٹ کے اندر ہی اندر معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کسی افضل خان کی گاڑی ہے جو ماڈل

ناؤن کے بنگلہ نمبر تین سو گیارہ میں رہتا ہے.... اُسی نے گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی

تھی۔ عمران نے دوسرا میک اپ کیا اور صفدر کے لئے بھی ایسا لباس فراہم کیا جس سے سادہ

پولیس والوں کا سا انداز پیدا ہو سکتا! اُس کے بعد اُس نے رانا بیلز کے گیراج سے جیپ نکلوائی

تھی.... اور دونوں ماڈل ناؤن کی طرف روانہ ہو گئے تھے، بنگلہ نمبر تین سو گیارہ میں روشنی نظر

آئی.... اس کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے مکین ابھی سوئے نہیں تھے۔!

عمران نے پھانک کے قریب گاڑی روکی تھی اور ستونوں پر گھنٹی کا بٹن تلاش کرنے لگا تھا۔!

بالآخر نیلے پھولوں والی بیل کے نیچے پش سوئچ مل ہی گیا تھا۔ اُس نے بٹن پر انگلی رکھ کر کئی بار دباؤ

ڈالا تھا۔! تھوڑی دیر بعد پھانک کھلا تھا۔ ایک آدمی شبِ خوابی کے لباس میں سامنے کھڑا نظر آیا۔

باطل ہونا چاہئے کہ وہ آپ کے دوست ہیں اور گاڑی آپ سے مستعار لے گئے تھے۔“

”عدالت میں ثابت ہو جائے گا۔ اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے۔“

”نہیں جناب.... یوں کام نہیں چلے گا۔ اُن کے شناخت نامے انہیں سرکاری ملازمین ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیں باقاعدہ طور پر اُن کے دعویٰ کی تصدیق کرنی پڑے گی۔ اُس کے بغیر ہم انہیں نہیں روک سکیں گے۔“

”دیکھئے جناب....!“ افضل خان ہاتھ اٹھا کر بولا ”مجھے صرف اپنی گاڑی کی بازیابی سے سروکار ہے۔ وہ روکے جاتے ہیں یا نہیں! میں اس چکر میں نہیں پڑوں گا۔ آپ یوں کیوں نہیں کرتے کہ انہیں جانے دیں اور رپورٹ میں یہ ظاہر کریں کہ گاڑی کہیں کھڑی مل گئی تھی اور طرح میں عدالت کے چکر کاٹنے سے بھی بچ جاؤں گا۔“

”ہاں.... اس طرح بچ تو جائیں گے۔ لیکن ہم ایسا کیوں کرنے لگے۔“

”ارے سبھی کچھ ہوتا رہا ہے۔“ وہ ہنس کر بولا ”آخر کتنے میں ہو جائے گا یہ کام....“

”اگر آپ اس معاملے کو اس نکتہ نظر سے دیکھ رہے ہیں تو آپ کو جلدی کرنی چاہئے۔ فوراً کراٹیشن انچارج سے مل لیجئے۔ اس صورت میں آپ کو اُن دونوں کے سامنے جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ اور یہ بات بھی انچارج صاحب ہی بتا سکیں گے کہ کام کتنے میں ہو جائے گا۔“

”اچھی بات ہے! میں چل رہا ہوں.... ایک منٹ میں حاضر ہوا کپڑے پہن کر....“

وہ اندر چلا گیا تھا اور عمران نے مسکرا کر صدر کو آنکھ ماری تھی.... دس منٹ گزر گئے۔

لیکن اُس کی واپسی نہ ہوئی۔ عمران کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے تھے۔

”کیا دوسری طرف سے نکل بھاگا۔“ وہ آہستہ سے بولا تھا۔ مزید پانچ منٹ گزر گئے۔ پھر عمران نے اونچی آواز میں کہا تھا ”ارے صاحب! جلدی کیجئے۔ ہمیں بہت زیادہ فرصت نہیں ہوا کرتی۔“

کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اُس کے بعد بھی اُس نے دو تین بار آوازیں دی تھیں اور کوئی نیا

برآمد نہ ہونے پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ”اندر چل کر دیکھنا پڑے گا۔“ اُس نے صدر سے کہا وہ دونوں

برابر والے کمرے میں پہنچے تھے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اُس کے بعد والا کمرہ خواب گاہ تیار

ہوا۔ اور وہ یہاں موجود تھا۔ لیکن اُسی لباس میں جس میں اُن سے رخصت ہوا تھا۔ باہر جانے۔

لے لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ فرش پر او نہ ہاڑا ہوا تھا۔ اُن دونوں

کے روبرو نکل آئے تھے اور وہ پورے بیٹنگے میں چکر لگاتے پھرے تھے۔ لیکن کسی دوسرے آدمی کا سر اُن نے مل سکا! بیٹنگے کے باہر بھی دور دور تک دیکھ آئے تھے۔ پھر دوسرے نقطہ نظر سے پورے بیٹنگے کی تلاشی لی تھی۔ لیکن کوئی کام کی چیز ہاتھ نہ لگی! یعنی اس بیٹنگے کی حدود سے باہر افضل خان کی شخصیت اندھیرے ہی میں رہی....!

اُس کے بائیں پہلو میں ٹھیک دل کے مقام پر کسی دھاردار آلے کا زخم تھا۔ لاش ٹھنڈی ہو چکی تھی انہوں نے وہاں اپنی موجودگی کے ممکنہ نشانات منائے تھے اور باہر نکل آئے تھے....!

جپ شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

”پس ثابت ہوا کہ اکرم اور صادق کا بیان درست تھا۔“ عمران تھوڑی دیر بعد بولا ”کیونکہ

افضل خان اُن کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید اُس نے یہ سمجھ کر گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ

درج کرا دی تھی کہ وہ دونوں گاڑی سمیت میرے ہاتھ لگے ہیں۔ اسی لئے اُن کی طرف سے

لا علمی ظاہر کی تھی۔ بہر حال کسی کو اُس کی یہ بے احتیاطی پسند نہیں آئی اور اُس نے اُس کا خاتمہ

کر دیا۔ لیکن وہ کوئی ماہر خنجر انداز تھا۔ افضل خان آواز نکالے بغیر ہی ختم ہو گیا۔ اور ایسی مہارت

میں نے صرف ایک آدمی کے ہاتھوں میں پائی ہے.... وہ بائیں ہاتھ سے بھی ایسا ہی چچا تلا وار

کر سکتا ہے.... دل کے ایسے ہی حصے پر کہ شکار دوسری سانس نہ لے سکے۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں۔!“ صدر نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

عمران نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ لیکن صدر محسوس کر رہا تھا جیسے وہ گہری

تشویش میں مبتلا ہو گیا ہو۔! تھوڑی دیر بعد اُس نے صدر سے کہا ”صبح ہونے سے پہلے ہی افضل

خان کی گاڑی سے چھٹکارا پالینا چاہئے۔ میں تمہیں کیفے گریفی کے پاس اتاروں گا۔ جہاں تم نے اپنی

گاڑی چھوڑی تھی۔ وہاں سے سیدھے رانا پیلس جانا اور افضل خان کی گاڑی وہاں سے نکال کر اُسی

علاقے کی کسی گلی میں چھوڑ دینا جہاں سے اُس کے غائب ہونے کی رپورٹ درج کرائی گئی تھی۔

لیکن خیال رہے کہ اُس میں کہیں ہماری انگلیوں کے نشانات باقی نہ رہنے پائیں۔!“

”آپ کہاں جا رہے ہیں۔!“

”میزی فکر نہ کرو.... اگر تمہاری ضرورت ہوگی تو مطلع کر دوں گا۔!“

”اُن دونوں کا کیا ہو گا۔!“

”کچھ بھی ہوئی الحال اُن کا بند رہنا ہی مناسب ہے! ورنہ افضل خان کی لاش دریافت ہوتے ہی وہ پولیس کو سیدھے میرے فلیٹ لے آئیں گے۔“

”یہ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ! ورنہ انہیں بھی بیہوش کر کے چلتا کرتے۔ ہمارے لئے کارآمد نہیں معلوم ہوتے!“ عمران نے صفر کو کیفہ گریفی کے پاس اُٹا تھا اور جب کو آگے بڑھالے گیا تھا!



دھاری دار آدمی ایک بیک خواب سے بیدار ہوا تھا اور کسی شیر کی طرح دھاڑنے لگا تھا! پہلی بار لوگوں نے اُسے خود سے بولتے سنا تھا لیکن کسی کے بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ دھاڑیں الفاظ کا گلہ گھونٹ دیتی تھیں اور وہ دوسروں تک کوئی معنی نہیں پہنچا سکتا تھا!

”کیا بات ہے....! تمہیں کیا تکلیف ہے....!“ ڈاکٹر مسلسل پوچھے جارہا تھا۔ لیکن یہ سمجھے سے قاصر تھا کہ وہ جواب میں کیا کہہ رہا ہے۔ اس سے پہلے وہ اس کی باتیں سمجھتا رہا تھا۔ بالکل عام آدمیوں کے سے انداز میں باتوں کا جواب دیتا تھا۔ مگر اس وقت جب سے جاگتا اُس کا رویہ یکھت بدل گیا تھا۔ صحیح الدماغ تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ پھر اچانک اُس نے چھلانگ لگائی تھی اور ڈاکٹر کو دبوچ بیٹھا تھا۔ اُس کی چیخیں سن کر پہلے ہی کئی لوگ کمرے میں پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر کو بچانے کے لئے اُس پر ٹوٹ پڑے لیکن مخلصی نصیب نہ ہو سکی۔ اُس نے ایک ہاتھ سے ڈاکٹر کی گردن دبوچ رکھی تھی اور دوسرے سے مداخلت کرنے والوں کو روک رہا تھا۔ جس پر بھی ایک ہاتھ پڑ جاتا دوبارہ اُس کے قریب جانے کی ہمت نہ کر سکتا!

دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ڈاکٹر کا خاتمہ کر دیا۔ دوسرے لوگ کمرے سے نکل بھاگے تھے۔ اور دروازہ بند کر کے باہر سے مقفل کر دیا تھا۔ وہ ڈاکٹر کی لاش کے ساتھ اندر ہی رہ گیا۔ پھر پوری عمارت میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ جنہوں نے اُسے اُس بہیمانہ حالت میں دیکھا تھا بُری طرح کانپ رہے تھے اور ایک تو صدمے کو سہار نہ سکے کی بناء پر بیہوش بھی ہو گیا تھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ ایکس ٹو کے فون نمبر کا علم صرف جولیاء کی ذات تک محدود تھا۔ اور وہ خود اپنے بنگلے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ چوہان نے جولیاء سے فون پر رابطہ قائم کر کے صورت حال سے مطلع

کیا تھا اور جولیاء دوسری طرف سے بولی تھی۔ ”تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ اب وہ اُس نمبر پر نہیں ملتا۔ ڈائیل کرو تو دوسری طرف سے گھنٹی بجنے کی بھی آواز نہیں آتی۔ وہ خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کر کے یا تو احکامات دیتا ہے یا جو کچھ معلوم کرنا ہوتا ہے کر لیتا ہے۔ ویسے عمران کہاں ہے۔؟“

”کچھ پتا نہیں.... فلیٹ میں تو ہے نہیں، کئی بار ڈرائی کر چکے ہیں۔!“

”اب کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی کہ دروازہ کھول کر ڈاکٹر کی لاش ہی باہر نکال لے۔ پتا نہیں

لاش کا کیا حشر کرے۔!“

”آخر اُسے اس طرح رکھا ہی کیوں گیا تھا۔!“

”سب کچھ عمران ہی کا کیا دھرا ہے....!“

”آخر وہ ہے کہاں....؟“

”خدا ہی کو علم ہو گا۔!“

ٹھیک اسی وقت جب چوہان اپنے کمرے میں جولیاء سے فون پر گفتگو کر رہا تھا! دھاری دار آدمی کے کمرے کا دروازہ جو کھٹ سمیت نکل کر کمرے کے فرش پر آ پڑا تھا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ اُس کمرے کا دروازہ بھی بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن اُس میں کامیابی نہ ہو سکی!

دھاری دار آدمی انہیں دوڑائے ہوئے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ اور پھر ٹھیک اُسی وقت عمران نے سائیکو میشن میں قدم رکھا تھا۔! گیراج ہی میں اُسے علم ہو گیا کہ اوپری منزل پر کیا ہو رہا ہے۔ عمران سوچ میں پڑ گیا۔ خود سے تو وہ بات بھی نہیں کرتا۔ جو کچھ کہا جاتا تھا وہی کرتا تھا۔ پھر ایک بیک اس تبدیلی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کہیں کسی نے تجربے کے طور پر اُسے تخریب کاری کا سنجیشن تو نہیں دے دیا.... لیکن پھر اس خیال کی تردید دوسروں کے بیان سے ہو گئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بے خبر سو رہا تھا اچانک دھاڑتا ہوا بیدار ہو گیا۔

عمران اُس وقت پہنچا جب ہنگامہ فرو ہو چکا تھا۔ لوگ دوسری منزل خالی کر گئے تھے۔! اور اب وہاں دھاری دار آدمی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چاہتا تو فرار بھی ہو سکتا تھا۔ لفٹ ہاتھ نہ آتی تو زینے استعمال کرتا لیکن اُس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ لابی میں بیٹھا نظر آیا۔ سر گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔

”سوڈابی کا رب....!“ عمران نے اُسے آواز دی۔

وہ چونک کر سنبھل بیٹھا تھا!

”یہ تم نے کیا کیا....!“

”جو مجھ سے کہا گیا!“ اُس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”کس نے کہا تھا؟“

”مجھے یاد نہیں!“

”کیا کہا گیا تھا!“

”جو سامنے آئے اُسے مار ڈالو.... دیواریں توڑ دو.... دروازے اکھاڑ دو!“

”تم سو رہے تھے!“

”مجھے یاد نہیں....!“ اُس نے کہا اور پھر بیٹھے ہی بیٹھے عمران پر چھلانگ لگائی تھی۔ عمران اس کا خدشہ نہیں تھا اسلئے ہوشیار بھی نہیں تھا۔ اُس سمیت فرش پر چلا آیا اور پھر اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے پہاڑ آگرا ہو۔ اگر بڑی بھرتی سے اسکے نیچے سے نکل نہ جاتا تو ہڈیاں چور ہو جاتیں۔

اُچھل کر دور جا کھڑا ہوا اور اُسکے دوسرے حملے کا انتظار کرنے لگا! اُسے مضحکہ لگتا تھا کہ یہی سمجھا تھا کہ جو کیفیت بھی اُس پر طاری رہی تھی شاید اب اپنا اثر کھو چکی ہے! ورنہ وہ اُسے ہوش کر کے اپنی طرف ہرگز متوجہ نہ کرتا۔ اُسکی بجائے دوسرے طریقوں سے اُس پر قابو پانے کی کوشش کرتا۔ بہر حال اب تو جلد بازی سرزد ہو ہی چکی تھی۔ کسی نہ کسی طرح اُسے دوبارہ قابو میں کرنا تھا! وہ بھی اٹھ بیٹھا تھا اور کسی لڑاکے مرغ کے سے انداز میں حملے کی گھات کر رہا تھا!

اُس نے پھر عمران پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن اس بار اُس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ جس کو گونج پوری لابی میں پکرائی تھی۔

وہ لڑکھڑایا تھا اور فرش پر گر پڑا تھا۔ سر میں آنے والی چوٹ ایسی ہی شدید تھی کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔ فوری طور پر بیہوش ہو گیا تھا!

عمران اُس کے قریب ہی کھڑا اُسے بُرے تشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔ کچھ ہی دیر پہلے اُسے درندے نے سائیکو مینشن کے ایک ماہر ڈاکٹر کی جان لے لی تھی!

عمران سیریز نمبر 94

متحرک دھاریاں

(دوسرا حصہ)

گندہ ہے کہ ناک بھی صاف نہیں کر سکتا! بہر حال مجھے مصنف ہی رہنے دیجئے! آپ جیسے قدردانوں نے منہ موڑا تو ردی فروشی کر کے پیٹ پال لوں گا، لائن سے ہٹ کر کام کرنے کا مشورہ نہ دیجئے! اور نہ ساری رقم ڈوب جائے گی اور پھر میں کسی ایک عدد ”ایم اے ایل ایل بی“ کے لئے نہیں لکھتا۔ مزدوروں سے لے کر پروفیسروں تک کے دل بہلانے پڑتے ہیں۔ مجھے اسی ”کالی کہکشاں“ کی پسندیدگی کے سلسلے میں اتنے خطوط آئے تھے کہ آپ ان کی تعداد کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ میں اپنی اس بھتیجی سے سخت شرمندہ ہوں جسے شاید اس کی سہیلیوں نے خواہ مخواہ کالی کہکشاں کہنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ کے ان صاحبزادے سے بھی شرمندہ ہوں جنہیں ان کے دوست علامہ دہشت ناک کہہ کر مخاطب کرنے لگے ہیں حالانکہ وہ بے حد شریف آدمی ہیں۔ خیر چھوڑیے اس قصے کو ان صاحب کو آم قطعی پسند نہ ہوں گے (گرانی کی وجہ سے) جنہوں نے مجھے آموں کی آڑھت کر لینے کا مشورہ دیا ہے۔

متحرک دھاریاں ملاحظہ فرمائیے.... جلد ہی اس سلسلے کی آخری کڑی ”خاص نمبر“ کی شکل میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ۔

والسلام

ابن صفی

۲۳ جولائی ۱۹۷۶ء

پیشرس

بہ رنگی موت کی پسندیدگی کا شکریہ.... تین عدد خطوط میں اظہار بیزاری کیا گیا ہے۔ ان حضرات کا بھی شکریہ! ان تین حضرات کو کہانی میں سس پنس نظر نہیں آیا۔ لہذا میں نے سوچا ہے کہ اب انہیں تلوار کی دھار پر چل کر دکھاؤں گا۔

ایک صاحب نے کالی کہکشاں پڑھ کر مشورہ دیا تھا کہ آموں کی آڑھت کر لوں۔ سو ادور روپے کی کتاب میں تو اتنے نخرے کرتے ہیں دس بارہ روپے سیر آم کیا خریدیں گے، آپ مجھ سے اور پھر اگر کسی آم میں ایک آدھ ریشہ نکل آیا تو گٹھلی لے کر دوڑے آئیں گے، ویسے بھائی مصنف بن جانا سب سے زیادہ آسان کام ہے اس لئے مجھے ”آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام“ کے چکر میں نہ ڈالئے۔ یہ محاورہ ہی سرے سے غلط ہے۔ گٹھلیوں کے دام نہیں لگتے۔ البتہ کتابیں ردی کے بھاؤ بھی بک جایا کرتی ہیں۔ آم فروشی کے لئے ٹھیلہ سجانا پڑتا ہے۔ پھیری لگانی پڑتی ہے۔ کتاب لکھنے میں کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، بس کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئے.... کاتب نے کتابت کی مشینوں نے چھاپ دیا۔ دفتری خانے میں جلد بندی ہوئی اور وہیں سے کتب فروش اٹھالے گئے۔ مصنف ایک کنارے بیٹھا رہا۔ بیٹھے بیٹھے تھکا تو لیٹ گیا۔ ایسے میں نیند آگئی تو خواب میں دیکھتا ہے کہ مغز ناک کے راستے بہا جا رہا ہے.... اور پڑھنے والے کہہ رہے ہیں کیسا

کہ لاش دوبارہ کیسے فراہم کی جائے۔“ رحمان صاحب بُرا سامنہ بنا کر بولے تھے۔
”یہی سمجھ لو“ سر سلطان کے لہجے میں بیزاری تھی۔

”آج ہی کے اخبارات میں لاش کے چہرے کا خاکہ بلیک اینڈ وائٹ میں شائع ہوا ہے اور غالباً سفارت خانے ہی کی طرف سے شائع کرایا گیا ہے۔ اس شبے کے ساتھ کہ وہ لاش وانگ لین کی بھی ہو سکتی ہے۔!“



”پرانی بات ہوئی۔“ سر سلطان نے کہا۔

”میں آج کی اشاعت کی بات کر رہا ہوں۔“ رحمان صاحب کسی قدر جھنجھلا کر بولے۔
”خاکہ کل کی اشاعت میں بھی آسکتا تھا، لاش غائب ہو جانے کے بعد کیوں شائع کرایا گیا۔
کل شام تک لاش تجربہ گاہ میں دیکھی گئی تھی۔ رات کو کسی وقت غائب ہو گئی۔“
”یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔!“

”پرانی بات میں نے اس لئے کہی تھی مسٹر رحمان کہ وہ خاکہ میرے پاس بہت دنوں پہلے آیا تھا۔ لاش کی تصویر شائع ہونے کے دوسرے دن کی بات ہے اور وہ خاکہ سفارت خانے کی طرف سے ہی بھجوا گیا تھا۔!“

”میں نہیں سمجھا۔“

”سامنے کی بات ہے مسٹر رحمان.... جب تک لاش تجربہ گاہ میں موجود رہی خاکہ نہیں شائع کرایا گیا جبکہ لاش کی تصویر شائع ہونے کے دوسرے ہی دن تیار کر لیا گیا تھا۔!“

”تو کیا اب ہم سفارت خانے کو یقین نہیں دلا سکتے کہ وہ وانگ لین کی لاش نہیں تھی۔!“
”ہاں....! وہ خاکہ اب اسی لئے شائع کرایا گیا ہے کہ ہم بھی اسے وانگ لین ہی کی لاش تسلیم کر لیں.... سرکاری طور پر۔!“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے تھے۔

”بنیادی سوال یہ ہے کہ آخر سفارت خانہ اسے وانگ لین کی لاش تسلیم کرا لینے پر کیوں مصر ہے“ سر سلطان بولے۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو۔!“ رحمان صاحب سر ہلا کر بولے۔

”اگر ہم خاموشی سے اسے وانگ لین کی لاش تسلیم کر لیں تب بھی لاش کی واپسی کا مطالبہ

امور خارجہ کے سیکرٹری کے دفتر میں ایک اہم ترین میٹنگ طلب کی گئی تھی۔ اس میں محکمہ داخلہ کے آفیسرز بھی شریک تھے جنکی سربراہی سی آئی ڈی کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر رحمان کر رہے تھے۔ مسئلہ درپیش تھا کہ آخر اس دھاری دار لاش کا کیا کیا جائے۔ یہ بات تو ثابت ہو چکی تھی کہ وہ وانگ لین کی لاش نہیں تھی۔ سر سلطان نے عمران کے مشورے کے مطابق وانگ لین کی انگلیوں کے نشانات ہانگ کانگ سے براہ راست حاصل کر لئے تھے اور یہ نشانات لاش کی انگلیوں کے نشانات سے قطعی مطابقت نہیں رکھتے تھے۔

”سفارت خانہ لاش کا مطالبہ کر رہا ہے۔“ سر سلطان نے کہا۔

”اب جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ وانگ لین کی لاش نہیں ہے۔! مطالبہ کیسے پورا کیا جاسکتا ہے۔“ رحمان صاحب بولے۔

”اس کے علاوہ بھی ایک بات ہے۔!“ سر سلطان نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔

”وہ کیا....!“

”مطالبہ کسی طرح پورا ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وہ وانگ لین ہی کی لاش ہوتی تب بھی نہیں۔!“
متعدد سوالیہ نظریں سر سلطان کی طرف اٹھی تھیں۔

”مطالبہ اس لئے نہیں پورا کیا جاسکتا کہ وہ لاش سائنٹیفک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی تجربہ گاہ سے غائب ہو گئی ہے۔!“

”نہیں۔“ بیک وقت کئی زبانوں سے نکلا تھا۔

”یہ حقیقت ہے... تجربہ گاہ کے چاروں محافظ زیر حراست ہیں اور انچارج کو معطل کر دیا گیا ہے۔“
”تو یہ میٹنگ اس لئے نہیں طلب کی گئی کہ لاش کا مسئلہ حل کیا جائے، بلکہ اصل مسئلہ یہ؟“

نظروں سے رحمان صاحب کی طرف دیکھا تھا۔

”ریٹائرنگ روم میں چلو۔“ رحمان صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

وہ دونوں ریٹائرنگ روم میں آئے تھے اور رحمان صاحب نے بلا تامل سوال کیا تھا۔ ”فتح محمد کی تصویر کس نے شائع کرائی تھی۔“

”سوری.... ٹاپ سیکرٹ....!“ سر سلطان مسکرائے تھے۔

”فیاض کا خیال ہے کہ وہ عمران ہی کی حرکت تھی۔!“

”میری طرف سے کوئی تبصرہ نہیں سنو گے۔!“

”کیا فتح محمد خان کی لاش ملی ہے۔!“

”پلیز مسٹر رحمان....!“

”صرف ہاں یا نہیں میں جواب چاہتا ہوں۔!“

”نہیں....!“ سر سلطان طویل سانس لے کر بولے۔

”عمران ہے کہاں....!“

”مجھے علم نہیں! خود اس کی تلاش میں ہوں! فیاض کہاں ہے....؟“

”سردار گنڈہ میں.... اور اس کا خیال ہے کہ فتح محمد خان کے جسم پر بھی ویسی ہی دھاریاں بن گئی ہیں اور وہ زندہ ہے۔!“

سر سلطان خاموش رہے....! رحمان صاحب کسی قدر توقف کے ساتھ بولے ”فیاض کا کہنا ہے کہ وہ زندہ عمران کے ہاتھ لگا ہے۔!“

”ہو سکتا ہے! جب تک عمران سے ملاقات نہ ہو یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔!“

”آخر ساراوان کے جنگل میں کیا ہو رہا ہے....؟“

”خدا جانے.... لیکن تم یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ میں نے اسے ساراوان کے جنگل میں بھیج دیا ہے۔!“

”مجھے صرف ایک بات بتادو کہ فتح محمد کہاں ہاتھ لگا تھا۔!“

”ہینک شہر میں....!“

”اور اسی ہیئت کڈائی میں کہ شاخت کے لئے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویر شائع کرانی پڑی تھی۔!“

”یہی سمجھ لو....!“

برقرار رہے گا! حالانکہ مجھے یقین ہے کہ اب اس کی لاش کی راکھ بھی نہ مل سکے گی۔ انہوں نے اسے فوراً ہی ضائع کر دیا ہو گا۔!“

”تو پھر اب کیا کیا جائے....؟“

”سمجھ میں نہیں آتا.... اسی لئے یہ میٹنگ کال کی گئی ہے۔“

”اس کا کیا خیال ہے جسے تم نے بگاڑا ہے۔“ رحمان صاحب نے سر سلطان کی طرف جھک کر آہستہ سے پوچھا تھا۔

”میرے بگاڑے ہوئے کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو۔“ سر سلطان نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

”بہر حال اس کی بھی رائے ہوتی ہے۔“

”اس کا خیال ہے کہ اس معاملے سے متعلق محکمہ خارجہ کو آج ہی کسی بڑے اخبار کا ایک ضمیمہ شائع کرانا چاہئے جس میں لاش اور وانگ لین کے فنگر پرنٹس چھاپے جائیں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ وانگ لین کی لاش نہیں ہے ساتھ ہی وانگ لین کی مکمل ہسٹری بھی ہو اور سب سے زیادہ زور اس پر دیا جائے کہ سفارت خانے نے وانگ لین کے فنگر پرنٹس نہیا کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے یہ فنگر پرنٹس براہ راست ہانگ کانگ پولیس سے حاصل کئے گئے ہیں۔ آخر میں سوال کیا جائے کہ آخر سفارت خانہ اسے وانگ لین کی لاش کیوں تسلیم کرانا چاہتا ہے....؟“

”اپنی حکومت کی پوزیشن صاف کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہ ہو گا۔“ مسٹر رحمان سر ہلا کر بولے۔

”میرا بگاڑا ہوا ہے نا.... میاں تمہاری آمدنی سے کئی گناہ زیادہ آمدنی ہے اس کی، چاہے تو انتہائی دولت مند آدمیوں کی سی زندگی بسر کر سکتا ہے۔“

”اوہ.... کام کی بات کرو....!“ رحمان صاحب سنبھالا لے کر بولے ”اس تجویز کو دوسروں کے سامنے بھی رکھو تاکہ اتفاق رائے سے اس پر عمل کیا جاسکے.... معاملہ سیریس ہے اور پھر اس کے بعد تم سے علیحدگی میں بھی کچھ گفتگو کرنی ہے۔“

سر سلطان نے انہیں ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ”ٹھیک ہے.... تم ہی اپنی طرف سے پیش کرو یہ تجویز....!“

تجویز پیش ہوئی تھی اور سبھی اس پر متفق ہو گئے تھے۔ اس کے بعد سر سلطان نے سوالیہ

”وہ کہاں ہے....!“

”جب تک وانگ لین کا مسئلہ درپیش ہے یہ ہر اعتبار سے میرے ٹھکے کا کیس ہے۔ لہذا تمہیں فی الحال اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔“

”اچھی بات ہے“ رحمان صاحب طویل سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے۔



فیاض بستر پر پڑا بُری طرح ہانپ رہا تھا.... اس نے صرف نیکر پہن رکھی تھی۔ جسم پر بنیان بھی نہیں تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا اور ان رنگین دھاریوں کو دیکھے جارہا تھا جو اس کے سینے سے پیٹ تک پھیلی ہوئی تھیں.... کبھی اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے ان کی رنگت ہلکی پڑ گئی ہو اور کبھی ایسا لگتا جیسے وہ پہلے سے زیادہ شوخ ہو گئیں ہوں۔ دوڑتے دوڑتے بُرا حال ہو گیا تھا.... ویرانوں کی طرف نکل جاتا اور دوڑتا رہتا۔ ہوٹل واپس آتا تو تھوڑے تھوڑے وقفے سے کمرے میں دوڑنے لگتا۔ اپنے انجینئر دوست کو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا! لیکن اس نے اسکے رویے میں نمایاں تبدیلی محسوس کی تھی اور اس سے متعلق استفسار بھی کیا تھا۔ مگر فیاض اسے کیا بتاتا۔ ویسے اس کی کوشش یہی تھی کہ اب وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ سردار گڈھ ہی سے چلا جائے۔

کئی بار عمران سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکا تھا! لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پھر رحمان صاحب سے درخواست کی تھی کہ اسے تلاش کرائیں اور انہیں بتانا ہی پڑا کہ اسے عمران کی تلاش کیوں ہے؟

دفعۃً وہ اچھل پڑا.... جیسے کوئی اہم بات یاد آئی ہو! جلدی جلدی کپڑے پہنے تھے اور باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

اسے اپنی اس وقت کی غائب دماغی پر رہ رہ کر غصہ بھی آرہا تھا۔ جب وہ اس سے اسکا نام تک نہیں پوچھ سکا تھا۔ کیا سوچتی ہوگی اسکے بارے میں... بہر حال اب اس کی بھی تلافی ہو جائے گی اور شاید وہی اسکی پریشانیوں کا کوئی حل بھی تلاش کر سکے۔ پُر اسرار قوتوں کی حامل معلوم ہوتی ہے۔ گاڑی اسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ ہاں وہی عمارت تھی۔ اسے یاد آگیا پورچ کے قریب لان پر کیوبڈ کابٹ نصب تھا۔

گاڑی پورچ میں رُک گئی.... اور ایک باوردی ملازم اس کی طرف بڑھا۔

”تمہاری مالکہ سے ملنا ہے....!“ فیاض نے کہا۔

”آپ کا.... کارڈ جناب....!“

”بس اتنا کہہ دو.... وہی مریض ہے جو انہیں کہیں بیہوش پڑا ملا تھا۔“

اس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”انہی الفاظ میں انہیں اطلاع دو۔ ورنہ تم پر اُن کا عتاب نازل ہوگا۔“

کہنے کا انداز ایسا ہی تھا کہ وہ بے چوں و چرا اندر چلا گیا۔ ذرا دیر بعد واپسی ہوئی تھی اور اس نے بڑے ادب سے اندر چلنے کو کہا تھا۔

فیاض کو اسنڈی میں بٹھا کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی اور فیاض چونک کر مڑا۔ وہ دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ فیاض اٹھ گیا۔

”خوش آمدید۔“ کہہ کر وہ آگے بڑھی اور قریب پہنچ کر بولی ”تشریف رکھئے نا۔“

”میں دراصل اپنے ایک نامناسب رویے کی معافی مانگنے حاضر ہوا ہوں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“ اس نے حیرت سے کہا۔

فیاض بیٹھتا ہوا بولا ”میں اتنا زورس تھا کہ آپ سے آپ کا نام تک نہیں پوچھ سکا۔“

”اوہ....“ اس کا کھٹکتا ہوا سا ہتھکڑہ کرے میں گونجا تھا۔

”جب تک آپ مجھے میری اس بد اخلاقی پر معاف نہیں کر دیں گی مجھے سکون نہیں ہوگا۔“

”ارے چھوڑ دیجئے۔ وہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔“

”اور میں آپ کی مہربانیوں کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”خواہ مخواہ شرمندہ نہ کیجئے۔ وہ تو میرا فرض تھا۔“

”لیکن اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کروں۔“

”کس سلسلے میں....؟“

”میرا وہ دوست بھی غائب ہو گیا ہے جسکے سلسلے میں آپ نے مجھے خطرات سے آگاہ کیا تھا۔“

”اس کا غائب ہو جانا تو آپ کے لئے بہتر ہی ہوگا۔ نہ اس سے آپ کا رابطہ رہے گا اور نہ

آپ کسی پریشانی میں پڑیں گے۔“

”لیکن حالات اس سے مختلف ہیں۔“

”اور مجھے یقین ہے کہ آپ ہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکیں گی۔“
”وہ کس طرح....؟“

”یہ تو میں بھی نہیں جانتا....! بس اس یقین کو میری چھٹی حس کی پیداوار سمجھ لیجئے۔!“
”میں فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکوں گی۔ ابھی تو مجھے حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے دیجئے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”ارے جناب! کیا یہ کوئی معمولی بات ہے! میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ یہ کوئی انسانی کارنامہ ہوگا۔!“

”پہلے خود مجھے بھی یقین نہیں تھا۔ لیکن آپ میرے جسم پر دھاریاں دیکھ چکی ہیں۔“
”مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔“
”چچ! ایسا ہی لگ رہا تھا۔ جیسی جاگتی دنیا سے اس کا رابطہ ٹوٹ گیا ہو۔“
”اب بتائیے....! میں کیا کروں؟“ فیاض کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔“

”اچھی بات ہے تو پھر مجھے اجازت دیجئے۔!“ فیاض اٹھ جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہوا بولا۔
”نہیں....! ابھی بیٹھے....!“ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا ”میں ابھی سوچ رہی ہوں، ہو سکتا ہے کچھ کری سکوں.... لیکن سنئے.... اگر وہ دوسرا دھادی دار آدمی آپ کے دوست کے قبضے میں ہے تو کیا وہ اسے آپ کے حوالے کر دے گا۔!“
”اے ایسا کرنا ہی پڑے گا۔“

”کیا وہ بھی کسی سرکاری محکمے سے تعلق رکھتا ہے۔“
”قطعاً نہیں.... بس.... غالباً میں نے آپ کو پچھلی ہی ملاقات پر بتایا تھا کہ وہ ایک جنگر ہے۔ ہاتھ کی صفائی دکھا کر پیٹ پالتا ہے۔“

”اگر ایسی بات ہے تو وہ اسے ہرگز واپس نہیں کرے گا۔ کسی دوسرے ملک میں اس کے لاکھوں کا سکا ہے۔“

”میں بھی اس خدشے میں مبتلا ہوں۔“

”اگر وہ ایک بار بھی میرے سامنے آجائے تو اسے آپ کی بات ماننی ہی پڑے گی۔“ عورت

”میں نہیں سمجھی۔!“

”میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا، لیکن آپ وعدہ کیجئے کہ اسے جھوٹ نہیں سمجھیں گی۔!“
”سوال تو یہ ہے کہ آپ جھوٹ بولنے ہی کیوں لگے....!“
”وہ واقعہ ایسا ہے کہ کوئی یقین نہ کرے گا۔!“

”آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولی ”جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہے مجھ میں۔“

فیاض نے انک انک کر اپنی کہانی دہرائی تھی.... اور وہ آخر کار ہنس کر بولی تھی۔ ”میں نے اس وقت آپ کو ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ورنہ ستارے یہی کہہ رہے تھے کہ آپ خود بخود بیہوش نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کو بیہوش ہو جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔!“

فیاض نے تشکر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔
”کیا آپ مجھے وہ دھاریاں دکھا سکیں گے“ اس نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا تھا۔
”ضرور.... ضرور اگر بد تمیزی نہ تصور کریں۔“

”بے تکلفی سے قمیض اتار دیجئے۔“ اس نے کہا۔ لہجہ کچھ ایسا ہی تھا کہ فیاض کی سانسیں پھولنے لگیں۔ بدقت اس نے قمیض اتاری تھی۔

پھر وہ اس قدر بھکی تھی کہ فیاض اس کی گرم گرم سانسیں اپنے سینے پر محسوس کرنے لگا تھا۔
اس نے اُن دھاریوں کو چھو کر بھی دیکھا تھا اور پیچھے ہٹی ہوئی بولی تھی۔
”حیرت انگیز۔“

فیاض نے قمیض دوبارہ پہن لی۔
وہ اپنی جگہ پر جا بیٹھی تھی اور اس طرح خلا میں گھورے جا رہی تھی جیسے کسی غیر مرئی شے کو دیکھ لینے کی کوشش کر رہی ہو۔!

تھوڑی دیر بعد چونک کر بولی ”تو پھر آپ اس ہدایت پر عمل کر رہے ہیں۔“
”جی ہاں.... دوڑتے دوڑتے مرا جا رہا ہوں لیکن ابھی تک تو ان دھاریوں کے مٹ جانے کے آثار نظر نہیں آئے۔“

”آپ چچ! بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔“

”مجھے اس کا بھی ہوش نہیں“ فیاض نے کہا۔

”اچھی بات ہے تو پہلے میں آپ کو اپنا نام بتا دوں! لوگ مجھے روزانی مہندس کہتے ہیں۔ ماں جرمین تھی اور باپ عرب وہ بڑے پائے کے ریاضی دان تھے۔“
 ”ذکاوت اور ذہانت آپ کو ورثے میں ملی ہے۔“ فیاض اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔
 پھر وہ کسی قسم کا حساب کرنے میں مشغول ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولی۔
 ”فیاض صاحب! آپ ہوٹل میں رہنا ترک کر دیں.... دوسری بات.... یہ دھاریاں اسی تدبیر سے مٹ سکیں گی جو ان نامعلوم لوگوں کی طرف سے بتائی گئی ہے۔ تیسری بات ان حالات کا علم کسی تیسرے فرد کو نہ ہونے پائے.... مناسب یہی ہو گا کہ آپ فی الحال اپنی ملازمت سے بھی رخصت حاصل کر لیں!“

”رخصت پر تو ہوں۔ چھٹیاں ہی گزارنے کے لئے ادھر آیا تھا اور سارا وان کے جنگلوں میں شکار کا بھی پروگرام تھا۔ بہر حال ان خصوصی حالات کا علم آپ کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ ظاہر ہے کسی کو کیسے بتا سکتا ہوں کہ ویسی ہی دھاریاں میرے جسم پر بھی موجود ہیں۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور پھر کچھ لکھنے لگی تھی۔
 تھوڑی دیر بعد سر اٹھائے بغیر بڑبڑائی ”مغرب کی طرف.... کھجور کا ایک درخت بھی ہے۔ شیر کا مجسمہ بھی.... لہلہاتی ہوئی سرخی.... خداوند!....!“

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ فیاض اسے خیرت سے دیکھے جا رہا تھا، لیکن کچھ بولا نہیں۔
 تھوڑی دیر بعد روزانی نے سر اٹھایا تھا اور اسے خواب ناک آنکھوں سے دیکھنے لگی۔
 فیاض کا دل بہت زور سے دھڑکا اور بند ہوتا ہوا سانس محسوس ہونے لگا۔
 ”میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔ نیٹ لوں گی ان سبھوں سے بالکل فکر نہ کیجئے۔“
 فیاض نے جواب میں کچھ کہنا چاہا.... ہونٹ ہلے تھے لیکن آواز نہ نکلی.... اس کی آنکھیں.... خدا کی پناہ.... عجیب سا نشہ فیاض کے ذہن میں منتقل کر رہی تھیں اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی آواز کہیں بہت دور سے آرہی ہو۔

”ہوٹل چھوڑ دیجئے۔“

”جی بہت بہتر....!“

نے یقین آمیز لہجے میں کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔“ فیاض نے کہا ”آپ بڑا سراور قوتوں کی مالک ہیں!“

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ وہ ہنس کر بولی۔

”یقین کیجئے.... میں نے یہی محسوس کیا ہے۔“

”لیکن اب دوسری بات“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی ”دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ! بیہوش کر کے سڑک کے کنارے ڈال دیا تھا۔ ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا آپ! دھاری دار آدمی کو ان کے حوالے کر دیں گے۔؟“

”میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”وہ بھی آپ کا دوست ہی تو ہے۔“

”خدا میری مدد کرے.... صحیح راستہ دکھائے۔“

”لیکن ان دھاریوں کو کیا کروں جو میرے جسم پر ہیں۔ اگر یہ آگے بھی بڑھ گئیں تو کیا ہو گا!“

”ہاں.... یہ اہم ترین سوال ہے۔“

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے تھے۔ پھر فیاض نے کہا تھا ”کیا ان لوگوں کی تلاش شروع کروں!“

”میرا خیال ہے کہ یہ ممکن نہ ہو گا۔“

”ظاہر ہے تبھی تو شیر ہو رہے ہیں“ فیاض طویل سانس لے کر بولا تھا۔

”ان لوگوں نے پھر آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی....؟“

”ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ دھاریوں کو مٹا دینے والی تدبیر پر عمل کرنا موقع دینا چاہتے ہیں!“

”آخر کہاں تک دوڑوں گا۔ اس کے لئے ویرانوں کی راہ لینی پڑتی ہے۔“

”واقعی آپ بڑی مشکل میں ہیں۔“ وہ کاغذ اور پنسل سنبھالتی ہوئی بولی۔

”ذرا اپنا اور اپنی والدہ کا نام تو بتائیے۔ میں دیکھوں گی کہ آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں!“

”میرا نام فیاض ہے اور والدہ مرحومہ افسر جہاں بیگم کہلاتی تھیں۔“

اس نے پیڑ پر دونوں نام لکھے تھے۔ اور سر اٹھا کر بولی تھی ”بد اخلاقی تو مجھ سے بھی“

ہوئی تھی جناب! پہلی ملاقات پر میں نے کب آپ سے آپ کا نام پوچھا تھا۔“

”اگر آپ چاہیں.... تو یہاں میرے ساتھ بھی رہ سکتے ہیں۔“

”بہت بہت.... شکریہ.... آج ہی ہو ٹل چھوڑ دوں گا۔“

”میں نے سمت کا پتہ لگالیا ہے۔ ان کی قیام گاہ کی کچھ نشانیاں بھی سامنے آئی ہیں آپ سمجھ رہے ہیں نا۔“

”جی میں نہیں سمجھا۔“

”میں ان لوگوں کی بات کر رہی ہوں جنہوں نے آپ کو پکڑا تھا.... وہ یہاں سے مغرب کی جانب رہتے ہیں۔ کھجور کا ایک درخت بھی دکھائی دیا ہے.... اور ایک شیر جو غالباً مجسمہ ہو گا اور لہریں.... لیتا ہوا سرخ رنگ۔“

”لہریں لیتا ہوا سرخ رنگ....!“ فیاض نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں، سرخ پھولوں کی کیاریاں بھی ہو سکتی ہیں۔!“

”تو پھر میں تلاش کروں۔!“

”ابھی نہیں.... پہلے ہو ٹل کی سکونت ترک کیجئے! تاکہ وہ دوبارہ آپ پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔“

”بہت بہتر۔!“

”اور یہاں ان کا تصور تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ادھر کا رخ کیا اور فنا ہو گئے۔“

”آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔!“

”میں کوئی بڑا نیک کام نہیں کر رہی ہوں.... مسٹر فیاض....!“ وہ مسکرا کر بولی تھی ”اور نہ

اسے آپ پر احسان سمجھتی ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”مجھے اپنی دوسری صلاحیتوں کو بھی آزمانے کا موقع نصیب ہو گیا ہے۔“

”آپ کچھ بھی کہیں میں تو احسان ہی سمجھوں گا۔“

”آپ کی مرضی.... تو پھر آپ یہاں رہنے کے لئے کب آرہے ہیں۔“

”ابھی اور اسی وقت۔!“

”آپ کے ساتھ اور کون ہے....؟“

”میرا ایک دوست جو شکار والی پارٹی میں شامل تھا۔“

”اس سے آپ کیا کہیں گے۔“

”اے معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ میں کب کہاں چلا گیا۔“

”یہی مناسب ہو گا.... کسی تیسرے کو اس کا علم ہو جانا آپ کے حق میں بہتر نہ ہو گا

ستارے یہی کہہ رہے ہیں۔“

فیاض اجازت طلب کر کے اٹھ گیا تھا۔



سر سلطان کو دھاری دار آدمی کی درندگی کا علم ہوا تھا تو ششدر رہ گئے تھے۔ یہ بات صرف انہی کی ذات کے لئے سائیکو مینشن کی حدود سے باہر نکلی تھی۔

ادھر وہ آدمی پھر پہلے ہی کی طرح پر سکون اور دوسروں کا تابعدار ہو گیا تھا۔ جو کہا جاتا وہی کرتا۔ لیکن عمران اب اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ ایسے انتظامات کر لئے تھے کہ وہ کسی دوسرے کو گزند نہ پہنچا سکے۔ ویسے اس کی بدلتی ہوئی ذہنی کیفیت سے متعلق چھان بین بھی کئی ماہرین نے کی تھی۔ لیکن کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔

عمران نے سر سلطان کو فون پر اس کے سلسلے میں اطمینان دلانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اس سے ملاقات پر مصر رہے تھے۔

”میں نے روز روشن میں اپنی جگہ چھوڑی اور مارا گیا۔“ عمران نے انہیں آگاہ کیا۔

دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی ”اندھیرے ہی میں سہی۔“

”یہ کون ہے....؟“ سر سلطان غرائے۔

”یہی سوال میں کرنے والا تھا۔!“ عمران بڑے ادب سے بولا۔

”تم دونوں بیوقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔“ عورت کی آواز آئی۔

”یہ کیا ہو دگی ہے!“ سر سلطان دھاڑے۔

”آپ براہ کرم ریسیور رکھ دیجئے۔“ عمران نے کہا ”میں ذرا ان سے بات کر لوں۔ شاید یہ پتیل کے درخت والی ہیں۔“

”تم خود بھٹنے!“ عورت کی آواز آئی۔ ساتھ ہی ریسیور رکھنے کی بھی آواز آئی تھی شاید سر سلطان نے عمران کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

سر سلطان کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ ریسور کان سے لگایا تو دو عورتوں کی گفتگو سنائی دی۔ اور سر سلطان بھی ”ہیلو... ہیلو“ کر رہے تھے۔
اس نے ریسور کریڈل پر پٹخ دیا اور اس طرح چھت کو تھکنے لگا جیسے قہر خداوندی کو دنیا کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہو۔

”کیا کوئی گڑ بڑ ہے باس“ عقب سے جوزف کی آواز آئی۔
”کوئی“ عمران نے حیرت سے کہا ”ارے سبھی کچھ گڑ بڑ ہے۔“
”فون پر کوئی بُری خبر ملی ہے کیا۔“
”دفع ہو جاؤ۔ کیوں میرے سر پر سوار ہو۔“
”سلیمان بہت بور کر رہا ہے۔“
”اب کیا ہے۔“

”مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اب تم اپنے کھانے پینے کا اور کہیں انتظام کر لو۔“
”تو پھر تو نے کیا کہا۔“
”میں کیا کہتا باس! سُن کر چپ ہو رہا تھا۔“
”مجھ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”پھر کس سے کہوں۔ شادی کے بعد بے حد چڑچڑا ہوا گیا ہے۔“
”ایک اور کراہوں کیا“ عمران نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

جوزف کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے بُرا سا منہ بنا کر ریسور اٹھایا تھا۔
دوسری طرف سے ایک انجانی سی آواز آئی تھی۔ کسی نے اس کا نام لے کر دریافت کیا تھا کہ وہ فلیٹ میں موجود ہے یا نہیں۔

”عمران ہی بول رہا ہے۔“ اس نے کہا۔
”کیوں شامت آئی ہے۔!“

”آیا ہی کرتی ہے۔ تم اپنا مدعا بیان کرو۔“
”دھاری دار آدمی کو زیادہ دیر تک اپنے قبضے میں نہ رکھ سکو گے۔ وہ اتنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ تمہیں اسے گولی مار دینی پڑے۔“

”اب تم بھی ریسور رکھ دو!“ عورت کی آواز پھر آئی ”تاکہ میں خالہ جان سے بات کر سکوں“
”یہاں کوئی خالہ جان نہیں ہیں۔“

”تم ریسور رکھ دو نا.... پھر لائن مل جائے گی.... بڑی دیر سے ٹرائی کر رہی ہوں، مگر صرف تمہی دونوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔“

”میں تو نہیں رکھوں گا ریسور۔“

”بڑے کمینے معلوم ہوتے ہو....!“

”ہاں یہی بات ہے۔ اچھا تو پھر۔“

”ریسور رکھ دو نا۔“

”اچھی بات ہے!“ عمران نے ریسور رکھ دیا۔ لیکن فوراً ہی گھنٹی بجی تھی۔ عمران نے ریسور اٹھالیا۔
”ہیلو....!“

”ارے تو پھر تم ہی ہو۔“ وہی آواز آئی۔

”نہیں اس بار میں خود کو خالہ جان ہی محسوس کر رہا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”یہ لوگ لائنوں پر لائنیں بچھاتے چلے جا رہے ہیں لیکن کنٹرول کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔“

”تو پھر اب میں کیا کروں۔“

”آج شام کو کینے قیقاز میں ملو....“

”بڑے ذلیل معلوم ہوتے ہو۔“

”خدا کرے تمہاری خالہ جان مر جائیں۔ ٹیلی فون ایکس چینج کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔“

”تم خود مر جاؤ۔“

”اس کے باوجود بھی یہ لوگ اپنے دوستوں کی طویل فاصلے والی کالیں تمہارے میٹر سے اٹا کر کے تمہارے ٹیلی فون کا بل بڑھاتے رہیں گے۔“

”آخر یہ کیا بکواس ہے۔“

”بکواس نہیں سننا چاہتیں تو ریسور رکھ دو اور خالہ جان سے بروڈ قیامت ملاقات کر لیتا۔“

”خدا غارت کرے تمہیں۔“

اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز آئی تھی۔ کچھ دیر انتظار کر کے عمران نے دوا

”اس تجربے سے گزر چکا ہوں.... لیکن میں تم سے ہر گز نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو۔“
”کس تجربے سے گزر چکے ہو۔“

”وہ ایک بار بے حد خطرناک ہو کر پھر پُر سکون ہو چکا ہے۔“
”تفصیل سے بتاؤ۔“ دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ پر اشتیاق تھا۔
”مفت میں تمہاری معلومات میں اضافہ نہیں کروں گا۔“
”آخر چاہتے کیا ہو؟“

”پانچ لاکھ روپوں میں معاملہ طے ہو سکتا ہے۔“
”کسی اور کو یہ وقف بنانے کی کوشش کرنا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بلیک میل نہیں۔“
”ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ میں اپنی محبوبہ کی والدہ کو سوئٹزر لینڈ لے جا کر اُس کا علاج کرانا چاہتا ہوں۔“

”کبھی تمہارے باپ کو بھی محبوبہ نصیب ہوئی تھی۔“
”پوچھ کر یہ بھی بتا سکتا ہوں۔“

”عمران ہوش میں آ جاؤ.... ورنہ تمہارے خاندان والے بھی پچھتائیں گے۔“
”وہ تو میری پیدائش کے بعد ہی سے پچھتاتے چلے آ رہے ہیں۔“
”تمہیں صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اسے ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ پورا عمارت بم سے اڑا دی جائے گی اور بے شمار خون تمہاری گردن پر ہوں گے۔“

”سوال تو یہ ہے کہ حواگی کی کیا صورت ہوگی۔“

”وہ بھی بتا دی جائے گی اگر تم آمدگی ظاہر کرو۔“

”آمدگی ظاہر کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔“

”یہی بات اُلٹ کر بھی کہی جاسکتی ہے۔ لیکن میں نے وہ سوال سنجیدگی سے کیا تھا۔ کیونکہ بے شمار خون اپنی گردن پر نہیں لینا چاہتا۔ کیا اسے داراب ہاؤس ہی پہنچانا ہے۔“

”داراب ہاؤس کیوں....؟“

”اسے وہیں تو لے جایا جا رہا تھا۔“

”داراب ہاؤس کے سرونٹس کوارٹرز میں.... داراب ہاؤس کے مالک کو اس سے کوئی سروکار نہیں.... لیکن اب ہمارا وہ آدمی سرونٹس کوارٹرز میں نہیں ہے۔ اُس دھماکے کے بعد سے اس نے وہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ اور شاید اس دھماکے کے ذمہ دار بھی تمہی تھے۔“
”ان باتوں کو چھوڑ کر معاملے کی بات کرو۔“ عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔
”جہاں کہا جائے اُسے پہنچا دو۔“
”ارے نام بھی تو لو جگہ کا۔“

”نام بھی بتا دیا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے میری ایک بات سنجیدگی سے سن لو.... تم چاہے اپنے ساتھ سادہ لباس میں پوری ٹائلیں لے کر آؤ۔ ہو گا وہی جو ہم چاہیں گے۔“
”میں ایسی حماقت ہر گز نہیں کروں گا۔“
”اور میری کال ٹریس کرنے کے باوجود بھی تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے۔“
”اس ایکس چینج سے کہیں کال ٹریس ہو سکتی ہے۔ احمقانہ خیال ہے۔“

”خیر... تو تم اسے برقعے میں لاؤ گے۔ تم گاڑی ڈرائیو کرو گے اور وہ اس گاڑی میں تہا ہوگا۔“
”لیکن اگر میری واپسی نہ ہوئی تو میں کس سے فریاد کروں گا۔“
”تمہاری واپسی کی پوری پوری ضمانت دی جائے گی۔“

”چلو میں نے یقین کر لیا۔ جگہ بتاؤ۔“

”ابھی نہیں۔ آٹھ بجے شب کو تمہیں مطلع کر دیا جائے گا۔“

”پانچ لاکھ کی کیا رہی۔“

”کیوں بکواس کر رہے ہو۔“

”مفت تو.... ناممکن ہے پیارے۔“

”شائد کچھ تمہاری موت ہی آگئی ہے۔“

”تب تو پھر تمہیں ایک پیسہ بھی نہیں صرف کرنا پڑے گا۔ لیکن میری موت کے بعد تم دھاری دار آدمی کی پرچھائیں تک نہ دیکھ سکو گے۔ وہ جہاں بھی ہے وہیں رہ جائے گا۔ میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ اور اس عمارت کو جب دل چاہے بم سے اڑا بنا سخت نالائق قسم کے لوگ آباد ہیں۔ پچھلے دنوں میرا نکاکٹ گیا تھا تو سب مجھ پر ہنستے تھے۔“

کے آدمی نے دریافت کی تھی لہذا کیس ان کے مجھے کا بن گیا۔“
 ”خیر اسے چھوڑو.... اس دھمکی سے متعلق کیا سوچ رہے ہو۔“
 ”آٹھ بجے والی کال ریسیو کرنے کے بعد بتاؤں گا۔“
 ”بہت محتاط رہنا۔!“

عمران نے کچھ کہے بغیر ریسیور کرڈیل پر رکھ دیا تھا.... اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ بات ایک دھاری دار لاش سے شروع ہوئی تھی۔ وہ وانگ لین کی لاش تھی۔ پھر وہ وانگ لین کی لاش نہیں تھی.... اگر نہیں تھی تو اُسے وانگ لین کی لاش تسلیم کرا لینے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا.... اُدھر اُسی سفارت خانے کے فرسٹ سیکریٹری کی بیوی دوسرے دھاری دار زندہ آدمی کے معاملے میں بھی ملوث نظر آئی ہے۔ اور اُسی عورت نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ وہ وانگ لین کی لاش تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ سفیر ہی اس کھیل کا مرکزی کردار تھا یا فرسٹ سیکریٹری کی بیوی متوہاشی انفرادی طور پر کوئی حرکت کر بیٹھی تھی.... سفیر کے ملوث ہونے کا یہ مطلب ہو تا کہ پورا سفارت خانہ ہی کسی خطرناک سازش کا جال بن رہا ہے۔

عمران کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کئی کہانیاں آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئی ہوں! کہاں وہ سفارت خانہ اور کہاں داراب ہاؤس.... البتہ کا سوفیگ کمپنی جو سائنسی آلات کا بیوپار کرتی تھی کسی حد تک سفارت خانہ سے رابطہ رکھ سکتی تھی۔ کیونکہ جس ملک کا وہ سفارت خانہ تھا۔ وہاں بہت اعلیٰ درجے کے سائنسی آلات تیار کئے جاتے تھے اور وہاں سے آلات امپورٹ کرنے کے سلسلے میں کمپنی سفارت خانے سے بھی رابطہ رکھ سکتی تھی۔ لیکن داراب ہاؤس میں سانپوں کی کھالوں کا تاجر رہتا تھا۔

کچھ دیر پہلے کسی نامعلوم آدمی کی فون کال دھمکی بھی ہو سکتی تھی اور اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سانپوں کے تاجر کو شبہ سے بالاتر قرار دیا جائے۔ اسی لئے دھاری دار آدمی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سرونٹس کو ارنرٹز کا حوالہ دیا گیا تھا۔ یعنی داراب ہاؤس کے کلین کی لاطینی میں اس کا کوئی ملازم کسی سازش میں ملوث ہو گیا تھا اور اب وہ ملازم بھی وہاں نہیں تھا۔

بہر حال شروعات داراب ہاؤس ہی سے ہونی چاہئے اور اس طرح کہ باضابطہ کارروائی معلوم ہو اس کام کے لئے کیپٹن فیاض ہی زیادہ موزوں ثابت ہو تا لیکن اس کا تو کہیں پتہ نہ تھا۔ سردار گلہ کے ہوٹل انٹرنیشنل سے اچانک غائب ہو گیا تھا.... تو پھر اب کیا کیا جائے؟

”جہنم میں جاؤ۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔
 عمران ریسیور کرڈیل پر رکھ کر مڑا۔ جوزف اب بھی وہیں موجود تھا۔
 ”کون ہم سے کس عمارت کو اڑائے گا۔“ اس نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔
 ”ارے تو اب تک یہیں موجود ہے۔“

”پیٹ کا مسئلہ ہے باس....! وہ مجھے کھانا نہیں دے گا تو میں کیا کروں گا۔“
 ”چوہیں گھٹے بعد نہ پیٹ رہے گا اور نہ اس کا کوئی مسئلہ کیونکہ چوہیں گھٹے بعد یہ عمارت ہم سے اڑادی جائے گی۔“
 ”نہیں....!“ جوزف اُچھل پڑا۔

عمران نے ریسیور اٹھایا تھا اور پھر رکھ دیا تھا۔ پتا نہیں کے فون کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔
 ”میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو باس۔“
 ”کچھ بھی نہیں.... بھاگ جاؤ....!“ اس نے کہا۔

جوزف کے چلے جانے کے بعد اُس نے سر سلطان کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا۔

”لائن کلیئر ہے۔“ عمران بولا ”اب فرمائیے۔“

”رحمان صاحب کو تمہاری تلاش ہے۔!“

”لیکن شاید اب لاش ہی ملے۔ کیونکہ چوہیں گھٹے بعد پوری عمارت ہم سے اڑادی جائے گی۔“

”کیا بیک رہے ہو۔!“

”صحیح عرض کر رہا ہوں۔ ابھی ابھی دھمکی ملی ہے۔“ عمران نے کہا کچھ دیر قبل آنے والی کال کے بارے میں تفصیل دہراتا ہوا بولا ”اب دیکھنا ہے کہ رحمان صاحب کیا کر لیتے ہیں۔!“
 ”تم نے الجھن میں ڈال دیا ہے۔“

”تو پھر واپس کر آؤں اُسے۔ شاید آٹھ بجے شب کو پھر اس کی کال آئے گی.... اور ہاں

ڈیڈی کو قطعی نہ بتائیے گا کہ میں فلیٹ میں موجود ہوں۔!“

”مل لینے میں کیا حرج ہے۔!“

”آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ وہ میرے ہی باپ ہیں.... دھاری دار لاش ان کے مجھے

”یہ میں اس وقت وردی میں ہوں اور نہ میری پیشانی پر اسپیشل پولیس لکھا ہوا ہے۔“

”لفظ پولیس میری کمزوری ہے۔ کہیں یہ لفظ لکھا ہوا بھی دیکھتا ہوں تو پیٹ سے ایک گولا اٹھ کر حلق میں جا اکتا ہے.... جاسوسی ناول تک نہیں پڑھ سکتا۔“

”مجھے افسوس ہے جناب۔“ عمران نے بے حد نرم لہجے میں کہا ”اب کچھ کارڈ بین طبلہ نواز کے بھی چھپوار کھوں گا۔“

”دیکھئے جناب ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے آپ کو اپنی فطرت سے آگاہ کیا تھا۔“

”ہمارا شکی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”جو آپ نے طبلہ نواز کہا تھا۔“

”غلط نہیں کہا تھا۔ بن عرفیت اور اچھا خاصا طبلہ بھی بجا لیتا ہوں۔“

”خوب.... خوب.... تب تو آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔“

”آپ کا ملازم کتنا بُرا تھا۔“

”بس چار ماہ سمجھ لیجئے.... جی ہاں چار ماہ پہلے آیا تھا۔“

”حلقے کے تھانے میں اُس کا رجسٹریشن تو کرایا ہی ہو گا۔“

”جی نہیں.... کون روز روز دوڑتا پھرے.... لوگ آتے ہی جاتے رہتے ہیں۔“

”حالانکہ اصولاً یہ ہونا چاہئے تھا!“

”جناب.... جناب میں نے کب شکوہ کیا ہے تھانے والوں سے۔“

”یہاں اس نے اپنا کیا نام بتایا تھا۔“ عمران نے داؤد کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”سرفراز۔“

”خوب“ عمران سر ہلا کر بولا ”تو وہی معلوم ہوتا ہے۔ اب ذرا اُس کا حلیہ تو بتائیے۔“

”کیوں؟ آپ کو حلیہ تو معلوم ہی ہونا چاہئے۔ ورنہ پھر آپ کس کی تلاش میں آئے ہیں۔“

”آپ میرا مطلب نہیں سمجھتے۔ وہ ناموں کے ساتھ شکلیں بھی بدلتا رہتا ہے، میک اپ کا ماہر ہے۔“

”ہوا کرے.... لیکن نہ اپنے قدم میں تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ جسامت میں۔“

عمران کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے راز دارانہ لہجے میں آہستہ سے پوچھا ”کیا بہت لمبا اور ہلکا تھا۔“

قریباً آدھے گھنٹے کی سوچ بچار کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ خود ہی باضابطہ کارروائی کرنے والے کا بھی سواگت رچائے گا۔

ریڈی میڈ میک اپ ناک پر فٹ کیا تھا اور عقبی زینوں سے گلی میں اُتر گیا تھا۔ ایک ٹیکسی اور واراب ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا۔ خاصی بڑی عمارت تھی۔ ہر ابھر پائیں باغ بھی موجود لیکن پہلی نظر پڑتے ہی عجیب سی دیرانی کا احساس ہوتا تھا۔

پھانک پر ”داؤد سر جن“ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا کارڈ اندر بھجوا دیا۔ اور بلا ہی بلوایا گیا۔ کیونکہ یہ کارڈ اسپیشل پولیس کے کسی انسپکٹر کے نام کا تھا۔

نشست کے کمرے کی سجاوٹ مرعوب کن تھی.... بہت قیمتی سامان آرائش استعمال کیا تھا.... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک دراز قد آدمی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ عمران اٹھ گیا۔

”تشریف رکھئے جناب....! کیسے تکلیف فرمائی۔“ اس نے مصافحہ کے بغیر سوال کیا تھا اور بیٹھ گیا تھا۔ آنکھوں سے غائب دماغی مترشح تھی اور کسی قدر اعصاب زدہ بھی لگتا تھا۔ عمر بچا اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ چارلی چپلن ٹائپ کی سفید مونچھیں تھیں اور چند یا صاف۔

”کیا حال ہی میں آپ کا کوئی ملازم غائب ہو گیا ہے۔“ عمران نے سوال کیا۔ داؤد بُری طرح چونکا تھا اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا تھا ”لیکن میں نے تو رپورٹ نہیں درج کرائی۔“

”یہ آپ کا فعل تھا۔ ہماری بات دوسری ہے۔“ عمران نے کہا۔

”میں نہیں سمجھا جناب....!“

”ہو سکتا ہے آپ کو اپنے نقصان کی پرواہ نہ ہو۔ لیکن وہ کچھ اور لوگوں کو بھی نقصان پہنچا چکا ہے۔“

”تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

”میں نے کب کہا ہے۔“

”پھر بھی اسپیشل پولیس کا اس طرح آنا.... میں دل کا مریض ہوں۔ میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔“

”اُسکے بارے میں پوچھ گچھ کرنی ہے۔ آپ پر تو کوئی الزام نہیں آپ خواہ مخواہ پریشان ہو گئے۔“

”واہ جناب.... دیکھئے والوں نے کیا سمجھا ہو گا۔“

”اب مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب آپ جانتے ہیں.... میں نے بغیر ہڈی آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔“

عمران طویل سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے پوچھا تھا ”کہیں وہ اب بھی تاجر عمارت میں موجود نہیں ہے!“

”جی میں نہیں سمجھا۔“ داؤد چونک پڑا۔

براہ راست یہ سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عمران نے سوچا اور موضوع بدلنے کے لئے بولا ”آپ تو سانپوں کے بے شمار اقسام سے واقف ہوں گے۔“

”کیوں نہیں....! مجھے واقف ہونا ہی چاہئے۔ بچپن ہی سے سانپوں کے چکر میں پڑا ہوں۔“

”خود بھی پکڑتے ہیں سانپ۔“

”شوقیہ.... کبھی کبھی.... ورنہ اب یہ کام تو میرے ملازمین کرتے ہیں۔“

”کبھی کبھی حادثے بھی ہوتے ہوں گے۔“

”کیسے حادثے....؟“

”مطلب یہ کہ پکڑنے والوں کو سانپ ڈس بھی لیتے ہوں گے۔“

”دس بار ڈسیں تب بھی اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میرے فیلڈ ورکر پیشہ ور سپیرے نہ ہونیکے باوجود بھی سانپوں کے زہر سے محفوظ رہتے ہیں۔“

”کمال ہے.... آخر کس طرح!“

”میں نے انہیں زہر پر وف بنا دیا ہے۔ سانپ ہی کا نہیں، کسی قسم کا زہر اُن پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔!“

”حیرت انگیز.... میں پہلی بار ایسی کوئی بات سُن رہا ہوں۔“

”صرف ایک ہفتے میں آپ کو بھی اس قابل بنا سکتا ہوں کہ آپ زندگی بھر کے لئے زہر دل سے محفوظ ہو جائیں۔!“

”کیسے کیسے باکمال لوگ پڑے ہوئے ہیں اس ملک میں.... لیکن انہیں کوئی جانتا تک نہیں۔“ عمران نے اپنے لہجے میں درد پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”یہاں کے پرواہ ہے....!“ داؤد جکڑ کر بولا۔

”واقعی بالکالوں کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔!“

”چلے.... میں آپ کو اپنی تجربہ گاہ دکھاؤں.... لاکھوں روپے صرف کئے ہیں اس پر.... مختلف سانپوں کے کر اس سے نئی نئی اقسام پیدا کی ہیں۔ میری ایکسپورٹ کی ہوئی کھالیں غیر ممالک میں اپنا الگ مقام رکھتی ہیں۔!“

”تب تو مجھے یقین ہے....!“ عمران کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

داؤد اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ عمران نے طویل سانس لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے کسی چیز کا ذائقہ یاد آگیا ہو۔ داؤد کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ کے آثار دکھائی دیئے تھے۔!

”جملہ فور اپورا کر دیا کیجئے“ اُس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”پورا تو کر دوں.... لیکن آپ اُس کا اعتراف نہیں کریں گے۔“

”کیا آپ غیب داں ہیں....!“ داؤد کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

”خیر تو سنئے.... آپ ہر گز اعتراف نہیں کریں گے کہ سرفراز آپ کو کسی معاملے میں بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔“

”نن.... نہیں.... داؤد لرز کر رہ گیا.... اسکے تھکے خطوط دفعتاً ڈھیلے پڑ گئے تھے خوف زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھے جا رہا تھا.... عمران نے بغلی ہولسٹر پر ہاتھ رکھ لیا پھر آہستہ سے بولا ”آپ کو خوف زدہ ہونیکے ضرورت نہیں! میں ہر گز یہ معلوم کرنیکی کوشش نہیں کروں گا کہ وہ کس معاملے میں آپکو بلیک میل کرنیکی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے تو صرف اُسکی ذات سے دلچسپی ہے۔!“

اچانک داؤد زور زور سے چیخنے لگا ”آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔ یہاں کوئی سرفراز نہیں رہتا۔ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ یہاں کبھی کوئی سرفراز ملازم بھی رہا ہے۔“

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا ”میں جا رہا ہوں۔“

”نہیں.... بھتیجے!“ عقب سے آواز آئی ”بڑی مشکل سے پھنسے ہو۔ اب واپسی ناممکن سمجھو۔!“

عمران نے صرف ٹھنڈی سانس لی تھی۔ مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

اور اس طرح چھت کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ آواز اوپر سے آئی ہو.... ہزاروں میں پہچانی جانے والی آواز تھی۔

داؤد آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا تھا۔ سانس پھول رہی تھی۔

”داؤد.....!“ آواز پھر آئی ”اس کے بغلی ہو لستر سے ریو اور نکال لو۔“

”تم خود نکال لو..... میں کسی پولیس والے کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتا۔“ داؤد نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

”بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پولیس والا نہیں میرا بھتیجا ہے۔“

”جی تو میں سوچ رہا تھا کہ پولیس والے بھی اتنے صورت حرام نہیں ہوتے۔ تمہارا ہی کوئی رشتے دار لگ رہا ہے۔“

”بکواس مت کرو..... اٹھو اور ریو اور نکال لو۔“

عمران بیٹھانا لگیں ہلاتا رہا..... اس نے ریو اور نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے داؤد کو اٹھنے دیکھا لیکن خود اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ البتہ جیسے ہی اس نے اس کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ سیدھا بیٹھتا ہوا بولا تھا۔ ”آپ اس چکر میں نہ پڑیے داؤد صاحب بہتر یہی ہو گا کہ آپ یہاں سے چلے جائیے۔“

”تم میرے نشانے پر ہو بھتیجے۔ زیادہ چالاک بننے کی کوشش اندوہناک ثابت ہوگی۔“

”میرا ریو اور جہاں ہے! وہیں رہے گا! تم سے دو دو ہاتھ کرنے میں مجھے ہمیشہ لطف آیا ہے۔“ عمران نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا تھا اور داؤد کو آنکھ ماری تھی۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے۔“ داؤد بھنا کر بولا۔

”آپ یہاں کھڑے ہی کیوں ہیں چلے جائیے!“

”مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں اگر تم واقعی اس کے بھتیجے ہو!“

”تو یہی تمہیں بلیک میل کرتا رہا ہے۔“

”میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا۔“ داؤد نے برا سامنے بنا کر کہا۔

ٹھیک اسی وقت عمران کی گردن میں کوئی باریک سی نوکیلی چیز چھبی تھی اور وہ سسکاری لے کر ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اور پھر بیہوش ہو جانے سے قبل ہی اُسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کسی ڈارٹ گن سے ٹکلا ہوا بیہوشی کا انجکشن تھا۔ وار کر گیا تھا چچا۔



سارجنٹ نیو ایک کھنڈر اسانوجوان تھا۔ اور اس نے تنویر کی جگہ لی تھی۔ تنویر کو فیلڈ ورک سے ہٹا کر آفس جاب دے دیا گیا تھا اور وہ اُس سے مطمئن تھا۔ علامہ دہشت والے کیس میں اُسے جو چٹیں آئی تھیں انہوں نے اُسے دوڑ دھوپ کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔

سارجنٹ نیو انٹر سروسز انٹیلی جنس سے آیا تھا اور جلد ہی اپنے ساتھیوں میں خاصا مقبول ہو گیا تھا۔ ذہین بھی تھا اور بے جگر بھی، آنکھیں بند کر کے احکامات کی تعمیل کرتا تھا۔ اس وقت وہ بھی صفر کے ساتھ تھا۔ جب صفر نے عمران کو داراب ہاؤس میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

داراب ہاؤس کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ ڈیوٹیاں بدلتی رہتی تھیں۔ صفر عمران کے ریڈی میڈ میک اپ سے واقف تھا۔ لیکن سارجنٹ نیو نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا ”کیسے کیسے خبیث صورت لوگ اس عمارت سے وابستہ ہیں۔“

صفر اُس کے ریمارک پر کچھ نہیں بولا تھا۔ بولتا بھی کیا۔ نیو کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔

نیو اپنی پاکٹ بک نکال کر عمران کا حلیہ لکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد صفر سے پوچھا ”ٹیکسی یا سے آیا تھا۔“

”ہاں.... اور ٹیکسی کا نمبر تھا ایکس واکی زیڈ گیارہ سو پچاس ٹیکسی ڈرائیور پٹھان تھا۔ ملیشیا کے ٹلوار سوٹ میں ملبوس۔“

”بڑی بھیانک یادداشت ہے تمہاری۔“

”تمہاری بھی ہونی چاہئے۔“

”میں تو بسا اوقات اپنی محبوبہ کا نام تک بھول جاتا ہوں۔“

”بہتری ہوں تو یہی ہوتا ہے۔“

”ایسی قسمت کہاں.... صرف اٹھائیس بار محبت کرے گا ہوں۔“

”چلو یہی غنیمت ہے کہ تعداد تو یاد رہ گئی۔“

”تم سب لوگ بے حد خشک لوگ ہو۔ میں نے تم میں سے کسی کو بیر تک پیتے نہیں دیکھا۔“

”اے ایسے ہی ہیں!“ صفر نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”ایک وہ کریک ہیں.... مسٹر علی عمران.... جن کے سر پیر ہی کا پتا نہیں.... کبھی احق

ہیں تو کبھی ایسا لگتا ہے جیسے پاگل خانے کے محافظوں کو جل دے کر نکل بھاگے ہوں۔ سمجھ نہیں آتا کہ ہمارا چیف انہیں کس مرض کی دوا سمجھتا ہے۔“

”خواہ مخواہ اپنا منظر کھپا رہے ہو“ صدر ہنس کر بولا ”میاں اپنے کام سے کام رکھو۔“

”لیکن وہ... ہائے...“ نیو سینے پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

”اچھا... کوئی ہائے بھی ہے!“

”جو لیانا... کیا چیز ہے...؟“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم مکمل طور پر تنویر کی جگہ سنبھالنے والے ہو۔!“

”کیا بات ہوئی۔!“

”وہ بھی اُسے ہی سمجھتا رہا ہے۔!“

”اور آپ حضرات کا کیا ایٹمی ٹیوڈ ہے۔!“

”کوئی خاص نہیں... ہم اسے عورت ہی نہیں سمجھتے... جیسے ہم ویسے وہ...!“

”لیکن میں... سینے میں پتھر کا ٹکڑا نہیں رکھتا۔“ نیو نے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

”اوہ...!“ صدر چونک کر گھڑی دیکھتا ہوا بولا ”خاصی دیر ہو گئی وہ ابھی تک باہر نہیں آیا۔“

”کون! کس کی بات کر رہے ہو...؟“

”وہی جو اندر گیا تھا۔!“

”کیا ضروری ہے کہ وہ واپس بھی آئے۔“

”یقیناً کیونکہ اس کا اس عمارت سے کوئی تعلق نہیں۔!“

”اسکے باوجود بھی وہ جتنی دیر چاہے وہاں ٹھہر سکتا ہے۔ ہم اُسکے شیڈول سے تو واقف نہیں ہیں۔“

”خواہ مخواہ بحث مت کرو۔“

”میں نے اب تک یہی محسوس کیا ہے کہ تم لوگ بولنے کے معاملے میں بھی کاہل ہو۔“

”پورے دو گھنٹے۔“ صدر کے لہجے میں تشویش تھی۔

”نیو کچھ نہ بولا۔ سگریٹ سلگانے لگا تھا... صدر کہتا رہا ”کوئی گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔!“

”تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے اُس آدمی کو اچھی طرح جانتے ہو۔“ نیو نے کہا۔

”بھائی وہ اپنا ہی آدمی تھا۔!“

”اوہ... تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا... میں جا رہا ہوں۔“

”کہاں...!“ صدر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”عمارت کے اندر... ایسے اوقات میں احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیتا ہوں۔“

”ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔ ایکس ٹو اسے ہرگز پسند نہیں کرے گا۔“

”کوئی خصوصی ہدایت تو ملی نہیں۔“

”یار بس کہہ دیا کہ یہ ہمارے طریق کار میں شامل نہیں ہے۔“

اتنے میں ایک دین جو چاروں طرف سے بند تھی داراب ہاؤس کے پھانک سے برآمد ہوئی۔

”یہ گاڑی میں نے پہلی بار دیکھی ہے... تم یہیں ٹھہرو...! میں اس کا تعاقب کروں گا۔“ صدر نے کہا تھا اور اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا تھا۔ نیو جہاں تھا وہیں ٹھہرا رہا۔

قریباً پندرہ منٹ بعد پھر ویسی ہی ایک گاڑی اور برآمد ہوئی تھی۔ نیو کے کان کھڑے ہوئے

... کہیں وہ پہلی گاڑی محض فریب نہ رہی ہو۔ اگر داراب ہاؤس والوں کو علم تھا کہ ان کی نگرانی کی

جاری ہے تو وہ ڈونج دینے کے لئے ایسا طریقہ کار اختیار کر سکتے ہیں۔

اس گاڑی کا رخ مخالف سمت میں تھا۔ نیو نے فیصلہ کیا کہ اسے اس گاڑی کا تعاقب ہر حال

میں کرنا چاہئے۔ وہ موٹر سائیکل ہی سے آیا تھا۔

خاصے فاصلے سے تعاقب شروع کیا۔ شہر کی بھری پُری سڑکوں سے گزرتی ہوئی وہ بند گاڑی

بلاخرہ ہائی وے پر آنکلی تھی... آباد علاقوں تک تو نیو کو تشویش نہیں ہوئی تھی لیکن جب وہ

آگے ہی بڑھتی رہی تھی تو اُسے سوچنا پڑا تھا۔!

پتا نہیں اس سفر کا اختتام کہاں ہو... اسی دوران میں اگر اُسکی موٹر سائیکل کا پٹرول ختم ہو گیا

تو کیا ہو گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس بند گاڑی کی منزل شہر سے باہر کہیں ہو گی۔ دن ڈھلے

دیر ہو گئی تھی اور اب سورج مغرب میں جھک رہا تھا۔ ہائی وے سمنان نہیں تھی۔ خاصا ٹریفک تھا۔

دفعتاً نیو نے بند گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلتے دیکھا۔! کوئی اُس سے برآمد ہوا تھا اور سر کس کے

کی اداکار کی طرح قلابازی کھا کر گاڑی کی چھت پر پہنچ گیا تھا۔ نیو کا منہ حیرت سے کھلا اور پھر بند

ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اتنے فاصلے سے بھی عمران کو پہچان لیا تھا۔

دونوں گاڑیاں اب بھی یکساں فاصلے سے دوڑ رہی تھیں... ایک جگہ ایک لوڈنگ ٹرک کھڑا

نظر آیا.... شاید اُس میں کوئی خرابی واقع ہو گئی تھی۔ جیسے ہی دین اُس کے قریب پہنچی عمران نے ٹرک پر چھلانگ لگا دی.... دین آگے بڑھتی چلی گئی تھی نیو نے عمران کو ٹرک پر لدے ہوئے کچھ بندلوں سمیت ٹرک کی دوسری طرف گرتے دیکھا تھا۔

اُس نے موٹر سائیکل کی رفتار کم کی اور ٹھیک اُسی جگہ جا کر جہاں عمران گرا تھا۔ ٹرک کے تینوں کام کرنے والوں نے عمران کو گھیر لیا۔
”کیا یہ آسمان سے پڑا ہے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

عمران اٹھ کر لڑاکا عورتوں کے سے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا ”نہیں زمین سے آگاہے ایک تو غلط طریقے سے سامان لادتے ہو اور پھر اوپر سے باتیں بناتے ہو!“

”تم آئے کہاں سے....؟“ ٹرک والا دھاڑا۔

”اور سنو!“ عمران نے نیو کی طرف دیکھ کر کہا ”پیدل چلنے والوں کا یہ حشر کرتے ہیں یہ لوگ۔“
”پیدل.... ٹرک والے نے حیرت سے کہا۔

”اور نہیں تو کیا ہوئی جہاز سے!“

دوسرے آدمی نے ٹرک پر لدے ہوئے سامان کی طرف دیکھا اور پھر عمران سے بولا
”چوٹ تو نہیں آئی۔“

”آئی بھی ہوگی تو کیا کر لو گے۔ خود بھی تو پڑے ہوئے ہو مصیبت میں!“

”آپ کو کہاں جانا ہے مسٹر.... میں پہنچا دوں“ نیو نے کہا۔

”سمندر گوٹھ....!“

”آئیے.... پیچھے بیٹھ جائیے!“

”دم پر بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔!“

”آئیے تو پھر سر پر سوار ہو جائیے۔!“

”میاں پیدل ہی بھلا.... تم تو ان لوگوں سے بھی زیادہ چڑچڑے معلوم ہوتے ہو۔!“

”تم آخر تھے کدھر ہم نے تو نہیں دیکھا۔“ ٹرک والے نے کہا۔

”ادھر سے آ رہا تھا۔“ عمران بائیں جانب والی ڈھلان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”سوچا تم

سے پوچھوں مجھے لیتے چلو گے سمندر گوٹھ تک.... لیکن قریب پہنچتے ہی آسمان سر پر ٹوٹ پڑا۔“

”چلے ختم کیجئے....!“ نیو نے ہاتھ ہلا کر کہا ”بیٹھ جائیے.... پیچھے!“

”خیر تم بھی کیا یاد کرو گے!“ عمران موٹر سائیکل کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور کیریئر پر بیٹھ گیا۔

”کیا واقعی سمندر گوٹھ....!“ نیو نے پوچھا۔

”اے نہیں.... جھاڑی دے رہا تھا.... چلو شہر کی طرف....!“

”راستے میں نیو نے پوچھا کہ وہ اس دین میں کیا کر رہا تھا.... عمران دانت پر دانت جما کر چیخا

”جھک مار رہا تھا.... لیکن تم کہاں سے آچکے!“

نیو نے پورا واقعہ دہراتے ہوئے کہا ”صفر سمجھا تھا کہ وہ پہلی دین میں لیجایا گیا ہے۔“

”یہ اُسی کی عقل مندی تھی کہ تمہیں چھوڑ گیا تھا۔ ساتھ نہیں لے گیا۔!“

”اس آدمی کا کیا ہوا.... میں نے تو اُسے کبھی سائیکو مینشن میں نہیں دیکھا۔!“

”میں کیا جانوں وہ کون تھا! میں نے نہیں دیکھا۔ میں تو پچھلی رات سے داراب ہاؤس کے

ایک ہاتھ روم میں مقیم تھا۔ پتا نہیں کس وقت انہوں نے سینٹھلک گیس مجھ پر استعمال کر ڈالی۔!“

”آپ کو کہاں لے جا رہے تھے۔!“

”شاید سردار گڑھ.... لیکن میں ایسی بے سرو سامانی کے عالم میں سفر کرنے کا عادی

نہیں.... اس لئے بھاگ کھڑا ہوا۔!“

”چوٹ تو نہیں آئی۔!“

”اتنی دیر بعد پوچھ رہے ہو۔!“

”جب سے یہاں آیا ہوں میرا دماغ چکر اکر رہ گیا ہے۔!“

”کیا تکلیف ہے یہاں....!“

”کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔“

”تب تو کوئی بہت ہی سخت قسم کی تکلیف معلوم ہوتی ہے۔!“

”تو پھر بتا دوں۔!“

”ضرور ضرور....!“

آپ لوگ اس قدر خشک واقع ہوئے ہیں کہ بیر تک نہیں پیتے۔!“

”واقعی تکلیف کی بات ہے.... دیے کیا تم مجھے اپنا روالہ اور ادھار دے سکو گے۔!“

”کیوں..... کیوں.....؟“

”وہ سانپ غلطی کا احساس ہوتے ہی ضرور پلٹے گا۔ کیونکہ اگلی سیٹ پر وہ بھی موجود تھا۔“

”کس کی بات کر رہے ہو!“

”ہے ایک بے حد خطرناک آدمی.... دراصل میری چیزیں وہ پہلے ہی ہتھیا چکے ہیں۔ پرس تک غائب ہے۔ بالکل تلاش سمجھ لو.... لیکن میں صرف ریوالور ادھار مانگ رہا ہوں۔“

”لے لیجئے.... لیکن وہ خوف ناک شکل والا کون تھا۔ جسے صفدر نے اپنا ہی آدمی کہا تھا!“

”میں نہیں جانتا!“

”مجھے ریوالور دے کر پٹرول پمپ پر اتار دینا!“

”کیا میرا ساتھ رہنا پسند نہیں ہے۔“

”تمہاری خشکی دور کرنا میرے بس سے باہر ہو گا!“

”وہ تو میں نے برسبیل تذکرہ کہہ دی تھی وہ بات....!“

”ایک نصیحت سن لو!“

”فرمائیے!“

”اگر تم پیٹے بھی ہو تو کم از کم ایکس ٹو کی ماتحتی کے زمانے میں کبھی اتنی نہ پینا کہ آؤٹ ہو جاؤ۔ جس شخص کی جگہ تم آئے ہو ایک بار اسی خطا پر ایکس ٹو کے ہاتھوں بڑی عبرت ناک سزا چکا ہے۔“

”میں سن چکا ہوں۔“ نیو نے قہقہہ لگایا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا ”وہ کلونا جوزف تو ہر وقت نٹے

میں رہتا ہے....!“

”وہ میرا نجی ملازم ہے۔ ایکس ٹو سے کوئی سروکار نہیں رکھتا.... اور میں بھی تم لوگوں کی طرح براہ راست ایکس ٹو کا ماتحت نہیں ہوں! ایک طرح کا کمیشن ایجنٹ سمجھ لو۔ وہ بھی سر سلطان کی مروت میں! ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ عقل مندیاں!“

”اس کے باوجود میں نے محسوس کیا ہے کہ ایکس ٹو کے بعد آپ کی چلتی ہے!“

”لوگ بیوقوف سمجھ کر مجھ سے خواہ مخواہ الجھتے نہیں ہیں۔“

”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ نیو تھوڑی دیر بعد بولا ”یہ جو لیانا کس مرض کی دوا ہے۔“

”کیا تم نے بھی اسی مرض میں مبتلا ہو جانے کا ارادہ کر لیا ہے!“

”کچھ ہی ہے....! میں تو کبھی بات بھی نہیں کرتا۔!“

”کرنا بھی مت.... بڑی ہتھ چھٹ ہے۔!“

”ویسے ہے خوب صورت۔!“

”میں نے کبھی غور نہیں کیا۔“ عمران بولا۔

”آپ لوگوں نے حسن کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔!“

”بالکل غبی ہوں اور انشاء اللہ تم بھی ہو جاؤ گے۔!“

”دیکھا جائے گا۔!“

”اب میں تمہیں ساتھ ہی رکھوں گا.... شاید خشکی بھی رفع کر دوں۔ پٹرول پمپ کے برابر

ایک چائے خانہ ہے.... گاڑی گھما کر اس کے عقب میں لے چلو اور وہیں کھڑی کر دو۔!“

نیو نے اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا تھا۔ گاڑی سے اتر کر عمران چائے خانے کے صدر

دروازے کی طرف آیا۔ نیو ساتھ تھا۔ دونوں اندر داخل ہوئے اور عمران نے کھڑکی کے قریب

والی میز منتخب کی، دونوں کھڑکی کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے۔

”تمہیں اس وین کی واپسی پر نظر رکھنی ہے۔“ عمران نے نیو سے کہا ”اُسے اچھی طرح دیکھ

چکے ہو۔!“

”نمبر تک یاد ہیں۔!“

”چائے پیو گے یا کافی.... لل.... لیکن میری جیب تو خالی ہے۔ تمہیں پوچھنا چاہئے مجھ سے۔!“

”مجھے وہ خوف ناک شکل والا آدمی الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ پتا نہیں اُس پر کیا گزری

ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس وین میں ہو جس کے پیچھے صفدر گیا ہے۔!“

”ختم کرو.... سڑک پر نظر رکھو.... ہر شخص جانتا ہے کہ اُسے کیا کرنا ہے۔!“

”آخر وہ آپ کو کہاں لے جا رہے تھے....؟“

”شاید سردار گڈھ....!“

نیو نے کافی طلب کی تھی اور عمران کی ہدایت کے مطابق ادائیگی فوراً کر دی تھی۔

”ہو سکتا ہے کہ اپنی پیالیاں ختم کئے بغیر ہی اٹھ جانا پڑے۔“ اُس نے کہا تھا۔

”آپ کو اتنا یقین ہے وین کی واپسی کا۔!“

”یہی سمجھ لو..... میں اُن کے لئے اس سلسلے کا اہم ترین آدمی ہوں۔“

عمران کا خیال غلط نہیں تھا۔ دو تین ہی گھونٹ لئے ہوں گے نیو بول پڑا۔ ”وہ رہی ہے..... شہر کی جانب!“

عمران اٹھ گیا..... دونوں تیزی سے چائے خانے کے عقب میں آئے تھے۔! اور عمران تھا۔ ”اب تم کیریئر پر بیٹھو گے۔!“

اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی! سدا جنت نیوا چھل کر کیریئر پر بیٹھ گیا۔

”کیا ریوالور لوڈڈ ہے.....!“ عمران نے گاڑی کو سڑک پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اور چار اثبات میں سُن کر بولا ”لاؤ مجھے دو..... بس چپ بیٹھے رہنا۔!“

بائیں ہاتھ سے ہینڈل سنبالے ہوئے داہنے سے ریوالور لیا تھا اور پھر موٹر سائیکل کی ران بتدریج بڑھتی رہی تھی۔

ذرا ہی دیر بعد وین نظر آنے لگی۔

”اب ذرا ہوشیاری سے بیٹھنا..... عمران بولا..... ساتھ ہی وہ دائیں جانب جھکتا چلا گیا تھا۔ پھر فار ہوا..... نشانہ وین کے ایک پچھلے ٹائر کا لیا گیا تھا۔ ٹائر دھماکے کے ساتھ پھٹا اور کچے میں اتڑتی چلی گئی۔ پہلے تو ایسا لگا تھا جیسے الٹ ہی جائے گی۔ لیکن پھر اُسے بڑی مہارت سنبھال لیا گیا تھا۔

موٹر سائیکل آگے نکلتی چلی گئی۔ پھر وہ بھی کچے میں مڑی تھی اور ایک لمبا چکر لانا گولیوں کی بوچھاڑ موٹر سائیکل سے صرف ایک گز کے فاصلے پر پڑتی چلی گئی۔

”برین گن ہے.....!“ نیو بول کھلا کر بولا۔

موٹر سائیکل وین سے بہت دور نکل گئی۔

”اب تو ریخ میں نہیں ہیں۔“ نیو نے گہری سانس لے کر کہا۔

”مطمئن رہو..... ہمیں گاڑی سے دور رکھنے کے لئے فائرنگ کی گئی تھی۔ یہاں اس ہوائی سڑک کے کنارے زیادہ کھیڑا نہیں کریں گے۔!“

”اور قریب بھی نہیں آنے دیں گے.....!“ نیو بولا۔

”تم اتر جاؤ..... اور یہیں ٹھہرو.....“ عمران نے کہا! ”میں دیکھ لوں گا۔!“

”خود کشی کی اجازت ہر گز نہیں دوں گا۔!“

”تم مجھے اجازت دو گے۔!“

”سوری..... مجھے مشورہ کہنا چاہئے تھا۔!“

”اتنی بدحواسی طاری ہو گئی ہے..... خیر اتر دو.....!“ عمران نے گاڑی روک دی۔

”وہ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔“ نیو اترتا ہوا بولا۔

”کیا کہتے ہیں.....؟“

”یہی کہ آپ کریک ہیں۔!“

عمران نے کچھ کہے بغیر موٹر سائیکل پھر وین کی طرف موڑی تھی!

اس بار تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وین ہی پر چڑھا دے گا..... لیکن نہ تو برین گن سے فائرنگ ہوئی اور نہ اُس کے آس پاس کوئی دکھائی ہی دیا۔!

وہ وین سے آگے نکل گیا اور پھر گاڑی موڑی..... دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔ وین کے قریب پہنچ کر جو کچھ بھی دیکھنا قابل یقین تھا۔

ایک بڑا سا سفید کتا اپنے اگلے پنجوں میں برین گن دبائے اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس آدمی کا کہیں پتا نہیں تھا جس کے لئے عمران نے اتنی تک ودو کی تھی..... پھر وہ موٹر سائیکل اسی سمت لیتا چلا گیا۔ جدھر نیو کو چھوڑا تھا۔

”کیا ہوا.....!“ نیو نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں..... اپنے بھائی کو چھوڑ گیا ہے..... خود نکل گیا۔!“

”میں نہیں سمجھا! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔!“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک زوردار دھماکے سے زمین ہل گئی۔ وین کے ٹکڑے گہرے دھوئیں کے بادل سے نکل کر فضا میں بلند ہو رہے تھے۔

”بھاگو.....!“ عمران نے کہا تھا اور نیو چھلانگ مار کر کیریئر پر بیٹھ گیا تھا۔ موٹر سائیکل سیدھ میں آگے نکلتی چلی گئی تھی۔

وہ پھر اُسی چائے خانے کی طرف پلٹے تھے جہاں سے روانگی ہوئی تھی۔

”تو وہ خطرناک آدمی نکل گیا۔“ نیو نے پوچھا تھا۔

”اسی طرح جیسے ہاتھ سے مچھلی پھسل جاتی ہے۔!“

”آپ نے بہت بڑا رسک لیا تھا۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔

”آخر کیا سوچ کر اس طرح چڑھ دوڑے تھے۔ کیا کرتے....!“

”یاد دماغ کی خرابی سمجھ لو۔!“

چائے خانے کے سامنے ہی اس بار موٹر سائیکل روکی تھی۔ لیکن باہر ہی کھڑے رہے تھے۔

”کان پکڑتا ہوں۔“ نیو عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”آپ کے بارے میں جو کچھ بھی سوچتا رہا ہوں سب واپس اور اس کے علاوہ بس کیا بتاؤں۔“

”نہیں ضرور بتاؤ۔“

”لوگوں نے خواہ مخواہ مجھے چڑھا رکھا تھا۔ لیکن میں کتنا بے وقعت ہوں یہ آپ کے توسط

سے معلوم ہوا....!“

”تمہاری کوئی بات میرے پلے نہیں پڑ رہی۔!“

”جس زاویے سے آپ نے گاڑی کے سپرے پر فائر کیا تھا کم از کم میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“

”کیا رکھا تھا اس میں.... سر کس والے اس سے بہتر مظاہرہ کر جاتے ہیں۔“

”اور پھر چڑھ دوڑے دین پر۔“

”بس تو ختم کرو.... ہاں تو وہ تمہیں بہت اچھی لگتی ہے۔“

”کک.... کون....!“

”جو لیٹافنر واٹر....!“

”مذاق تھا۔!“

”ہائیں.... اتنے ہی سے جھٹکے میں جمالیاتی جس رخصت ہو گئی۔“

نیو کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر خفت کے آثار تھے۔

”اچھا سنو.... اب تم جاؤ.... ریو اور میرے پاس ہی رہنے دو.... بارہ راونڈ اور دے دو۔!“

”آپ پوری بیٹی رکھے۔“

”یہ اور بھی اچھا ہوگا۔ پرس میں کتنی رقم ہوگی۔!“

”شاید ساڑھے تین سو ہوں گے۔“

”سو روپے دے دو....!“

”سب رکھے....!“

”نہیں صرف سو روپے۔“

”لیکن آپ کے پاس گاڑی بھی نہیں ہے۔ واپسی کا کیا ہوگا....؟“

”کسی سے لفٹ لے لوں گا۔“

”آپ کی مرضی۔“

عمران وہیں ٹھہرا رہا۔

دھماکہ یہاں بھی سنا گیا تھا۔ اس لئے آس پاس سنسنی پھیل گئی تھی.... عمران چائے خانے

میں آ بیٹھا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ دین سے فرار ہونے والا پٹرول پمپ کی طرف ضرور آئے گا۔!

حادثے کی جگہ کے آس پاس لفٹ لینے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لہذا اُس نے چائے خانے ہی

میں بیٹھنا زیادہ مناسب سمجھا.... اس بار کافی کے ساتھ انڈوں کے سینڈوچ بھی منگوائے تھے۔

میز بھی وہی منتخب کی تھی جہاں سے سڑک پر نظر رکھ سکتا۔! اسی دوران میں کچھ اور لوگ بھی

دہاں آئے تھے اور انہوں نے کچھ دیر قبل والے دھماکے سے متعلق اونچی آوازوں میں گفتگو شروع

کردی تھی۔ شاید وہ جائے حادثہ کے قریب سے گزر کر آئے تھے۔ انکی باتوں سے یہی معلوم ہو رہا تھا۔

لوگ اپنی جگہوں سے اٹھ کر ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ عمران کا نہ اٹھنا عجیب سی بات ہوتی۔

لہذا وہ بھی ایک ہاتھ میں سینڈوچ اور دوسرے میں کافی کی پیالی لئے ہوئے ان میں شامل ہو گیا۔

”کوئی گاڑی تھی.... دھماکے سے پھٹ گئی“ ایک آدمی کہہ رہا تھا ”مگر غنیمت یہی ہے کہ

سڑک پر نہیں تھی۔ میدان میں تھی.... پھر بھی گاڑی کے ٹکڑے سڑک پر بھی بکھرے ہوئے

ہیں.... کچھ پتا نہیں کتنے آدمی مرے۔“

”آخر گاڑی میں دھماکہ کیسے ہوا۔“ کسی نے پوچھا۔! لیکن بتانے والا اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

اچانک کوئی سخت سی چیز عمران کی کمر میں چھپنے لگی تھی.... اُس نے بڑی احتیاط سے گردن

موڑ کر نکلیوں سے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی اور برف کی طرح سرد ہو گیا۔

پھر دیر کو آواز دے کر دوسرا کافی پاٹ لانے کو کہا تھا۔

”ایک نہیں چلے دوں گا بھتیجے۔“ لمبے آدمی نے کہا ”تم منگواؤ کافی۔“

”میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ پہلے تم سے دو دو باتیں ہو جائیں۔!“ عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھے ہوئے کہا۔

”میں تمہیں اُس آدمی کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکوں گا کیونکہ خود بھی کچھ نہیں جانتا۔!“

”اُس آدمی کی بات میں نہیں کروں گا۔ مجھے تو اُس لاش سے سروکار ہے جو سارا دن کے جنگل میں پائی گئی تھی۔“

”اُس کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“

”آخر سفارت خانہ اُسے وانگ لین کی لاش ثابت کرنے پر کیوں تلا ہوا ہے۔“

”اس لئے کہ وہ وانگ لین ہی کی لاش ہے۔“

”ہوئی پنے کی باتیں مت کرو۔“

”کیا مطلب...!“

”وانگ لین کے فائل میں اُس کے فنگر پر منس کا کارڈ نہیں مل سکا تھا۔“

”یہ ایسی کوئی بات نہیں۔“

”اسی لئے میں نے ہانگ کانگ سے اُس کے فنگر پر منس منگوائے ہیں اور تمہیں یہ سن کر حیرت

ہو گی کہ وہ لاش کے فنگر پر منس سے مطابقت نہیں رکھتے۔“

لمبے آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا۔ اسی بناء پر عنقریب پریس کو وہ مضمون دیا جا رہا ہے جو سفارت خانہ

والوں کے دعوے کی قلعی کھول دے گا۔“

”ٹھہرو بھتیجے...! مجھے سوچنے دو۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

بیرا دوسرا کافی پاٹ اور کپ لے آیا تھا۔

دیر کے چلے جانے پر اُس نے عمران کو گھورتے ہوئے کہا ”یہ کسی قسم کا فریب تو نہیں ہے۔“

”یقین کرو... آج رات کو مضمون پریس پر پہنچ جائے گا۔ دونوں کے فنگر پر منس کے عکس

بجائے آئے۔“

لمبا آدمی اُس سے لگا ہوا تھا اور کمر میں چھپنے والی چیز ریو اور کی نال کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی۔ عمران کے دونوں ہاتھ پھنسے ہوئے تھے۔ نہ ہوتے تب بھی وہ اس بھیڑ میں کچھ کر گزرنے کی ہرگز نہ سوچتا۔... ریو اور کی نال جو کمر سے لگی ہوئی تھی مٹھائی کی گولیاں نہ اُگتی۔ اور اگر گولیاں اُگتی تو عمران کا ریو اور کب خاموش رہتا۔ پھر گولیاں آنکھوں والی تو ہوتی نہیں کہ صرف متعلقہ افراد ہی تک محدود رہ جائیں۔

ریو اور والے نے بائیں شانے پر دوسرے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر دروازے کی طرف مڑنے کا اشارہ کیا تھا۔

عمران نے خاموشی سے تعمیل کی۔ وہ اُس کو اُسی میز پر لے آیا تھا۔ جہاں سے عمران اٹھا تھا۔

”بیٹھ جاؤ... وہ آہستہ سے بولا اور ریو اور عمران کی کمر سے ہٹا کر کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

عمران چپ چاپ بیٹھ گیا۔

لمبے اور بے حد دُبلے آدمی نے اُس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا ”تم پوری طرح میرے قبضے

میں ہو۔ بس یہ سمجھ لو کہ تم مجرم ہو اور میں سادہ لباس میں ایک پولیس آفیسر! یہاں جو لوگ

موجود ہیں قانون کے نام پر میرا ساتھ دیں گے۔“

”کافی منگواؤں یا چائے...!“ عمران نے چپک کر پوچھا۔

”دوسرا آدمی کہاں ہے۔“

”واپس چلا گیا...! اُسے خون خرابے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔“

”تو اُس نے گاڑی کا تعاقب کیا تھا۔“

”تم اصل موضوع پر آ جاؤ۔“

”تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔“

”پہلے چائے یا کافی تو پی لو۔“

”اگر تم نے ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو یہ سب تمہیں ماریں گے...! تمہارے پاس

پولیس آفیسر کا جو جعلی شناخت نامہ تھا... اس پر اب میری تصویر موجود ہے اور مہر بھی تمہاری

تصویر پر سے اُس پر منتقل ہو گئی ہے۔“

”پکا کام...!“ عمران اُسے آنکھ مار کر مسکرایا تھا۔

”کیا تم اُسے رکوا نہیں سکتے۔“

”کیوں رکوا دوں.....!“

”وہ ہوشیار ہو جائیں گے..... اور میں خود کو الو کا پٹھا محسوس کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔“

”میں تو عرصہ سے تمہیں یہی سمجھتا رہا ہوں“ عمران نے بر جستہ کہا۔

”اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”کون ہوشیار ہو جائیں گے۔“

”وہی جنہوں نے میرے ساتھ فراڈ کیا ہے۔“

”میں سمجھ گیا..... غالباً تم سفارت خانہ والوں کی بات کر رہے ہو۔!“

”لیکن وہ مزید کچھ کہے بغیر کافی انڈیلنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا ”تم ہر معاملے میں اپنی

ٹانگ کیوں اڑاتے ہو۔“

”اڑنے کی اس طرح عادی ہو گئی ہے کہ مانتی ہی نہیں۔“

”اُس آدمی کو واپس کر دو..... منہ مانگی قیمت دلوادوں گا۔“

”کس سے۔!“ عمران نے سوال کیا۔

”فضول باتوں میں مت پڑو۔“

”وہ آدمی ہمیں کاشمیری ہے! تم لوگوں نے اُس کے ساتھ ایک غیر قانونی حرکت کی ہے۔!“

”ایک حیرت انگیز تجربہ ہے جس سے ساری دنیا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“

”اُسے داراب ہاؤس کیوں لے جایا جا رہا تھا۔“

”سب کچھ تو معلوم کر چکے ہو دادو سے۔“

”یعنی اُسے اسٹیک بائٹ پروف بنوانا چاہتے تھے۔“

”ہاں..... یہی مقصد تھا۔!“

”کیا وہ اپنی اصل حالت پر واپس نہیں آسکتا۔“

”ناممکن ہے۔“

”لیکن یہ تو اُسے یاد آئی سکتا ہو گا کہ وہ سوڈا پانی کا رب نہیں فتح محمد خان ہے۔!“

”یہ بھی ناممکن ہے..... وہ ہمیشہ کے لئے اپنی شخصیت کھو چکا ہے۔“

”تب تو میں تمہیں نہیں بخش سکتا چچا.....!“

”مجھ سے الچہ کر دیکھ لو..... یہیں تمہارا قیمہ بن جائے گا۔ اس وقت ٹرمپ میرے ہاتھ میں

ہے جیتنے.....!“

”تم کیا کرو گے.....؟“

”ریوالور نکال کر تمہارے سینے پر رکھ دوں گا۔ اور ان لوگوں سے کہوں گا کہ تمہاری

گرفتاری کے سلسلے میں میری مدد کریں..... شناخت نامہ تو موجود ہی ہے جیب میں۔!“

”یہ بات تو ہے.....!“ عمران اعتراف میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

”بس تو پھر عافیت اسی میں ہے کہ یہاں سے اٹھ کر میرے ساتھ چلو۔“

”کہاں.....؟“

”جہاں میں لے جاؤں۔“

”اور اگر میں وہ آدمی تمہارے حوالے کر دوں تو رقم کتنی ملے گی۔“

”تم خود ہی اپنا مطالبہ پیش کرو.....!“

”کم از کم تین لاکھ۔“

”زیادہ حرامی پن کی ضرورت نہیں۔“ لہبا آدمی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”بس تو پھر بات ختم سمجھو۔“

”بڑی اذیت دے کر مار دوں گا۔“

”کئی بار مار چکے ہو۔ اس لئے اس کا بھی عادی ہو گیا ہوں۔“

”تم باز نہیں آؤ گے۔“

”باز آ جانا ہوتا تو سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا۔“

”اچھی بات ہے تو میں وہی کروں گا جو ابھی کہہ چکا ہوں۔“

”یعنی مجھے ان لوگوں کی مدد سے پکڑو گے۔“

”پکڑ چکا ہوں..... اب تم میرے پنجے سے نہیں نکل سکو گے۔“

”دراصل وہ آدمی مر چکا ہے۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں کہا ”اُسے مجبور آگولی مار دینی

پڑی تھی۔“

”کیوں....؟“ لمبا آدمی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا ”تم نے ایسا کیوں کیا وہ ایک بے ضرر آدمی تھا۔ صرف احکامات کی تکمیل کرتا تھا۔“

”کرتا تو تھا۔ لیکن پرسوں کی بات ہے! اچانک سوتے سوتے جاگا اور بڑی بھیانک آوازیں نکالنے لگا.... پھر اُس نے میرے ایک آدمی کی گردن توڑ دی وہ جہاں تھا وہیں مر گیا.... پھر اُس نے دروازہ توڑ دیا تھا.... ایک دیوار گرائی تھی۔“

”اور تم نے اسے گولی مار دی۔“ لمبا آدمی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا تھا۔

”میں نے نہیں۔ اُسی کے ساتھی نے جس کی گردن اُس نے توڑ دی تھی۔“

”اُس کی لاش کہاں ہے۔“

”دفن کرادی گئی پچپ چاپ....!“

”تمہارے اس جرم کو کس خانے میں فٹ کیا جاسکے گا۔“

”اگر اُسے گولی نہ ماری جاتی تو شاید وہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ طاقت میں کون اُس کی ہم سری کر سکتا۔“

”اُس سے پہلے وہ سوتا رہا تھا۔“

”ہاں....!“ عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

”خواب میں کسی نے اُسے سمجھن دیا ہو گا۔“

”اتنا فرماں بردار تھا۔“ عمران اُچھل پڑا۔

”بڑا عجیب و غریب تجربہ تھا جیسے۔“

”آخر کیوں.... اُس کا مصرف کیا تھا!“

”میں یہ سب نہیں جانتا.... دونوں لاشیں ہمیں واپس ملنی چاہئیں۔“

”خیر.... اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن سفارت خانے کا کیا پکڑ ہے۔“

”یہ تمہیں نہیں بتایا جاسکتا۔“

”یار چچا.... بلکہ حرامی چچا.... جب تم مجھے اپنے ساتھ لے جانے ہی پر تئیں بیٹھے ہو تو پھر بتا

دینے میں کیا حرج ہے۔ تمہاری بتائی ہوئی بات اس طرح دوسروں تک تو پہنچ نہ سکے گی۔“

”مجھے اس میں شبہ ہے کہ تمہیں ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو ہی جاؤں گا۔ کیونکہ تم

اپ رکھنے کے باوجود بھی حرامی ہو۔ ایسا حرامی تا درالوجود ہوتا ہے۔“

عمران اُسے آنکھ مار کر مسکرایا تھا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو کھنکھنے کتوں کی طرح گھورنے لگے تھے۔

”اگر وہ دونوں لاشیں نہ ملیں تو پورے ملک کو جہنم بنا دیا جائے گا۔“ لمبا آدمی بالاخر بولا۔

”بیٹھا تو ہوں۔ وصولی کر لو۔“

”اس وارننگ کے ساتھ تمہیں چھوڑ رہا ہوں کہ دونوں لاشیں داراب ہاؤس میں پہنچادی جائیں۔ ویسے یہ بھی سن لو کہ داؤد تمہارے ہاتھ نہیں لگ سکے گا۔ اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا ہے۔ داراب ہاؤس بالکل خالی ہے۔“

”اچھا....“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

”اور وہ مضمون پریس میں نہیں جائے گا.... سفارت خانے والوں کو یہ بھی نہ معلوم ہوتا چاہے کہ تم نے ہانگ کانگ سے وانگ لین کے فنگر پرنٹس منگوا کر موازنہ کیا ہے۔“

”جلو.... یہ بھی منظور.... اور کچھ....؟“

”صرف کل بارہ بجے دن تک کی مہلت دی جائے گی۔ بارہ بج کر ایک منٹ پر جو کچھ بھی ہوگا اُس کی ذمہ داری صرف تم پر ہوگی۔!“

”اور اگر اس سے پہلے ہی دونوں لاشیں داراب ہاؤس میں پہنچادی گئیں تو....!“

”تمہارا شہر تباہی سے بچ جائے گا۔“

”بات سمجھ میں آگئی.... لیکن وانگ لین کا پیچھا میں نہیں چھوڑ سکتا۔“

”تمہیں وانگ لین سے کیسا روکار....؟“

”تم خصوصیت سے وانگ لین ہی پر کیوں تجربہ کر بیٹھے تھے۔ اگر اس سوال کا جواب دے سکو تو میں بھی بتاؤں گا کہ مجھے وانگ لین سے کیسا روکار ہو سکتا ہے۔“

”میں نہیں بتا سکتا۔“

”سو تم بھی اپنا سوال واپس لو....!“

لمبا آدمی کچھ نہ بولا۔ عمران اُسے بدستور گھورے جا رہا تھا۔ پھر پولیس کی گاڑیوں کے سائرن ٹانگ دینے لگے تھے۔ کسی قدر دھند لکا بھی چھانے لگا تھا.... لمبا آدمی چونک کر بولا ”اچھا اب تم

عئی تھی۔ پوری عمارت کے صرف ایک کمرے میں گہرے نیلے رنگ کا بلب روشن تھا۔ شاید یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی اور تیز روشنی والا بلب روشن کر دیا۔ سامنے مسمری پر ایک آدمی بے خبر سو رہا تھا۔ لیکن تیز روشنی سے پوٹے متحرک ہو گئے۔
 ”واگ لیں.....!“ متوہاشی نے اُسے آواز دی۔ اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔
 ”تت..... تم.....!“ وہ ہکلا کر رہ گیا۔

”ہاں..... میں..... تم جلدی سے پوری طرح حواسوں میں آ جاؤ..... ایک بہت بُری خبر ہے۔“
 ”بب..... بُری خبر.....!“

”ہاں..... ہاں..... ابھی بتاتی ہوں۔ پھر ہمیں سوچنا ہے کہ نئے حالات کے تحت کیا کرنا چاہئے۔“
 ”میں پوری طرح ہوش میں ہوں..... یا نہیں..... ٹھہرو..... پہلے میں اپنا حلق تر کر لوں..... کیا تمہارے لئے بھی گلاس بناؤں.....؟“
 ”ضرور..... ضرور..... لیکن ہلکی.....!“

وہ اٹھ کر کپ بورڈ کے قریب پہنچا تھا اور ایک بوتل نکالی تھی۔ سوڈے کا ساٹھن نکالا تھا۔ وہ گلاس تیار کر کے متوہاشی کے پاس پہنچا۔

”یہ لو.....!“ وہ اس کی طرف گلاس بڑھاتا ہوا بولا۔

”پہلے تم اپنے حواس بحال کر لو۔!“

”میں زور نہیں ہوں۔ تم مطمئن رہو۔“ اس نے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

واگ لیں نے بھی دو تین گھونٹ لئے تھے اور بولا تھا ”اب بتاؤ کیا بات ہے۔“

”مکھ خادجہ نے تمہارے فنگر پر نٹس ہانگ گانگ سے حاصل کر لئے ہیں۔“

”نہیں.....!“ واگ لیں اُچھل پڑا۔

”ہاں..... اور ہمیں دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اُسے تمہاری لاش تسلیم کرانے کی کوشش کی گئی تو تمہاری پوری ہسٹری لاش کے فنگر پر نٹس اور ہانگ گانگ سے حاصل کئے ہوئے پر نٹس کے ساتھ پریس کو دے دی جائے گی۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا ڈار لنگ۔!“

”بہت بُرے سے بھی کچھ زیادہ..... اگر سنگ ہی کو اس کی ہوا بھی لگ گئی تو ہم سب خطرے

اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔!“

”یہ لو.....!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں تعمیل کی تھی۔ لمبا آدمی اٹھ گیا۔ اس کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا۔ عمران جانتا تھا کہ ہاتھ کی گرفت ریوالور کے دتے پر ہوگی اور تال کا رخ خود اس کی طرف ہوگا۔

اُس نے طویل سانس لے کر لمبے آدمی سے کہا ”میں خود بھی نہ چاہوں گا کہ تم براہ راست پولیس کے ہاتھ لگو۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جیتھے..... تم کچھ کر کے دیکھ لو.....!“

”خت کا ہلی محسوس کر رہا ہوں۔!“ عمران نے مسکرا کر کہا ”بولنے تک کو دل نہیں چاہ رہا۔!“
 لمبا آدمی نکلا چلا گیا تھا۔ عمران نکلیوں سے سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن شاید وہ پٹرول پمپ کی طرف گیا تھا۔



متوہاشی پاگلوں کی طرح کارڈرائیو کر رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس پر بھی نظر تھی کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ شہر کی سڑکیں ویران ہونے لگی تھیں..... ایسی صورت میں تعاقب کئے جانے کا اندازہ لگا لینا مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اُسے یقین نہیں تھا کہ تعاقب نہ کیا جا رہا ہوگا۔ لالہ زار ہوٹل سے اُس دھاری دار آدمی کے غائب ہوتے ہی اس کی نگرانی شروع کر دی گئی تھی اور اُسے اس کا علم بھی ہو گیا تھا۔ لہذا خاص محتاط ہو گئی تھی۔ لیکن اس وقت ملنے والی ایک خبر نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ دینے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ بھاگ بھاگ ماڈل ٹاؤن پہنچی جس عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی اُس کا سلاخوں دار پھاٹک بند تھا۔ وہ بے دریغ آڑی سلاخوں پر پیر کھنی ہوئی اوپر چڑھی تھی اور دوسری طرف اتر گئی تھی۔

لان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ اندھیرے ہی میں پورچ تک جا پہنچی تھی..... یہاں اس نے شانوں سے لٹکے ہوئے چرمی تھیلے سے پنسل نارچ اور کتبیوں کا لچھا نکالا تھا۔ نارچ کی روشنی میں ایک کتبی منتخب کی تھی اور صدر دروازے پر پہنچ کر قفل کھولا تھا۔

اندرا داخل ہو کر دروازے کو مقفل کئے بغیر پنسل نارچ کی محدود روشنی میں آگے بڑھتی چلی

میں پڑ جائیں گے۔“

”مجھے فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔“

”سفیر مصر ہے کہ اُسے تمہاری لاش تسلیم کر لیا جائے۔“

”وہ حقیقت سے بے خبر ہے لہذا وہ تو اصرار کرے گا ہی۔“

”اصرار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اصلیت پر لیس کے ہاتھ لگ جائے گی۔!“

”مجھے جلدی کرنی چاہئے!“ وہ تیزی سے کپ بورڈ کی طرف مڑا۔

”نہیں اب اسکی ضرورت نہیں۔“ دروازے کی جانب سے آواز آئی اور وہ دونوں اچھل پڑے۔

”سنگ“ متو ہاشی خوف زدہ لہجے میں بولی۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس خوف ناک پستول

کو دیکھنے لگی جو سنگ ہی کے ہاتھ میں تھا۔۔۔۔۔ سائیلنسر لگا ہوا پستول۔

واگ لین بت بنا کھڑا رہا۔

”مجھے بے حد افسوس ہے کہ تم حقیقتاً ضائع ہونے جا رہے ہو۔“ سنگ نے سرد لہجے میں کہا

تھا۔ پستول سے ہلکی سی آواز نکلی تھی اور واگ لین اچھل کر بستر پر جا گرا تھا۔

گولی پیشانی کے وسط میں بیٹھی تھی۔

”نہیں... نہیں... نہیں!“ متو ہاشی چیختی ہوئی بستر پر جھپٹی تھی۔ سنگ ہی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

”واگ... واگ...!“ متو ہاشی اُس کی لاش کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر دیوانہ وار آوازیں دیتی

رہی۔ سنگ کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی اُس نے سرد لہجے میں کہا ”فکر نہ

کرو۔ تم بھی اُسی کے پاس جاؤ گی۔ لیکن ابھی نہیں۔“

”نہیں مجھے بھی فوراً مار ڈال۔“ وہ اُس کی طرف مڑ کر چیختی۔

”آف... فوہ... اس قدر چاہتی تھیں اُسے... ادھر دیکھو! میں کیا بُرا ہوں۔ تمہاری پیاسی

روح کو مجھ جیسے آدمی کی ضرورت ہے۔ سدا بہار آدمی، ہمیشہ گلاب کی طرح کھلار ہوتا ہوں۔“

”بکو اس بند کر...!“

سنگ ہی پستول جیب میں ڈال کر کپ بورڈ کی طرف بڑھا۔ بوقلمون اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی

اور گھونٹ لے کر بولا ”تم مجھے ناپسند نہیں کرو گی۔ آج تک کسی عورت نے ناپسند نہیں کیا۔!“

اُس نے پھر دو تین گھونٹ لئے تھے۔

”متو ہاشی سحر زدہ سی کھڑی رہی۔ سنگ نے کہا ”کیا میں اُمید رکھوں کہ تم کسی ہچکچاہٹ کے

بغیر خود کو میرے حوالے کر دو گی۔“

”کیا تو بالکل درندہ ہے... تجھے ذرا سا بھی احساس نہیں کہ تو نے ابھی کیا کیا ہے۔“ وہ لاش

کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیختی۔

”بہتا ہوا خون ہی دیکھ کو تو موج میں آتا ہوں نخعی گہری... تم کیسی آرٹسٹ ہو...۔۔۔۔۔

میری جان...!“

”زبان بند کرو... ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔!“

”آؤ... مار ڈالو...!“ سنگ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر سسکاری لی! وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں

بائے اُسے گھورتی رہی۔

”آؤ... آجاؤ...!“ وہ پھر بولا۔ دونوں ہاتھ اب بھی پھیلے ہوئے تھے۔ ایک میں بوقلمون تھی۔

متو ہاشی کا ہاتھ کاندھے سے لٹکے ہوئے تھیلے میں رینگ گیا تھا۔ اور پھر باہر آیا تو اُس میں

اعشاریہ دو پانچ کا پستول تھا۔

سنگ نے اُسے دیکھا لیکن اُس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ... ذلیل...!“ متو ہاشی دانت پیس کر بولی۔

”اٹھے ہی سمجھو... اب میں اپنی جیب سے پستول نہیں نکال سکتا! داسنے ہاتھ میں بوقلمون

ہے، اور بابائیاں ہاتھ گھوم کر داہنی جیب میں نہیں جاسکتا۔“

”میں تمہیں مار ڈالوں گی۔“

”اُس سے پہلے ایک بات سن لو... وہ لوگ بھی تمہاری نگرانی کرتے رہے ہیں جنہوں نے

اُس لاش کو واگ لین کی لاش تسلیم نہیں کیا تھا۔ دو آدمی اس وقت بھی تمہارا تعاقب کرتے

ہوئے یہاں آئے ہیں اور باہر موجود ہیں! فائر کی آواز انہیں اندر گھس آنے پر مجبور کر دے گی۔

اور تم واگ لین کی لاش سمیت اُن کے قبضے میں آ جاؤ گی۔“

متو ہاشی کی آنکھوں میں فکر مندی کے آثار دکھائی دیئے تھے اور سنگ کہتا رہا ”وہ لوگ مجھے

نہیں دیکھ سکے... اور میں اسی طرح نکل بھی جاؤں گا۔“

”میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی خواہ کچھ بھی ہو جائے...!“

”لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو.....! تنظیم کی طرف سے تمہارے لئے موت کی سزا تجویز ہو چکی ہے۔ میں ہی ابھی تک بچائے ہوئے تھا۔“
”وہ کس طرح.....؟“

”محض تمہاری حماقت کی وجہ سے دوسرا زندہ آدمی ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا۔ جس طرح سردار گدھ سے لایا گیا تھا۔ اسی طرح داراب ہاؤس بھی پہنچایا جاسکتا تھا..... تم نے وہ طریق کار کیوں اختیار کیا تھا۔“

”اگر یہی بات تھی تو براہ راست داراب ہاؤز میں کیوں نہیں پہنچا دیا گیا تھا۔ مجھے کیوں درمیان میں لایا گیا۔“

”تم اُسے داؤد کی لاعلمی میں داراب ہاؤس پہنچا سکتے تھے۔ ایثار سنگھ کیلئے یہ کام ممکن نہ ہوتا۔“
”اور میں نے ایثار سنگھ کو بہت زیادہ زور دیکھ کر اُسے بیہوش کر دیا تھا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ کلی طور پر میرے قابو میں رہے گا۔ کیونکہ مجھ پر نظر پڑتے ہی اُس میں فوری طور پر ایک تبدیلی ہوتی تھی۔“

”وہی تبدیلی تو مجھ میں بھی واقع ہو رہی ہے.....! ہر چند کہ موت کا ہر کارہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔“ سنگ نے کہا اور بوتل پھر ہونٹوں سے لگالی۔

”تم مجھے کس طرح بچائے ہوئے تھے۔“ متو ہاشی نے اُس کے ریمارک کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے اوپر سے آئے ہوئے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ لیکن اب تو تمہارا جرم بے حد سنگین ہو گیا ہے۔“ سنگ نے وانگ لین کی موت کی طرف اشارہ کیا۔

”متو ہاشی کچھ نہ بولی۔ اُس کی پیشانی سے پسینے کی بوندیں پھوٹنے لگی تھیں۔“
”لیکن اس کے باوجود بھی ہو گا وہی جو میں چاہوں گا۔ اس جرم کے ارتکاب کے باوجود بھی

تم زندہ رہ سکتی ہو.....! اگر میں چاہوں.....!“
”وہ کس طرح.....!“

”یہ بھی کوئی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔“ سنگ بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”کبھی نہیں!“ وہ سر جھٹک کر بولی ”اُس پر تو میں موت کو ترجیح دوں گی۔“

”پھر سوچ لو.....! ادھر تم نے فائر کیا اور ادھر وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔“
”اب مجھے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں۔ اگر میری موت کا حکم صادر ہو چکا ہے تو مجھے مری جانا چاہئے۔“

”میں دروازہ کھلا چھوڑ آیا ہوں انہیں اندر آنے میں ذرہ برابر بھی دشواری نہ ہوگی۔“
”اچھی بات ہے..... یہاں کی جیل میں تم لوگوں سے محفوظ ہو جاؤ گی۔“ متو ہاشی نے کہا اور فائر کر دیا۔

سنگ ہی کسی مردہ چھبکی کی طرح پٹ سے فرش پر گر اٹھا اور بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ متو ہاشی نے پستول تھیلے میں ڈالا اور سنگ کو پھلانگ کر کمرے سے باہر نکل جانا چاہا۔ لیکن سنگ ہی کی ہانگوں میں جکڑ کر رہ گئی۔

”پھر سنگ کے بے آواز پستول سے ایک فائر ہوا تھا اور کمرے میں روشنی پھیلانے والا بلب گہری تاریکی میں دفن ہو گیا تھا۔

”متو ہاشی کادم گھٹنے لگا کیونکہ سنگ نے ایک ہاتھ سے اُس کا منہ جکڑ رکھا تھا۔ پھر گھٹن اس قدر بڑھی تھی کہ ہر طرح کا احساس ہی فنا ہو گیا تھا۔



فون کی گھنٹی کی آواز غنودہ سماعت پر توپ خنے گولے کی طرح گری تھی اور عمران بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھایا۔ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی تھی۔

”کیا بات ہے.....!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”نعمانی اور صدیقی متو ہاشی کی نگرانی کر رہے تھے..... وہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اپنی کوشی سے نکلی تھی۔ دونوں اس کا تعاقب کرتے ہوئے ماڈل ٹاؤن کی ایک عمارت تک پہنچے

تھے..... وہ پھاٹک پر چڑھ کر دوسری طرف کپاؤنڈ میں اتر گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بھی اسی کی طرح کپاؤنڈ میں پہنچ گئے۔ لیکن عمارت میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے فائر کی آواز

سُنائی..... اور پھر اُس کے بعد ایک ہلکا سا دھماکا ہوا تھا۔ کسی قدر وقفے سے وہ دونوں بھی اندر پہنچ گئے تھے۔ پوری عمارت تاریک پڑی تھی۔ متو ہاشی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ البتہ انہوں نے وہاں ایک

لاش دریافت کی ہے اُن کا خیال ہے کہ اُسکی موت کو زیادہ وقت نہیں گزرا۔ پیشانی پر گولی لگی ہے مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا ہے اور صورت انہیں کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے

”کیا وہ دونوں اب بھی وہیں موجود ہیں....؟“

”جی ہاں....! فون اُسی عمارت سے کیا ہے۔“

”عمارت کا نمبر بتایا ہے یا نہیں۔“

”جی نہیں۔! لیکن فون نمبر بتایا ہے.... نمبر ہی کی بناء پر میں نے ایکس چیج سے پتہ معلوم کر لیا ہے۔ شارع اور رنگ زیب کی پانچویں عمارت ہے۔“

”عمارت کا فون نمبر بتاؤ۔“ عمران نے کہا۔! فون نمبر معلوم کر لینے کے بعد اُس نے بلڈ زیرو کی کال ڈس کنکٹ کر کے وہی نمبر ڈائل کئے تھے۔ دوسری طرف گھٹی بجتی رہی تھی۔ اور کچھ دیر بعد کچھ ایسی آواز میں دوسری طرف سے پہلوسنائی دی تھی۔ جیسے بولنے والے نے خواب سے بیدار ہو کر ریسیور اٹھایا ہو۔

”صد اکاری کے جوہر دکھانے کی ضرورت نہیں۔“ عمران بھنا کر بولا ”تم دونوں وہاں کر رہے ہو۔“

”افوہ.... تو بات آپ تک پہنچ چکی ہے۔“ اس بار صدیقی اپنی اصلی آواز میں بول رہا تھا۔

”وہ کون ہے....؟“

”مجھے تو وہی معلوم ہوتا ہے جس کی تصویر میتو ہاشی کے سفارت خانے کی طرف سے مل کر آئی گئی تھی۔“

”دیر ی گڈ.... یہ کام ہوا ہے۔!“

”میتو ہاشی کی گاڑی اب بھی باہر موجود ہے! لیکن وہ خود غائب ہو گئی ہے۔“

”کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تمہارا تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔“

”میں ایسی کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اسکی طرف توجہ ہی نہیں رہی تھی۔“

”ٹھیک ہے.... وہیں ٹھہرو.... اور میری دوسری کال کے منتظر رہو۔“

سلسلہ منقطع کر کے عمران نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ایک بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اُنکا

رحمان صاحب کی خواب گاہ والے فون کے نمبر ڈائل کئے تھے.... تھوڑی دیر بعد رحمان صاحب

کی آواز سنائی دی۔

”میں عمران ہوں ڈیڈ۔“

”میا بات ہے....!“

”وانگ لین کی لاش ماڈل ٹاؤن کی ایک عمارت میں پڑی ہوئی ہے۔“

”وہی جو تجربہ گاہ سے غائب ہو گئی تھی۔“ رحمان صاحب نے پوچھا۔

”جی نہیں.... اصل والی.... اس پر دھاریاں نہیں ہیں۔“

”تم کہاں ہو....!“

”اپنے فلیٹ میں.... ساڑھے گیارہ بجے میتو ہاشی کی نگرانی کرنے والے اس کا تعاقب کرتے ہوئے اُس عمارت تک پہنچے تھے۔ میتو ہاشی اندر چلی گئی تھی، پھر انہوں نے فائر کی آواز سنی جو اندر سے آئی تھی۔ اندر پہنچنے پر میتو ہاشی غائب تھی اور وہ لاش ملی۔“

”مجھے کیوں فون کیا ہے۔ سر سلطان کا محکمہ جانے۔“

”یہ کیس آپ کے محکمے سے اُن کے محکمے میں پہنچے گا۔“

”یہ آپ کا مشورہ ہے!“ رحمان صاحب نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

”شارع اور رنگ زیب کی پانچویں عمارت.... ماڈل ٹاؤن....“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن فوراً ہی گھٹی بجی تھی۔

اُس نے ریوالور اٹھایا۔ رحمان صاحب ہی کی آواز آئی تھی ”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”اس سے زیادہ کچھ عرض نہیں کر سکتا ڈیڈ۔“

”دھاری دار لاش تجربہ گاہ سے کہاں پہنچائی گئی ہے۔“

”میں نہیں جانتا! میں نے بھی سنا تھا کہ اچانک غائب ہو گئی۔ یقین کیجئے۔“

”وانگ لین کی لاش کے بارے میں مجھے کیوں کر علم ہو سکتا ہے۔؟“

”کسی گم نام کال کا حوالہ دیا جاسکتا ہے....“ عمران نے کہا ”اور ڈیڈ.... میں فی الحال حاضر خدمت نہیں ہو سکتا۔“

رحمان صاحب نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

عمران نے طویل سانس لی تھی اور ریسیور رکھ کر پھر لیٹ گیا تھا۔ پانچ منٹ بعد پھر اُسی

عمارت کے نمبر ڈائیل کئے تھے جہاں وانگ لین کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

”ہیلو۔“ صدیقی کی آواز آئی۔

”جتنی جلد ممکن ہو.... وہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ والد صاحب کا محکمہ پہنچنے والا ہے۔“

”کک.... کیوں....؟“

”ہکلاؤ نہیں.... فوراً عمارت سے نکل جاؤ.... اور اپنی موجودگی کے امکانی نشانات مٹا

مت بھولنا۔“



کیپٹن فیاض پُر اسرار عورت روزانی مہندس کی کوٹھی میں منتقل ہو گیا تھا۔ ہوٹل انٹرنیشنل سے اس طرح غائب ہوا تھا کہ اس کے انجینئر دوست کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو سکی تھی۔ اس عورت کا قرب نصیب ہو جانے کے لئے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ وہ وہاں آیا کس لئے تھا۔ ادھر روزانی کا بھی یہ حال تھا جیسے ہمہ تن توجہ بن گئی ہو۔ فیاض کو ایسا ہی محسوس ہوتا جیسے وہ صرف اُسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہو۔

اس وقت دونوں لان پر بیٹھے چائے پی رہے تھے.... سورج غروب ہونے والا تھا۔ نارنجی دھوپ پام کی چوٹیوں کو چھو رہی تھی.... اور اُن کے قدموں میں سبزہ لہلہا رہا تھا.... وہ خوابناک انداز میں فیاض کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی ”آج رات میں ایک تجربہ کروں گی۔“

”کیسا تجربہ۔“

”انہی دھاریوں کے سلسلے میں.... لیکن آپ کو ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔“

”اگر تجربہ کامیاب رہا تو اس کی شہرت مجھے فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے۔ لیکن یقین کیجئے کہ لوگ مجھے جادوگرنی سمجھنے لگیں گے جس کے تصور ہی سے مجھے گھن آتی ہے۔“

فیاض ہونٹوں کی طرح منہ اٹھائے ستارا ہوا اور وہ کہتی رہی۔

”جو کچھ دوسروں کی سمجھ میں نہیں آتا وہ اُسے جادو یا معجزہ سمجھ لیتے ہیں! مثال کے طور پر اگر یہ دھاریاں میرے کسی عمل سے آپ کے جسم پر متحرک ہو جائیں تو شاید آپ بھی اسے جادو ہی سمجھیں گے۔“

”مم.... میں کیا عرض کروں۔“

”نہیں اعتراف کیجئے کہ آپ اس سے آگے نہ سوچ سکیں گے۔“

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔“

”لیکن وہ جادو ہرگز نہ ہوگا۔ ایک ایسی تدبیر ہوگی جسے آپ سمجھ نہیں سکیں گے۔ اگر ایک عدد ٹیلی ویژن سیٹ اکبر اعظم کے حضور رکھ دیا جاتا اور اُس پر پروگرام آنے لگتے تو وہ ٹیلی ویژن کے موجد کو جادوگر ہی سمجھتا۔ لیکن کیا آج کا کوئی بچہ بھی اُسے جادو تسلیم کر لینے پر تیار ہوگا۔“

”ہرگز نہیں۔ آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی۔ میں زندگی بھر آپ کے کسی تجربے کو اپنی ذات تک محدود رکھوں گا۔“

”زمانہ قدیم کے بعض علوم مخصوص ادوار ہی تک محدود رہے تھے۔ انہی میں سے ایک پتھر سے دھاریاں نکالنے کا بھی علم تھا۔“ وہ خاموش ہو گئی اور فیاض اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

”قدیم زمانے کے معمار پتھروں سے دھاریاں نکالنے کے فن کے بھی ماہر ہوتے تھے۔ لیکن ان کا یہ علم سینہ بسینہ منتقل ہوتا ہوا کہیں گم ہو گیا۔ دنیا یہی سمجھتی ہے لیکن وہ میرے باپ کے سینے سے میرے سینے میں منتقل ہوا ہے....!“

فیاض کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

”میں اُسی علم کو ان دھاریوں پر آزماؤں گی۔“ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولی تھی اور فیاض کی طرف اس طرح دیکھا تھا جیسے اس سلسلے میں اُس کا جواب سننا چاہتی ہو۔

”میں تیار ہوں مادام۔“

”اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچی تو عمل فوری طور پر روکا بھی جاسکے گا۔“

”آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔ ان دھاریوں کی وجہ سے مسلسل ذہنی اذیت کا شکار ہوں جسمانی تکلیف برداشت کر لوں گا۔“

”بس تو آج ہی رات۔!“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”صرف تین دھاریوں پر

تجربہ کروں گی۔ اگر انہیں معدوم کر دینے میں کامیاب ہو گئی تو بقیہ کام بھی بہت آسان ہوگا۔“

رات کا کھانا آٹھ بجے کھایا گیا تھا۔ نو بجے تک دونوں ٹی وی دیکھتے رہے تھے.... نو سے دس

بجے تک وہ فیاض کے ساتھ بلیر ڈکھلائی رہی تھی.... پھر اُسے خاصے کشادہ کمرے میں لائی تھی۔

جلد کی سوزش بھی اس دوران میں بڑھی تھی لیکن ناقابل برداشت نہیں تھی۔
 ”اب کسی قدر نیچے کھسک کر اپنے دونوں پیر میز کی سطح سے باہر نکال دیجئے۔“ روزالی نے کہا۔ فیاض نے قہقہہ کی تھی۔

”ٹھہریے.... یوں نہیں.... میں نیچے رکھے ہوئے انگاروں پر ایک بوٹی ڈالنے جا رہی ہوں.... دھواں اوپر اٹھے گا۔ اگر آپ کے دونوں پچھے دھوئیں سے دور ہوں تو اس قدر نیچے کھسکے گا کہ وہ دھوئیں کے اندر پہنچ جائیں۔“

”بہت بہتر۔“ فیاض بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ چپ پڑا چھت کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ مری پوزیشن ایسی تھی کہ سینے پر پڑی ہوئی دھاریاں نظر نہیں آرہی تھیں۔

وہ اُس کے پیروں کی طرف جھکی تھی۔ پھر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ ذرا ہی سی دیر بعد سفید اور گہرا دھواں اُس کے پیروں کو چھوتا ہوا اور پر اٹھنے لگا تھا۔

”تھوڑا اور نیچے کھسکے....“ روزالی نے کہا ”بس ٹھیک ہے۔“

اب فیاض کی نظر دھوئیں پر تھی جو اوپر اٹھ رہا تھا لیکن اُس کے حجم میں یکسانیت تھی۔ پیروں سے قریب اچھٹ فٹ اونچا اٹھ کر فضا میں تحلیل ہوتا جا رہا تھا۔

دفعتاً اُس نے محسوس کیا جیسے سینے پر کوئی چیز نیچے کی طرف ریگ رہی ہو۔ روزالی کے چہرے سے دبا دبا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی وہ اُس کے سینے پر نظر جمادیتی تھی اور کبھی دھوئیں کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

سینے سے ریگنے والی چیز نچلے دھڑ تک پہنچ چکی تھی۔

”کوئی چیز ریگ رہی ہے“ اُس نے روزالی کو مطلع کیا۔

”دھاریاں.... وہی تین دھاریاں ریگ رہی ہیں۔ متحرک ہو گئی ہیں.... آپ اسی طرح لیٹے رہئے۔“ روزالی اس طرح بولی جیسے بحالت خواب بول رہی ہو۔

فیاض کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... لیکن وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ ریگنے والی شے اب داہنی ران پر اتر آئی تھی اور بدستور نیچے کی طرف جا رہی تھی۔

اور جب وہ نیچے تک پہنچی تو دھوئیں میں تین دھاریاں دکھائی دیں، نیلی، پیلی اور سرخ دھاریاں.... دھوئیں کے ساتھ ہی وہ چھ فٹ کی بلندی تک گئی تھیں۔ اور شاید فضا میں تحلیل

جہاں داخل ہوتے ہی فیاض کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی ہسپتال کے آپریشن تھیٹر میں آ نکلا ہو۔
 ”آپ کے جسم پر ایک انڈرویز کے علاوہ کچھ نہ ہونا چاہئے۔“ اُس نے فیاض سے کہا اور فیاض کے حلق میں بلغم اٹک گئی۔

”انڈرویز کے علاوہ اور سارے کپڑے اتار دیجئے۔“

”وہ.... اور.... دراصل....!“ فیاض ہکلا کر رہ گیا۔

”شرمانے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت میں آپ کی معالج ہوں۔“ روزالی نے خشک لہجہ میں کہا۔ ”صرف انڈرویز میں اس میز پر لیٹ جائیے۔“

فیاض نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کپڑے اتارے تھے اور اُس سے نظر ملانے بغیر لیٹ گیا تھا۔ وہ قریب آئی تھی اور دھاریوں کو چھو کر دیکھنے لگی تھی۔

”اُن لوگوں کی بتائی ہوئی تدبیر سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔“ اُس نے کہا ”خواہ خواہ آپ کو دوڑاتے رہے ہیں۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ مجھے ذہنی طور پر مفلوج کر دینا چاہتے ہیں۔“

”اگر میری تدبیر کارگر ہوئی تو انہیں دیکھ لوں گی۔“

فیاض کچھ نہ بولا.... وہ سامنے والے ریک کی طرف بڑھی تھی جس پر مختلف رنگوں کے سیال سے بھرے ہوئے بلوری مرتبان رکھے تھے۔

اُس نے ایک چھوٹا سا مرتبان اٹھایا تھا اور میز کی طرف پلٹ آئی تھی۔

”یہ تین دھاریاں لے رہی ہوں“ اُس نے ایک جگہ اوپر سے نیچے تک اُنکی پھراتے ہوئے کہا ”اگر سوزش زیادہ محسوس ہو تو بتا دیجئے گا۔“

”بہت بہتر۔“

”مطلب یہ تھا کہ اگر سوزش ناقابل برداشت ہو جائے۔ تھوڑی بہت تکلیف تو اٹھانی ہی پڑے گی۔“

فیاض کچھ نہ بولا۔ روزالی نے مرتبان سے کسی قدر سیال اُس کے سینے پر پٹکایا تھا اور اُن تین دھاریوں پر اُسے اوپر سے نیچے تک پھیلانے لگی تھی۔ فیاض نے جلد میں ہلکی سی سوزش محسوس کی اور چپ چاپ لیٹا رہا۔ قریباً تین منٹ تک وہ تین دھاریوں کی جگہ پر سیال مالش کرتی رہی تھی۔

ہو گئی تھیں اور اب دھواں پہلے ہی کی طرح بے داغ تھا۔

”مبارک ہو۔“ وہ ہنسنے لگے۔ ”میرے علم نے عمل کا روپ دھار لیا۔“
تینوں دھاریاں جن کا میں نے انتخاب کیا تھا اب آپ کے جسم پر نہیں ہیں! لیکن آپ ابھی بونے
لیئے رہئے۔“

وہ پھر اُس کے پیروں کی طرف جھکی تھی اور دھواں بھی غائب ہونے لگا تھا۔ پھر بالکل ہی
معدوم ہو گیا۔

اُس نے فیاض سے پوچھا ”کیا سوزش ابھی باقی ہے۔“
”بہت کم ہو گئی ہے۔“

”تھوڑی دیر بعد بالکل رفع ہو جائے گی۔“

”سوزش برداشت کر سکتا ہوں، بقیہ دھاریاں بھی نکال دیجئے۔“

”دھواں پیدا کرنے والی بوٹی اتنی ہی تھی، فیاض صاحب! مزید تلاش کرنی پڑے گی۔
بہر حال اب آپ بے فکر ہو جائیے۔ ضروری نہیں تھا کہ تجربہ کامیاب ہی رہتا، کیونکہ یہ پتھر
دھاریاں نکالنے کا نسخہ تھا۔“

”خدا کی قسم آپ حیرت انگیز ہیں۔“ فیاض کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

”اب اٹھ کر دیکھئے۔ کہیں ان دھاریوں کا نشان بھی نظر آجائے۔“

فیاض اٹھ بیٹھا تھا۔۔۔ سوزش والی پٹی بالکل صاف پڑی تھی۔

”کاش بوٹی وافر مقدار میں ہوتی۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”فکر نہ کیجئے۔ اب یہ میری ذمہ داری ہے۔“

”میرے خدا۔۔۔ وہ دھاریاں۔۔۔ میرے جسم سے ریگ کر دھوئیں میں پہنچ گئی تھیں۔“

”اب کون کہہ سکے گا کہ زمانہ قدیم میں بھی سائنسی تجربات نہیں کئے جاتے تھے۔ آج
کوئی پتھر سے دھاریاں نکال کر دکھائے، یہاں سنگ مرمر کی کانیں موجود ہیں لیکن پتھر کے دانے
دار ہونے کی وجہ سے اُس کی کوئی قیمت نہیں۔“

فیاض کچھ نہ بولا۔ وہ ابھی تک اُس حصے کو دیکھے جا رہا تھا۔ جہاں سے دھاریاں غائب ہوئی تھیں۔
”اور اب میں انہیں دیکھوں گی“ روزالی نے کہا۔

فیاض نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا تھا اور وہ پھر بولی ”اگر کسی طرح آپکا وہ دوست بھی
ہاتھ آجائے جسکے پورے جسم پر دھاریاں پڑ گئی ہیں تو وہ بھی پہلے ہی کی طرح شفاف ہو جائے گا۔“
”خدا کرے مل جائے۔“

”اچھا۔۔۔ اب آپ کپڑے پہن لیجئے۔“

فیاض میز سے نیچے اُترا تھا اور کپڑے پہنے لگا تھا۔ روزالی اُس ریک کی طرف بڑھ گئی تھی جس
پر مرتبان رکھے ہوئے تھے۔

”اب اپنی خواب گاہ میں جا کر سو جائیے۔“ اُس نے فیاض کی جانب مڑے بغیر کہا۔ فیاض نے
چپ چاپ تعمیل کی تھی۔



متو ہاشی کراہ رہی تھی لیکن آنکھیں بند تھیں۔ اپنی کراہیں خود بھی سن رہی تھی لیکن
آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ بدقت تمام پلکوں میں ذرا سادہ ہوا تھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے
لگا تھا جیسے آنکھوں میں کسی نے مرچیں بھر دی ہوں۔۔۔! زرد روشنی کا بھی احساس ہوا تھا۔
”میکو نو۔۔۔!“ اُس نے شوہر کا نام لے کر پکارا۔۔۔ لیکن اپنی آواز کی گونج کے علاوہ اور کچھ
نہ سن سکی۔!

اور پھر اچانک وہ اٹھ بیٹھی۔ یادداشت بیدار ہو گئی تھی۔ بوکھلاہٹ میں آنکھیں بھی کھل
گئیں۔ وہ ایک کشادہ کمرہ تھا۔ اور وہ ایک پر تکلف مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے ہی آرام کرسی
پر سنگ ہی نیم دراز نظر آیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ طمانیت اور آسودگی
سے بھر پور مسکراہٹ۔۔۔ متو ہاشی کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

”میکو نو کو آواز دے رہی تھیں۔“ اُس نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

متو ہاشی ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

”تمہارا نشانہ اچھا ہے۔ دراصل میں ہی سخت جان ہوں“ سنگ آہستہ سے بولا۔

”مجھے جانے دو۔“

”کہاں۔۔۔ موت کے منہ میں۔“

”تمہیں اس سے سروکار نہیں ہونا چاہئے۔“

”خیر.... اس کے بارے میں بعد کو سوچیں گے۔ ابھی تو مجھے تمہارا جغرافیہ سمجھنا ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”اسی شہر میں وانگ لین کے علاوہ چار عدد عاشق اور بھی رکھتی ہو۔“

”بکواس مت کرو۔“

”وہ چاروں مجھ سے بڑے آرٹسٹ نہیں ہیں۔“

”تم.... آرٹسٹ!“ وہ حقارت سے بولی۔

”ہاں....! میں اتنے فنکارانہ انداز میں چہرے بگاڑتا ہوں کہ شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ مثلاً تمہارے چہرے پر دو عدد ناکیں بھی نظر آسکتی ہیں.... گالوں کا گوشت کاٹ کاٹ کر دوسری ناک بھی بنا سکتا ہوں۔“

ٹھنڈی سی لہر متیو ہاشی کے جسم میں دوڑ گئی۔

”لیکن میں اُس وقت تک ایسی حرکت نہیں کرتا جب تک کوئی عورت میری بات ماننے سے انکار نہ کر دے۔“

”مجھے علم نہیں تھا کہ تنظیم میں ایسے چھپچھورے لوگ بھی موجود ہیں۔“

”تم اسے چھپچھورا پن کہہ رہی ہو۔ کیا میکونو کو علم ہے کہ تم بیک وقت پانچ عدد محبوب بھی رکھتی ہو۔“

”میں کہتی ہوں بکواس مت کرو.... مجھے جانے دو۔“

”گھر تک بھی نہ پہنچ سکو گی۔“

”میں یقین نہیں کر سکتی تمہاری بات پر۔“

”تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تنظیم کے بڑوں میں میرا بھی شمار ہوتا ہے۔“

”تب پھر تنظیم جلد ہی غرق ہو جائے گی۔“

”میں بذات خود ایک بہت بڑی تنظیم ہوں۔ زیرو لینڈ پر اسے اپنا بہت بڑا احسان سمجھتا ہوں

کہ اُس کے کارکنوں میں شامل ہو گیا ہوں۔“

”میں کہتی ہوں مجھے جانے دو۔“

”یہ بھی معلوم ہے کہ تمہیں جانا کہاں ہے۔“

”کیوں نہیں۔“

”تمہاری گاڑی اُس عمارت کے سامنے کھڑی ملی ہے۔ جہاں پولیس نے وانگ لین کی لاش

”بیانت کی تھی۔“

متیو ہاشی نے جبر جبری سی لی۔ ایک بار پھر اُس کی آنکھوں میں وانگ لین کے انجام کا نقشہ پُر گیا تھا۔

”میکونو کے بیان کے مطابق تم ساڑھے گیارہ بجے گھر سے باہر نکلی تھیں اور اُس نے اس بات سے لاعلمی ظاہر کی ہے کہ وانگ لین اُس عمارت میں تھا۔“

متیو ہاشی کی سانس پھولنے لگی۔

”تو پھر اب کیا ہو گا۔“

”یہ بھی میں ہی بتاؤں.... ویسے ہو سکتا ہے کوئی صورت نکل ہی آئے۔ لیکن اس کے لئے نہیں وانگ لین کی کہانی دہرائی پڑے گی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”تم اچھی طرح جانتی ہو کہ وانگ لین ہی نے تمہیں اس پر آمادہ کیا تھا۔“

”یہ غلط ہے۔“

”اچھا تو پھر تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا تھا۔ مجھے تم دونوں کی گفتگو اچھی طرح یاد ہے۔

”دوازے کے قریب ہی سے سُنی تھی۔ تم نے میرا نام لیا تھا۔ کس نے بتایا تھا تمہیں میرا نام! یہاں تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ البتہ وانگ مجھ سے اچھی طرح واقف تھا۔“

وہ کچھ نہ بولی! صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی تھی۔

”اُس نے تمہیں میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہو گا۔ اعتراف کر لو۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”مت بتاؤ۔ اب نہیں پوچھوں گا۔ لیکن تمہیں کم از کم اتنے دنوں ضرور زندہ رہنا پڑنے گا جب تک میرا دل تم سے نہ بھر جائے۔“

”تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔“ وہ نتھنے پھلا کر بولی۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مجبور کرنے کا۔“

”پھر یہ کیا بکواس ہے۔“

”خود میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”تم نے جس درندگی سے اُس کا خاتمہ کیا ہے زندگی بھر نہ بھلا سکوں گی۔“

”اتنی شرافت سے میں نے آج تک کسی کو نہیں مارا!“

”تم دیوانہ ہو۔“

”کچھ گالیاں یاد ہوں تو انہیں بھی دہرا جاؤ... سنگ کیلئے شربت کے گھونٹ ثابت ہوں گی۔“

”بے غیرت اور ڈھیٹ بھی ہو۔“

”بے غیرتی میرے لئے ایک قسم کی لذت ہے۔“

”پولیس تم تک ضرور پہنچ جائے گی۔ میرا غائب ہو جانا معمولی بات نہیں ہے۔“

”قتل کا الزام تم پر عائد ہو گا! مجھ پر نہیں۔“

”میتو ہاشی خاموش ہو گئی اور سنگ نے کہا ”اب تم خود ہی کسی کو منہ دکھانا پسند نہیں کرو گی۔“

”وہم ہے تمہارا...؟“ وہ جھنجھلا کر بولی تھی۔

”اچھی بات ہے تو جس طرح بحالت بیہوشی یہاں تک پہنچی ہو۔ اسی طرح کہیں اور!“

”بھجوائی جاسکتی ہو۔“

”کیا مطلب...؟“

”صبح کو کسی پولیس اسٹیشن کے قریب بیہوش پڑی پائی جاسکتی ہو۔“

”نن... نہیں!“

”کیا حرج ہے۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

”بڑی آسانی سے بیان دے سکو گی کہ تم وہاں وانگ لین سے ملنے گئی تھیں اور وانگ لین!

لاش دیکھ کر پلٹنے ہی والی تھیں کہ کسی نے گردن پر وار کیا اور تم بیہوش ہو گئیں۔ پھر تمہیں

نہیں ہوسکا تھا کہ پولیس اسٹیشن کے قریب کس طرح پہنچیں۔ اس طرح ایک انتہائی پراسرار

بن جائے گا اور تم کسی شے سے بالاتر ہو جاؤ گی۔“

”لیکن میرے پاس اس سوال کا کیا جواب ہو گا کہ میں کسی نامعلوم آدمی کی لاش کو وانگ

کی لاش ثابت کرنے کی کوشش کیوں کرتی رہی تھی جبکہ مجھے اس کے زندہ ہونے کا علم تھا۔“

”نہایت آسان جواب ہے اور اس سے کیس کچھ اور بھی پراسرار اور سنسنی خیز ہو جائے گا۔“

جواب یہ ہے کہ تمہاری رواں گئی سے کچھ دیر قبل اُس نے فون پر نہ صرف یہ اطلاع دی تھی کہ وہ

زندہ ہے بلکہ یہ بھی بتا دیا تھا کہ کہاں چھپا بیٹھا ہے اور اُس نے تم سے درخواست کی تھی کہ تم اُس

سے مل لو۔ کوئی اہم بات بتانا چاہتا ہے۔ پھر جب تم وہاں پہنچیں تو اُس کی لاش دیکھی۔“

”ہاں بات تو بن جائے گی۔ لیکن تمہارے ہی قول کے مطابق زندہ نہ رہوں گی۔ وہ لوگ

مجھے کب بخشش گے جنہوں نے میرے کہنے پر ایک اجنبی کو وانگ لین تسلیم کر لیا تھا۔“

”چلو تم قاتل تو ہوئیں۔“ سنگ بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

دفعۃً فون کی گھنٹی بجی تھی اور سنگ اٹھ کر میز کی طرف آیا تھا۔ ریسپور اٹھایا۔

”وہ ہولڈ آن کئے ہوئے ہے جناب“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

سنگ نے انسٹرومنٹ میں لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور ماؤتھ پیس میں بولا ”ہلو بھتیجے...!“

”کیوں یہ وقف بنا رہے ہو چچا...!“

”میں نہیں سمجھا، کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”وانگ کے ہم شہیدہ کی لاش کہاں سے پیدا کروں گا۔“

”کیوں... کیا ہوا...؟“

”یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔“

”دیکھو... جو کچھ میں نے کہہ دیا ہے اُس میں فرق نہیں آئے گا خواہ تم کوئی بہانہ تراشو!“

”میں اور بہانہ...!“ دوسری طرف سے آواز آئی ”جب بھی چاہوں تمہیں تلاش کر کے

تمہاری گردن مروڑ سکتا ہوں۔“

”کب چاہو گے۔“

”سنگ ہی...! کیا تم نے وانگ کے ہم شہیدہ کی لاش ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی تجربہ گاہ سے

غائب نہیں کرا دی۔“

”بکواس مت کرو... اگر میں نے غائب کرا دی ہوتی تو تم سے مطالبہ کیوں کرتا! پھر کہتا

ہوں کہ اس معاملے میں سنجیدگی اختیار کرو... ورنہ میں اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے بغیر نہیں

رہوں گا.... درجنوں افراد کی موت کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔“

”تم یقین کرو یا نہ کرو.... البتہ دوسری لاش تمہارے دیئے ہوئے وقت کے اندر اندر داراب ہاؤز پہنچ جائے گی۔“

”کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو کہ پہلی لاش غائب ہو گئی ہے۔“

”اگر تم کوئی حینہ دلنواز ہوتے تو دل چیر کر بھی دکھا دیتا۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ سنگ نے سلسلہ منقطع کر کے انسرومنٹ کا دوسرا بٹن دبایا تھا۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”نمبر تین سے ملاؤ۔“ سنگ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”بہت بہتر جناب!“

تھوڑی دیر بعد دوسری آواز سنائی دی تھی۔

”نمبر ون اسپیکنگ“ سنگ نے کہا۔

”لیس سر....!“

”کیا تم لوگوں نے واٹک لین کی لاش سائنٹیفک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی تجربہ گاہ سے نکالی ہے۔“

”لیس سر....! بے حد دشوار کام تھا.... لیکن بہر حال میرے آدمی کامیاب ہو گئے۔“

”تم نے اپنی مرضی سے یہ حرکت کیوں کی۔“

”اپنی مرضی سے.... نہیں جناب....! ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تھی۔“

”میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔“

”آپ نے خود مجھے حکم دیا تھا۔“

”کیوں بکواس کر رہے ہو۔“

”آپ کی آواز پہچانے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔“

”کب کی بات ہے۔“

”تین دن پہلے کی۔“

”اب وہ لاش کہاں ہے....؟“

”سردار گڑھ پہنچا دی گئی۔“

”یہ بھی میرے ہی حکم سے ہوا ہو گا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہے۔ ہاں جناب آپ ہی کے حکم سے ایسا کیا گیا ہے۔“

سنگ نے چپ چاپ ریسپور کرڈیل پر رکھ دیا.... وہ کون ہو سکتا تھا جس نے اُس کی آواز کی نقل اتار کر ماتحتوں کو حکم دیا تھا۔ سوچتا ہوا میز کے پاس سے ہٹ کر بار کے قریب پہنچا اور دو گلاسوں میں شراب انڈیلی۔ ایک گلاس بڑے ادب سے متوہاشی کو پیش کیا اور دوسرے سے خود چکیاں لینے لگا۔

متوہاشی اُسے حیرت سے دیکھے جا رہی تھی لیکن اب وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”واٹک لین نے تمہاری بڑی بھیانک تصویر پیش کی تھی لیکن تم پتہ نہیں کیا چیز ہو۔“ متوہاشی نے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

”لوگ میرے بارے میں غلط رائے قائم کرتے ہیں۔ میں تو بے حد شریف آدمی ہوں۔“

”کوئی بات ضرور ہے۔“ وہ پُر تفکر انداز میں بولی ”تھوڑی ہی دیر پہلے ایک سرد مہر قاتل کے روپ میں دیکھ چکی ہوں۔ لیکن اب محسوس ہو رہا ہے جیسے تم سے زیادہ نرم دل آدمی اس زمین پر موجود ہی نہ ہو۔“

”یہ میرے جذبے کی سچائی اور گہرائی کا اثر ہے۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے ایسا محسوس ہوتا رہا ہے جیسے اب تک محض تمہارے انتظار میں زندگی گزار رہی ہو۔“

”باتیں بھی بڑی شاعرانہ کر لیتے ہو....!“ وہ گلاس ختم کر کے مسکرائی.... پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ ”لیکن تم مجھے کیسے برداشت کرو گے، ابھی ابھی تم نے میرے پانچ چاہنے والوں کا ذکر کیا تھا۔“

”پانچ سو بھی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے.... ارے تم تو سمندر ہو سمندر، تمہاری ہر موج نئی اور اچھوتی ہے۔“

”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تمہاری فکر کا انداز اتنا آرتھک ہو گا۔“

”پھول کی خوشبو سب کے لئے ہے.... اور تم تو دامنِ نظر ہو جس میں مجھ سمیت پوری کائنات سمائی ہوئی ہے۔“

”سنگ.... سنگ....! تم جیسے وسیع النظر آدمی کی دوستی میرے لئے قابلِ فخر ہوگی۔“ وہ اپنا خالی گلاس اُس کی طرف اچھال کر مسہری پر لیٹ گئی۔

”میں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہی ہے۔“

”میں سفیر سے فون پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”وہ رہا فون۔“ عمران نے فون کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

میکو نے اُسے گھور کر دیکھا تھا اور آگے بڑھ کر سفیر کے نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔ سفیر سے

تنگو ہوئی تھی اور وہ ریسپورر رکھ کر غصے میں بھرا ہوا عمران کی طرف مڑا تھا۔

”یہ دنیا میں پہلا واقعہ ہوگا۔“ وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

”بہت آرام سے مہمانوں کی طرح رہو گے.... ورنہ آخر ہماری حکومت کس کس کی موت

کی نذر خواہی اور جواب دہی کرتی پھرے گی۔“

”کیا مطلب....!“

”وانگ لین کی طرح تم بھی مار دیئے جاؤ گے.... اور مجھے اس پر بھی یقین نہیں ہے کہ

نہاری بیوی اب تک زندہ ہی ہو۔“

”پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔“ دفعتاً وہ ڈھیلا پڑ کر بے بسی سے بولا۔

”وہ لوگ اپنے ہر اُس آدمی کا خاتمہ کر دیتے ہیں جسکی ذات سے افشائے راز کا خدشہ پیدا ہو جائے۔“

”لیکن میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”ہو سکتا ہے وہ سمجھتے ہوں کہ متیو ہاشی نے تمہیں خود شریک کیا ہوگا۔“

”ایسا نہیں ہے! اُس نے مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ کسی عالمی

تحریک سے وابستہ تھی۔ تحریک کا نام تک مجھے نہیں بتایا۔“

”وہی زیرو لینڈ کی تحریک کہلاتی ہے۔“

”تب تو پھر.... جو مناسب سمجھو کرو....!“

”وانگ لین بھی تو تحریک سے وابستہ تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا.... لیکن وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔ میں نے اُسے کبھی پسند

نہیں کیا۔“

”اُس کے فائل سے فٹنر پر ٹمٹس کا کارڈ کس نے غائب کیا تھا....؟“

”خود اُس نے کیا ہوگا.... وہ بھی عہدیدار تھا۔ فائل اُس کی پہنچ سے باہر نہیں تھا!“



وانگ لین کی لاش ملنے کے بعد اُس کے علاوہ اور کیا ہو تا کہ سفارت خانہ اپنی غلطی تسلیم کر لیتا اور غائب ہو جانے والی لاش اُس کی ہم شہیدہ قرار دے دی جاتی۔ لیکن متیو ہاشی کی گاڑی کا اُس عمارت کے سامنے پایا جانا پولیس اور سفارت خانہ دونوں کے لئے الجھن بن گیا تھا!

خود متیو ہاشی ابھی تک غائب تھی.... اُس کے بارے میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں، اور اُس کا شوہر میکو نو بالکل خاموش تھا۔ اُس نے پولیس کو صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ گیارہ بج کر کچھ منٹ پر گھر سے کہیں گئی تھی۔

رحمان صاحب کے محکمے کے آدمیوں نے پوری عمارت الٹ پلٹ کر رکھ دی تھی۔ واردات والے کمرے میں اعشاریہ دوپانچ کے پستول سے چلائی جانے والی ایک گولی بھی ملی تھی۔ لیکن وانگ لین کی کھوپڑی سے نکالی جانے والی گولی اعشاریہ تین دو کے پستول یا ریوالتور سے چلائی گئی تھی! سر سلطان کے دفتر میں عمران نے میکو نو کو گھیر لیا۔ وہ بہت زیادہ زور سے نظر آ رہا تھا۔

”زیرو لینڈ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو مسٹر میکو نو۔“ اُس نے چھوٹے ہی سوال کیا تھا۔ چونکہ کر عمران کو حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔ عمران اُسے بدستور گھورتا رہا۔

”میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”متیو ہاشی زیر نگرانی تھی۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے دھاری دار آدمی کے معاملے میں ملوث رہی ہے۔“

”پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔“

”وہی کہہ رہا ہوں جو تم سمجھنا نہیں چاہتے۔“

”دیکھو مسٹر....! متیو ہاشی ایک خود مختار عورت ہے۔ اس کے نجی معاملات میں میں کوئی سرکار نہیں رکھتا۔ اگر وہ کسی جرم میں ملوث بھی ہوئی ہے تو مجھے اس کا قطعی علم نہیں۔“

”اس کے باوجود بھی تمہیں نظر بند کیا جا رہا ہے۔“

”تمہیں اس کا حق نہیں۔“ وہ گڑبڑ بولا۔

”تمہارے سفیر کی اجازت سے....!“

”ناممکن.... سفیر کی طرف سے ایسا کوئی اجازت نامہ جاری نہیں کیا جاسکتا۔“

”کس کا طریق کار۔“

”تمہارا اور کس کا“ سر سلطان اُسے گھورتے ہوئے بولے۔

”میرا طریق کار کبھی کسی کو پسند نہیں آیا۔ لیکن میں کم سے کم وقت میں اپنا کام چلا لیتا ہوں۔“

”کیپٹن فیاض کا سراغ ملایا نہیں۔“

”جی نہیں! ہوٹل انٹرنیشنل سے اچانک غائب ہو جانے کے بعد سے پھر نہیں دیکھا گیا۔“

”فتح محمد خان کا کیا حال ہے۔“

”پہلے ہی کی طرح پُر سکون ہے اور اُسے تو اب یاد بھی نہیں کہ کچھ دنوں پہلے کیا کر چکا ہے۔“

”آخر یہ کیا چیز بنا ڈالی ہے ان لوگوں نے!۔۔۔!“

”چیز تو سمجھ میں آگئی ہے لیکن دھاریاں سمجھ میں نہیں آئیں۔“

”کیا مطلب!۔۔۔!“

”انہوں نے فتح محمد خان کو ایک ایسے آدمی میں تبدیل کر دیا ہے جو انتہائی طاقتور ہے۔۔۔۔“

ساتھ ہی بے مغز بھی ہے کہ سوچے سمجھے بغیر احکامات کی تعمیل کر سکے۔ لیکن اُس کے لئے دھاریاں کیا ضروری تھیں۔“

”ہو سکتا ہے اسے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ظاہر کرنا چاہتے ہوں۔ یہاں صرف اُس کی ہیئت بدلی گئی ہو۔ کام کہیں اور لینا مقصود ہو۔ کسی دوسرے ملک میں۔“

”ممکن ہے!۔۔۔۔!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا ”ویسے میرا خیال ہے کہ وہ انہیں کسی جنگل ہی میں استعمال کریں گے۔“

”اس خیال کی وجہ!۔۔۔۔!“

”دھاری دار آدمی کی کارکردگی کا پہلا تجربہ ساراوان کے جنگل میں کیا گیا تھا لیکن وہاں اُسے سانپ نے ڈس لیا۔ دوسرا زندہ آدمی داراب ہاؤس اس لئے لایا جا رہا تھا کہ اُسے سانپ کے زہر سے متاثر نہ ہونے کے قابل بنایا جائے۔“

”جنگل والا نکتہ غور طلب ہے۔“ سر سلطان سر ہلا کر بولے۔

”اور آپ کا یہ خیال بھی بعید از قیاس نہیں کہ وہ اُسے کسی دوسرے کرہ کی مخلوق ظاہر کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ آپ کو وہ فہم گراں تو یاد ہی ہو گا جو ڈولڈو سے ریما کی طرف آیا تھا۔“ عمران

”شکریہ۔۔۔۔ مسٹر میکونو۔۔۔۔ تمہارے آرام کا خاص خیال رکھا جائے گا۔۔۔۔ ہم نے ہنر سے یہی کہا ہے کہ تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے۔“

”لیکن یقین کرو کہ میں کسی معاملے میں ملوث نہیں ہوں۔“

پھر اُس نے میکونو کو متعلقہ آدمیوں کے حوالے کیا تھا اور خود سر سلطان کے کمرے میں چلا آیا تھا ”تم نے بہت بُری خبر سنائی ہے۔“ انہوں نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ ”لیکن مسٹر رحمان کو کیوں اندھیرے میں رکھا ہے۔“

”اُن کا تو نام ہی نہ لیجئے۔ ورنہ وہ سچ مچ پورے شہر کو کھنڈر بنوا دیں گے۔“

”کیوں حماقت کی باتیں کرتے ہو۔“

”عقل مندی کی باتیں کرنے سے میرا معدہ چوہٹ ہو جاتا ہے۔“

”تو پھر تم دوسری لاش کہاں سے فراہم کرو گے۔“

”اللہ مالک ہے۔“ عمران نے کہا۔

”پھر کہتا ہوں کہ ان حماقتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔“

”پھر اُس مردود کو کہاں تلاش کروں۔۔۔ داراب ہاؤس تو ویران پڑا ہے۔ داؤد کا بھی پتا نہیں کھلا پہنچا دیا گیا ہے۔ ویسے داراب ہاؤس کو میرے آدمیوں نے پوری طرح گھیر لے میں لے رکھا ہے۔“

”وانگ لین والا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا۔“

”سنگ کے روپے سے صاف ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے بھی اس معاملے میں چوٹ ہو گئی ہو۔ اُس نے کہا تھا کہ فنگر پرنس کے بارے میں جو مضمون پریس کو دیا جانے والا ہے رکوا دیا جائے۔۔۔ ورنہ وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔“

”اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ دوپارٹیاں ہیں جو آپس میں لڑ بھی رہی ہیں۔“

”شاید سنگ اتنا ہی وقت چاہتا تھا کہ وانگ لین کو تلاش کر کے قتل کر دے۔“

”اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ متو ہاشی دونوں پارٹیوں سے بیک وقت رابطہ رکھتی تھی۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ عمران نے پُر تفکر لہجے میں کہا ”اگر سنگ قاتل ہے وانگ

لین کا تو پھر متو ہاشی بھی اُس کے قبضے میں ہوگی۔“

”بہر حال یہ طریق کار میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”اور ڈاکٹر داور کو چوٹ ہوئی تھی۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں گہرے ٹھکر کے آثار تھے۔



پورا کمرہ مہکا ہوا تھا اور وہ خوش رنگ پھولوں والا گاؤں پہنے مسمری پر نیم دراز تھی۔ پہلے سے زیادہ حسین نظر آرہی تھی۔ آنکھوں سے گہری طمانیت کا اظہار ہوتا تھا۔

سنگ ہی مسمری سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھا شراب پی رہا تھا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ دفعۃً متوہاشی بولی ”اتنی کثرت سے پیتے ہو لیکن بیکتے نہیں۔“

”ویسا نشہ تو آج تک ہو ہی نہیں سکا جیسا عام طور پر لوگوں کو ہو جاتا ہے۔“

”واقعی حیرت انگیز ہو ہر اعتبار سے۔! اور میں گھانٹے میں نہیں رہی خواہ دس وانگ لین مار ڈالے گئے ہوں۔“

”میں تم کو یہی باور کرانے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ تم مجھے ناپسند نہیں کرو گی۔“

”تمہاری روح بے حد حسین ہے۔ آرٹ کی نظر اندرونی خطوط اور زاویے زیادہ دیکھتی ہے۔“

”اند رے تو میں اقلیدس ہوں۔“

”تم میرا مطلب نہیں سمجھو! اتنی شدید جمالیاتی حس میں نے آج تک کسی اور میں نہیں پائی۔“

”لیکن میری روح ادا سیوں کی جھیل میں غرق ہو گئی ہے۔“

”میں تمہارے اس جملے کو پیٹ کر دوں گی۔ واہ اچھوتا خیال ہے۔۔۔۔ ادا سیوں کی جھیل میں

روح کی غرقابی۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔!“

”وہ کون تھا متوہاشی جو وانگ کے نام پر بھیٹ چڑھا دیا گیا۔“

”اُس کا سوتا بھائی ہینگ فی۔۔۔۔ اُس کا ہم شکل۔“

”وانگ نے ایسا کیوں کیا۔۔۔۔؟“

”لمبی کہانی ہے۔۔۔۔! میں تمہیں سرنگی کے نام سے جانتی تھی۔ ایک بار وانگ نے بھی تمہیں

دیکھا اور سنگ ہی کے نام سے پہچان لیا۔ شاید تمہارا کبھی اُس سے جھگڑا بھی ہوا تھا۔“

”اس داستان کے لئے ”پیا ساسنڈر“ ملاحظہ فرمائیے۔“

”ہاں ہم دونوں ایک دوسرے کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن یہ پرانی بات ہوئی پھر وہ غائب

ہو گیا تھا“ سنگ نے کہا۔

”یہ میری دیوانگی ہی تھی کہ میں نے اُسے سب کچھ بتا دیا۔“

”یعنی ہمارے کسی نئے تجربے کے بارے میں بتایا تھا۔“

”ہاں۔۔۔۔ اور یہ بھی بتایا تھا کہ تمہیں ایسے آدمیوں کی تلاش ہے جن کے خون کا گروپ

”بی“ ہو۔ آرائج ٹیکٹو۔۔۔۔ ایسے ہی لوگوں پر تجربہ کیا جائے گا۔ اس نے اپنے بھائی کو پیش کر دیا۔

میں نے کہا ہو سکتا ہے تجربہ خوف ناک ہو۔۔۔۔ اُس نے کہا پرواہ نہیں، میرا ایک کام بن جائے گا

جس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ میں نے ہینگ فی کو بحالت بیہوشی تمہارے آدمیوں

کے حوالے کر دیا۔ اور نام وانگ لین بتایا۔ یہ میں نے اُسی کی ہدایت کے مطابق کیا تھا۔“

”لیکن ہوش میں آنے کے بعد اُس نے میرے آدمیوں کو اپنا نام وانگ لین ہی بتایا تھا۔“

”ہو سکتا ہے۔ وانگ لین نے اُسے یہی ہدایت دی ہو۔ بہر حال جب سر رنگی لاش دستیاب

ہوئی اور اُس کی تصویر اخبارات میں شائع ہوئی تو وانگ نے مجھے تدبیر بتائی کہ کس طرح اُسے اُس

کی لاش تسلیم کر لیا جاسکتا ہے۔ یہاں سے باہر سفر کرنے کا بہانہ تراش کر پہلے ہی روپوشی اختیار

کر چکا تھا۔ بہر حال آگے کے واقعات سے تم خود بھی واقف ہو۔ لیکن وہ مجھے اپنی اسکیم کی تفصیل

اور مقصد بتانے سے پہلے ہی مر گیا۔“

”تفصیل اور۔۔۔۔ مقصد مجھ سے سُن لو!“ سنگ طویل سانس لے کر بولا ”وانگ لین انتہائی

چالاک اور خطرناک آدمی تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی جانتا تھا کہ میں نے آج تک اپنے کسی دشمن کو زندہ

نہیں رہنے دیا۔ لہذا وہ موت کی تصدیق کرا کے مجھے مطمئن کر دینا چاہتا تھا تا کہ خود اطمینان سے مجھ

پر حملہ آور ہو سکے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس کے بھائی کے خون کا گروپ بھی وہی تھا جس

گروپ کے آدمی ہمیں درکار تھے! میں اُسے وانگ لین سمجھ کر فوراً مار ڈالتا لیکن اس تجربے کی خاطر

نذر ہنے دیا۔ پھر ہوا یہ کہ شاید وانگ لین پوری طرح ہمارے پیچھے لگ گیا اور اب تو مجھے یقین ہے

کہ اپنے بھائی کی موت میں اُسی کا ہاتھ تھا۔ اُسی نے اُسکو سارا دان کے جنگل میں سانپ سے ڈسوا یا

ہوگا۔ تم سمجھ نہیں سکتیں کہ وہ اپنی موت کی تصدیق ہو جانے کے بعد کتنا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔“

”مجھے حیرت ہے۔! لیکن کیا تم ہینگ فی کے سامنے آئے ہی نہیں تھے۔“

”کیا ضرورت تھی۔ اُس تجربے کے بعد اُسے سب کچھ بھول ہی جانا تھا۔ میں نے سوچا مگر ہے مجھے دیکھ کر ہیجان میں مبتلا ہو جائے اور اس کا تجربے پر کوئی بُرا اثر پڑے۔ لیکن میں اُسے پہچان نہ سکا۔ اس پر مجھے حیرت ہے۔ اتنی مشابہت تھی دونوں میں۔“

”اور پتا نہیں اُس نے پیارے پیگ فی کو کیا پی پڑھائی ہوگی کہ آنکھیں بند کر کے موت منہ میں چلا گیا۔“

”ختم کرو اس کہانی کو۔“ سنگ انگڑائی لے کر بولا۔

”پھر کیا باتیں کریں“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

”اوہ..... یہ تو بھول ہی گیا تھا۔ میکو نو کتنا جانتا ہے۔“

”کچھ بھی نہیں! اس کی دانست میں تو وائگ لین ایک ماہ کی چھٹی لے کر باہر گیا تھا۔“

”ٹھیک اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ سنگ نے ریسیور اٹھایا..... دوسری طرف سے آواز

آئی ”ایک تابوت داراب ہاؤز میں لایا گیا ہے۔“

”تفصیل“ سنگ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”ایک بند گاڑی کپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ چار آدمیوں نے تابوت اُتارا تھا۔ پھر وہ پلے

گئے۔ تابوت سنگ روم میں رکھا گیا ہے۔“

”بہت غور سے جائزہ لیا جائے کہ عمارت کی نگرانی تو نہیں ہو رہی۔“

”بہت بہتر جناب۔“

سنگ ہی نے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

”میرا خیال ہے کہ تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔“

”پریشان تو نہیں ہوں البتہ بہت زیادہ ذہنی جھناٹا کر رہی ہے۔ کیونکہ میرا یہ دماغ

میری طرح ہی اپنی مثال آپ ہے۔“

”کون ہے.....؟“

”علی عمران.....!“

”میرے لئے یہ نام نیا ہے۔ کیا کوئی پولیس آفیسر ہے۔“

”کچھ بھی نہیں ہے..... اور سب کچھ ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”ختم کرو..... ایک ایک گلاس اور ہو جائے۔“

”نہیں اب میں نہیں پیوں گی۔“

”سنگ نے اس بار پوری بوتل ہی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی..... متو ہاشی اُسے بہت غور سے

دیکھ رہی تھی۔

فون کی گھنٹی پھر بجی اور سنگ نے ریسیور اٹھالیا۔

”ہم نے پوری طرح اطمینان کر لیا ہے جناب۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”داراب ہاؤس کے آس پاس کوئی مشتبہ آدمی موجود نہیں ہے۔!“

”اچھی بات ہے! میں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔“ سنگ نے کہہ کر ریسیور

کریڈل پر رکھ دیا۔

”اس تجربے کا مقصد کیا ہے ڈارلنگ“ متو شی نے پوچھا۔

”یہ بات ابھی دوسرے درجے کے بڑوں تک نہیں پہنچی۔“

”تم دوسرے درجے کے بڑے ہو.....؟“

”ہاں۔“ سنگ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”اس پر تمہیں افسوس ہے۔“

”کیوں نہ ہو..... جبکہ مجھ سے بڑائی الحال اس دنیا میں اور کوئی موجود نہیں ہے۔“

”تب پھر انہوں نے تمہیں وہ مقام کیوں نہیں دیا۔“

”مجھے کون دے گا مقام! میں خود اپنا مقام بنانا ہوں“ سنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اور متو

اُٹا اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

”شاید میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی“ سنگ پھر بولا۔

متو ہاشی نے سر کو خفی جنبش دی تھی۔

”مجھ سے اونچا مقام صرف ایک فرد کو حاصل ہے اور وہ اتفاق سے عورت ہے! لیکن میں نے

اُن تک کسی عورت کی زندگی کا خاتمہ نہیں کیا۔ حصولِ اقتدار کے لئے بھی کسی عورت کی زندگی کا

خاتمہ نہیں کر سکتا..... ارے تم لوگ تو صرف پوجی جانے کے قابل ہو۔!“

”ہاں میں نے سنا تھا۔ کوئی عورت جو ٹی تھری بی کہلاتی ہے۔ تنظیم کی سربراہ ہے۔۔۔ لیکن کیا تم بھی اُس سے ڈرتے ہو۔“

”میں ہر عورت سے ڈرتا ہوں متیو ڈارلنگ۔!“

”اور ڈر کے مارے۔۔۔!“ متیو ہاشی نے جملہ پورا کئے بغیر قہقہہ لگایا۔

سنگ ہی بھی اُس کے ساتھ ہنسا تھا اور بوتل سے کئی لمبے لمبے گھونٹ لےتے تھے۔

”مجھے پھر ڈر لگ رہا ہے متیو ڈارلنگ۔“

”شٹ اپ۔!“ وہ مسکرائی بھی تھی اور آنکھیں بھی دکھائی تھیں۔

”آہا“ دفعتاً سنگ چونک کر بڑبڑایا۔ ”تابوت۔۔۔! عمران کے بچے اگر تم نے کوئی فراڈ کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔!“

اس نے اٹھ کر فون کا ریسیور اٹھایا تھا! اور انسٹرومنٹ کا ایک بٹن دبا کر ماؤتھ پیس میں بولا تھا۔ ”کال فار اسکوئیڈ۔!“

”اوکے سر۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ سنگ ریسیور کلن سے لگائے کھڑا رہا۔

”لیس سر۔۔۔۔“ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

”داراب ہاؤس کے سنگ روم میں ایک تابوت رکھا ہوا ہے۔۔۔ اسے چیک کرو۔ اگر اس میں دھاری دار آدمی کی لاش موجود ہو تو اُسے اٹھوا کر گاڑی میں رکھو اور وہاں سے روانہ ہو جاؤ۔۔۔ پھر یہ دیکھنے کی کوشش کرو کہ تمہارا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ سمجھ گئے۔“

”لیس سر۔۔۔!“ آواز آئی۔

”جب پوری طرح اطمینان ہو جائے کہ تعاقب نہیں کیا جا رہا تو اس تابوت کو نمبر سات میں پہنچا دینا۔ اور ہال کے وسط میں اُسے رکھ کر واپس چلے جانا۔“

”اگر تعاقب کیا جائے تو کیا کریں۔“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”اُس صورت میں تم اُسے پھر داراب ہاؤز واپس لے جانا اور جہاں رکھا ہوا تھا وہیں رکھ کر نمبر چار میں چلے جانا اور اس وقت تک وہیں رُکے رہنا جب تک کہ میں تمہیں کال نہ کروں۔“

”بہت بہتر جناب۔!“

ریسیور رکھ کر سنگ متیو ہاشی کی طرف مڑا۔

”یہ کس کی لاش کا قصہ ہے۔“ متیو ہاشی نے سوال کیا تھا۔
”اُسی کی لاش کا۔۔۔ جسے تم داراب ہاؤز پہنچانا چاہتی تھیں۔“
”کیا وہ مر گیا۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔! وہ بھی مر گیا۔۔۔! اوہ۔۔۔ یاد آیا۔۔۔ تم نے اُس کے سلسلے میں کہا تھا کہ وہ کسی طرح تمہارے لئے خطرناک ہو گیا تھا، اسی لئے تم نے اُسے بیہوشی کا انجکشن دے دیا تھا۔!“
”ہاں۔۔۔ ایسا ہی ہوا تھا۔“

”آخر کس رویے کی بناء پر تم نے اُسے خطرناک سمجھا۔“

”کسی اجنبی کی طرف سے کسی عورت کے لئے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟“ وہ بھنا کر بولی۔

”تفصیل متیو ڈارلنگ۔!“

”فضول باتیں مت کرو۔“ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

”خیر۔۔۔۔“ سنگ نے طویل سانس لی اور دوسری بوتل کھولنے لگا۔

”میں نے وہ لاش یہیں منگوائی ہے۔! اگر تعاقب نہ کیا گیا تو جلد ہی پہنچ جائے گی۔“ اُس نے متیو ہاشی کو اطلاع دی۔

”تو یہ نمبر سات ہے۔۔۔؟“ متیو ہاشی نے کہا۔

”تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔ ہاں میں نے فون پر نمبر سات ہی کہا تھا۔“

”لاش کا کیا کرو گے۔۔۔؟“

”اس کے رویے میں تبدیلی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے چھان بین کی جائے گی۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”جن لوگوں کے قبضے میں تھا۔ اُن کی رپورٹ کے مطابق اچانک ایک دن اُس کا دماغ الٹ گیا۔ ایک آدمی کو مار ڈالا۔ کئی دروازے توڑے۔ کئی دیواریں گرائیں۔ بالا آخر انہیں اُس کو گولی مار دی گئی تھی۔“

”وہ ایسا تو نہیں تھا۔“

”اسی تبدیلی کی وجہ دیکھنی پڑے گی۔ اُنکے بیان کے مطابق اس تبدیلی سے قبل وہ سوتا رہا تھا۔“

”اگر تمہارے آدمیوں کو تعاقب کا علم نہ ہو سکا اور پولیس یہاں پہنچ گئی تو کیا کرو گے۔“

”اس عمارت میں قدم رکھنے والا کوئی اجنبی زندہ واپس نہیں جاسکتا۔“

”اسی لئے تم مجھے یہاں لائے تھے۔“

”اپنی بات مت کرو۔“

”وانگ لین نے مجھے بتایا تھا کہ تم بے حد خطرناک ہو۔“

”ساری دنیا کی پولیس کو میری تلاش ہے۔ لیکن ابھی تک تو کسی کے ہاتھ لگا نہیں.... اگر لگا

بھی ہوں تو صرف تھوڑی دیر کے لئے۔“

”بین الاقوامی شہرت کے مالک ہو۔! وانگ لین کہہ رہا تھا کہ تم پر گولیاں اثر نہیں کرتیں۔“

اور یہ تو میں بھی دیکھ چکی ہوں۔“

سنگ نئی کھولی ہوئی بوتل سے لمبے لمبے گھونٹ لینے لگا تھا!



انہوں نے داراب ہاؤس سے تابوت اٹھایا تھا اور گاڑی میں رکھ کر شہر کی سڑکوں کے چکر لگانے

شروع کئے تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اُن کا تعاقب تو نہیں کیا جاتا۔ بڑی مشاقی کا ثبوت دیا

تھا اور تھوڑی ہی دیر میں مطمئن ہو کر نمبر سات کا راستہ لیا تھا۔

اب بھی پوری طرح ہوشیار ہی تھے۔ دونوں جانب کے عقب نما آئینوں پر نظریں جمی ہوئی

تھیں۔ بالآخر وہ اُس عمارت تک جا پہنچے تھے جو ”نمبر سات“ کہلاتی تھی.... گاڑی کمپاؤنڈ میں

داخل ہوئی اور ایک آدمی نیچے اتر کر پھانک ہی پر کھڑا رہا۔

گاڑی پورچ میں پہنچ گئی۔ پھانک پر رُک جانے والے نے پھانک بند کیا اور پورچ کی طرف

چلا آیا۔ تابوت کو گاڑی سے اتار کر وہ لوگ اندر لائے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے عمارت اُن کی دیکھی

بھالی ہوئی ہو! سیدھے ہال میں آئے تھے اور تابوت کو وسط میں رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد چپ

چاپ باہر چلے گئے تھے!

تین چار منٹ بعد ایک دروازے کا پردہ ہٹا تھا اور سنگ ہی متوہاشی سمیت ہال میں داخل ہوا

تھا۔ لیکن آگے بڑھنے کی بجائے وہیں رُک گیا۔ عجیب نظروں سے تابوت کو گھورے جا رہا تھا۔

”کیا بات ہے“ متوہاشی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں! تم یہیں ٹھہرو۔“ اُس نے کہا اور آہستہ آہستہ تابوت کی طرف بڑھنے لگا جب

بزنل بھی نکال لیا تھا۔

بائیں ہاتھ سے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا.... اور ایک دم اُچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹ آیا!

دھاری دار آدمی کی لاش اٹھ کر بیٹھ گئی تھی.... اُس نے سر گھما کر سنگ ہی کی طرف دیکھا

بہد جا کھڑا ہو گیا۔

”سوڈا ہائی کارب سلام عرض کرتا ہے۔ خواتین و حضرات!“ اُس نے سپاٹ لمبے میں کہا تھا۔

”تم زندہ ہو۔“ سنگ نے مزید دو تین قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں زندہ ہوں۔“

”لیکن مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گولی ماری گئی۔“

”مجھے گولی نہیں ماری گئی۔“

”کیا تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔“

”کہاں سے آئے ہو....؟“

”وہاں سے....!“

”جگہ کا نام بتاؤ۔“

”جگہ کا نام میں نہیں جانتا۔“

”کن لوگوں میں تھے۔“

”میں نہیں جانتا۔“ اُس نے کہا اور تابوت سے باہر نکل آیا۔

”وہیں کھڑے رہو۔“ سنگ نے اُس کی توجہ پستول کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا!

”تم بہت دبلے ہو.... اور بہت لمبے بھی۔“ دھاری دار آدمی بولا۔

”اچھا تو پھر....؟“

”مجھ سے کہا گیا ہے کہ بہت دبلے اور بہت لمبے آدمی کو پکڑ کر اس صندوق میں بند

کرلو۔“ اُس نے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔

”خبردار.... وہیں ٹھہرو.... ورنہ فائر کر دوں گا۔“

”گرو فائر....!“ وہ آگے بڑھا۔

”سنگ چھلانگ مار کر پیچھے ہٹا تھا! اور متو ہاشی نے چیخ کر کہا تھا۔

”مار دو گولی....!“

”تم چلی جاؤ یہاں سے“ سنگ ہی نے اُس کی طرف مڑے بغیر کہا!

لیکن وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

”رک جاؤ.... میری بات سنو۔“ سنگ نے دھاری دار آدمی سے کہا۔

وہ رک کر کسی بُت کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا۔ پھر سنگ نے متو ہاشی سے پوچھا

”کیا تم چلی گئیں۔“

”نہیں....!“ متو ہاشی نے جواب دیا۔

”میرے قریب آ جاؤ۔“

”نن.... نہیں.... میں یہیں ٹھیک ہوں!“ متو ہاشی نے جواب دیا اور اس جواب پر نہ جانے

کیوں سنگ نے دانت پیسے تھے، پھر دھاری دار آدمی سے بولا تھا۔ ”جہاں کھڑے ہو.... وہیں

ٹھہرو.... تھوڑی دیر بعد میں خود کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ مجھے پکڑ کر صندوق میں بند کر دینا!“

”بہت اچھا!“ اُس نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

سنگ پلٹ کر تیزی سے متو ہاشی کے پاس پہنچا!

”میں اسے گولی نہیں مار سکتا۔“ اُس نے آہستہ سے کہا ”خاصی رقم خرچ ہوئی ہے اس تجربے پر!“

”تو پھر میں کیا کروں۔ کہیں وہ سچ مچ تمہیں پکڑ کر تابوت میں بند ہی نہ کر دے۔“

”اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم آگے بڑھ کر اُسے باتوں میں الجھاؤ.... اور میں اُسے قاتل

کر لینے کی تدبیر کروں۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو!“

”اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم اُسے باتوں میں الجھا سکو گی!“

”میں اُس کے قریب نہیں جاؤں گی۔ تمہیں بتا چکی ہوں۔“

”میں بھی یہیں موجود ہوں۔ تم ڈرتی کیوں ہو!“

”کچھ بھی ہو.... میں اُس کے قریب نہیں جاؤں گی۔ کیا تم اُسے زیر نہیں کر سکتے لو!

پڑو۔ وانگ لین نے تمہاری بے پناہ قوت کا بھی ذکر کیا تھا!“

”میں بے چارہ کیا چیز ہوں.... اسے تو دس ہاتھی بھی زیر نہیں کر سکیں گے۔“

”بہر حال! میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔!“

”ادھر دیکھو....!“ سنگ نے متو ہاشی کا بازو پکڑ کر دھاری دار آدمی کو آواز دی۔

”دیکھ رہا ہوں۔“

”یہ عورت تمہیں کیسی لگتی ہے۔“

”اچھی لگتی ہے۔“

متو ہاشی نے بائیں ہاتھ سے سنگ ہی کے گال پر تھپڑ رسید کیا تھا۔ لیکن وہ اپنا بازو نہیں چھڑا

سکی تھی۔ انگلیاں گوشت میں پیوست ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

”مجھے چھوڑ دو کتے ذلیل.... ذلیل....!“

”اچھی لگتی ہے تو سنبھال لو اسے....!“ سنگ اُسے دھاری دار آدمی کی طرف گھینٹتا ہوا بولا۔

”ٹھہر جاؤ۔“ دھاری دار آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا ”مجھ سے عورت کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا!“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے! میں کہہ رہا ہوں۔“

”مجھے سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ تمہارا کہنا نہ مانوں۔“

سنگ نے متو ہاشی کا بازو چھوڑ دیا.... لیکن متو ہاشی وہاں سے بھاگ کھڑی ہونے کی بجائے

سنگ ہی پر ٹوٹ پڑی۔

”ارے.... ارے....!“ سنگ اُسے خود سے الگ رکھنے کی کوشش کرنے لگا! لیکن وہ اُس

سے بُری طرح چٹ گئی تھی اور اب دھاری دار آدمی نے بھی انکی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

”ٹھہر جاؤ.... تم وہیں ٹھہرو....!“ سنگ نے چیخ کر کہا۔

لیکن وہ آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھتا ہی رہا۔ دفعتاً متو ہاشی لہر اُگر گری تھی اور سنگ اچھل

کر بھاگا تھا.... دھاری دار آدمی نے بھی چھلانگ لگا لی تھی لیکن دروازے سے نہ گزر سکا! اچھل کر

دھڑام سے فرش پر آگرا تھا.... پھر بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

چند لمحے کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا تھا۔ پھر اسٹول پر رکھے ہوئے بڑے بے پیتل کے گلدان کو

اٹھا کر دروازے کی طرف اچھال دیا تھا۔ لیکن اُس کا بھی دھڑکا ہوا جو خود اُس کا ہوا تھا۔ یعنی

دروازے سے گذر جانے کی بجائے وہاں سے پلٹ کر پھر ہال میں آگرا تھا۔

”نہیں میں نہیں پہچان سکا۔“

”تم نے مجھے لالہ زار ہوٹل میں دیکھا تھا۔“

”مجھے یاد نہیں۔“

”اب وہ تمہیں پکڑنا چاہتا ہے! مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں باتوں میں الجھاؤں تاکہ وہ تم پر

قابو پاسکے.... لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔“

”تم بیہوش کیسے ہو گئی تھیں۔“

”اُس نے میری ریڑھ کی ہڈی پر ایک جگہ دباؤ ڈالا تھا اور میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا

تھا.... میری بات سنو.... کیا تم چچ اُچے سے پکڑ کر تابوت میں بند کر دو گے۔“

”مجھ سے یہی کہا گیا ہے۔“

”اچھا تو میں ایک تدبیر بتاتی ہوں....! تم پھر تابوت میں لیٹ جاؤ۔ وہ آئے گا تو اُسے بتاؤں

گی کہ تم خود تابوت میں جا لیٹے تھے! مجھ سے کہا تھا کہ نیند آرہی ہے۔“

”اس سے کیا ہو گا....!“

”جیسے ہی وہ تابوت کے قریب جا کر کھڑا ہو، پکڑ لینا۔“

”بہت اچھا....!“ اُس نے سر ہلا کر کہا اور تابوت کی طرف مڑ گیا۔

پھر وہ چپ چاپ اُس میں لیٹ گیا تھا۔ ڈھکنا کھلا ہی رہا۔ متو ہاشی جہاں تھی وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد سنگ اُسی دروازے کے سامنے کھڑا نظر آیا جس سے فرار ہوا تھا۔

”وہ کہاں گیا....!“ اُس نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

متو ہاشی آہستہ آہستہ اُس کی طرف مڑی اور بولی ”تم سے بڑا بے غیرت بھی آج تک میری

نظروں سے نہیں گزرا....!“

”غیر سائنٹیفک باتیں مت کرو۔ بتاؤ وہ کہاں ہے۔“

”تابوت میں سو رہا ہے....! جو تم نے چاہا تھا۔ وہی ہوا.... پھر بولا مجھے نیند آرہی ہے اور

تابوت میں لیٹ کر سو گیا۔“

”ویری گڈ....! اس صدی کا سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے تم نے۔ اب میں دیکھوں گا

کہ وہ تمہاری سزائے موت کیسے منسوخ نہیں کرتے۔“

باری باری سارے دروازوں کو اسی طرح آزمایا تھا۔ لیکن گلدان کسی سے بھی نہ گزر سکا۔

سنگ ایک دروازے کے سامنے کھڑا اُس کی حرکتیں دیکھے جا رہا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہو۔“ اُس نے چیخ کر کہا۔

”کچ کچ کچا۔“ دھاری دار آدمی بولا۔

”کیا کہہ رہے ہو میں نہیں سمجھا۔!“

”جی جی چیاٹ.... چانچ.... چر سانا....“ کہہ کر وہ متو ہاشی کے قریب جا بیٹھا.... اور

اُسے ہلانے جلانے لگا لیکن بڑی آہستگی سے۔

”ہاں ہاں.... تم اس سے جی بھلاؤ.... میں تمہارے ناشتے کا انتظام کرتا ہوں۔“ سنگ نے

کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ متو ہاشی زندہ تھی۔ لیکن ہوش میں نہیں تھی۔ پھر شاید دو تین منٹ بعد

اُس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اُسے قریب بیٹھا دیکھ کر خوف زدہ انداز میں چیخنے لگی تھی۔

”ذرو نہیں....!“ وہ آہستہ سے بولا ”میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔“

”وہ.... وہ.... سور کہاں گیا....!“

”میں نہیں جانتا۔“

متو ہاشی اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑی تھی اور پھر اُسی کی طرح اُچھل کر ہال میں آگری تھی۔

پھر اُس کی خوف زدہ سی چیخیں کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں۔! دھاری دار آدمی

خاموش بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔ اٹھانے کے لئے آگے نہیں بڑھا تھا۔ آخر کار متو ہاشی نے کسی نہ کسی

طرح اپنی غیر ارادی چیخوں پر قابو پایا تھا اور خود ہی اٹھ بیٹھی تھی۔

”کسی نظر نہ آنے والی قوت نے مجھے بھی اُسی طرح اٹھا کر پھینک دیا تھا۔“ دھاری دار آدمی

بولا ”تم کسی بھی دروازے سے باہر نہ نکل سکو گی۔“

”تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا تھا مجھے۔“

”بھول گیا تھا۔“

”تم اُسے پکڑ کر تابوت میں بند نہیں کر سکو گے۔“

”کوشش تو کرتا ہی رہوں گا۔ مجھ سے یہی کہا گیا ہے۔“

”کیا تم واقعی مجھے نہیں پہچان سکتے۔“

”مگر تم رہو گے سو رکے بچے ہی....!“ وہ بھنا کر بولی۔

”اس سے میری صحت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

متیو ہاشی بڑی روانی سے اُسے گالیاں دیتی رہی تھی۔ اور اس نے بائیں جانب ہٹ کر دیوار پر لگا ہوا ایک پادر سوئچ آف کیا تھا۔ پھر دروازے سے گزر کر ہال میں داخل ہوا۔ متیو ہاشی جہاں تھی وہیں بیٹھی رہی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا تابوت کے قریب پہنچا اور جھک کر دیکھنے لگا۔ بجلی کی سی سرعت سے دو ہاتھ اوپر اٹھے تھے اور اُس کی گردن پکڑ کر اُسے تابوت میں کھینچ لیا تھا۔ اور پھر سنگ کی ریڑھ کی ہڈی چننے لگی تھی۔

”دھوکا.... دھوکا....“ سنگ حلق پھاڑ کر چیخا۔ ”یہ تم ہو خبیث تہ تو م....!“

دفعۃً اُس کی آواز گھٹ کر رہ گئی.... دھاری دار آدمی اُچھل کر تابوت کے باہر آیا اور بڑی پھرتی سے اُس کا ڈھکنا بند کر کے کنڈی لگادی۔

”بہت اچھے....!“ متیو ہاشی اُس کے قریب پہنچ کر بولی ”اب میں خود کو تمہارے حوالے کر سکتی ہوں۔“

”تمہارا کیا میں اچار ڈالوں گا۔“ دھاری دار آدمی نے کہا۔

”مم مطلب.... یہ کہ.... ہوٹل لالہ زار میں تم نے مجھے دوسری نظروں سے دیکھا تھا۔“

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اتنا کمینہ ہوں۔“

”تو کیا تمہاری یادداشت واپس آگئی ہے۔“ متیو ہاشی نے حیرت سے کہا۔

”کھوئی کب تھی۔“

”تمہارا کیا نام ہے۔“

”فتح محمد خان....!“

”بڑی عجیب بات ہے....؟ کیا تم نے اُسے مار ڈالا۔“

”نہیں....! جس طرح اُس نے تمہاری ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ ڈال کر تمہیں بیہوش کیا تھا اسی

طرح میں نے بھی کردیا۔“

”اب کیا کرو گے۔“

”اے یہاں سے نکل جاؤں گا۔“

”کہاں لے جاؤ گے۔“

”انہی لوگوں کے پاس جنہوں نے مجھے یہاں بھیجا تھا۔“

”خام خیالی ہے تمہاری.... اس کی مدد کے بغیر تم عمارت سے باہر نہیں نکل سکتے۔!“

”پھر تم نے مجھے اس کے پکڑنے کی تدبیر کیوں بتائی تھی۔“

”اس پر غصہ آگیا تھا۔ جواب فرو ہو چکا ہے۔“

”یہاں کتنے آدمی ہیں۔“

”ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا.... لیکن ٹھہرو.... میں ذرا ایک بار اور دیکھ آؤں۔“

”میں بھی چل رہا ہوں۔“ دھاری دار آدمی نے کہا۔

”اوہ.... ادھر دیکھو.... ڈھکنا ابھی ہلا تھا۔“ متیو ہاشی نے تابوت کی طرف اشارہ کر کے

کہا ”وہ شاید ہوش میں آ رہا ہے۔“

”وہ تابوت کی طرف مڑا ہی تھا کہ متیو ہاشی چھلانگیں مارتی ہوئی ہال سے باہر نکل آئی اور بہت کر وہ سوئچ آن کر دیا جسے آف کر کے سنگ کو اندر آتے پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔

دھاری دار آدمی نے اُس کے بعد دوڑ لگائی لیکن دروازے کے قریب پہنچتے ہی اچھل کر پھر لائیں جا کر۔ متیو ہاشی سانسے کھڑی نرئی طرح ہنس رہی تھی.... دھاری دار آدمی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

”اس سے بگاڑ کر میں نے غلطی کی تھی۔“ متیو ہاشی نے کہا ”اگر تم نے اُسے کوئی نقصان پہنچایا انہی تمہیں مار ڈالوں گی۔“

”اے عورت....! آخر اس کیچوے میں کیا رکھا ہے۔“ دھاری دار آدمی نے پوچھا۔

”اگر تم غیر معمولی طور پر طاقتور نہ بنادئے گئے ہوتے تو وہ تمہاری ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا۔“

”کیا وہ تمہارا شوہر ہے۔“

”نہیں میرا محبوب ہے۔“

”کب سے....!“

”تم تو اس قسم کے سوالات کر رہے ہو جیسے مجھ سے بھی واقف ہو اور اس سے بھی۔“

کرتا۔ ”دھاری دار آدمی نے کہا۔

”کیا تم لوگ اُس لاش کو شہد لگا کر چانو گے۔“

”لاش ہاتھ آگئی ہوتی تو خطرہ مول کیوں لیتا۔“ اُس نے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا مطلب....!“ ”سنگ اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”جہاں دفن کی تھی وہاں سے غائب ہو گئی۔“

”عمران....! تم مجھے یہ قوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ مجھے۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے!“ ”متو ہاشی جیٹی۔“ میں نے سوچ کر آن کر دیا ہے۔ وہ باہر نہیں نکل سکے گا۔“

”بکواس بند کرو.... یہ وہ نہیں ہے“ ”سنگ غصیلے لہجے میں بولا۔

”تم نے مجھ سے فراڈ کیا تھا۔“

”میں نے کیا فراڈ کیا تھا۔“ متو ہاشی بھنا کر بولی۔

”تم نے مجھے جو کچھ باور کرانے کی کوشش کی تھی، وہ اس بد نصیب پر سراسر بہتان تھا۔ اس

کی تو یہ اداکاری بھی نہیں کر سکتا۔“

”کیوں شرمندہ کر رہے ہیں چچا جان....!“ ”عمران آہستہ سے بولا۔

”مت بکواس کرو.... بتاؤ.... وہ لاش کہاں ہے۔“

”وہ لاش مجھے سینکڑوں زندہ افراد سے زیادہ عزیز نہیں ہو سکتی۔“ ”عمران نے کہا اور ریوالبور اُسکی

طرف اچھالتا ہوا بولا۔ ”سنجھا لو اسے.... مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اب تم شوق سے گولی مار سکتے ہو۔“

سنگ نے ریوالبور ہاتھوں پر روک کر جیب میں ڈال لیا تھا۔

کچھ دیر وہ دونوں ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے پھر سنگ ہی نے متو ہاشی سے

کہا ”سوچ آف کر دو۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“ ”متو ہاشی بولی۔

تمہیں اس کا اصل چہرہ دکھانا چاہتا ہوں۔ بہت خوبصورت ہے۔ فوراً مر مٹو گی۔“ ”سنگ نے

بھنا کر کہا۔

”یعنی جنگ ختم ہو گئی۔“

”تم بکواس کئے جاؤ گی۔ میں کہتا ہوں سوچ آف کر دو۔“

”میں عورت اور مرد جانتا ہوں۔ تم عورت اور مرد لیکن تم ہر گز ایسی عورت نہیں
وہ مرد ہے.... لہذا تم دونوں کا ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔“

”میں کیسی عورت ہوں۔“

”بے حد خوب صورت.... پھولوں کی شہزادی لگتی ہو۔ تمہارے لئے کوئی پری زلا ہونا چاہیے

”اے کیوں بکواس کر رہا ہے۔“ ”تابوت کے اندر سے گھٹی گھٹی سی آواز آئی اور اس کا بازو

پلٹنے لگا۔ پھر تابوت کے اندر ہی سے فار ہوا تھا اور دھاری دار آدمی اچھل کر ایک طرف ہڑ

تھا.... تابوت میں اُس جگہ سوراخ ہو گیا تھا جہاں سے گولی چلائی گئی تھی۔

”سنگ!“ ”دفن متو ہاشی نے چیخ کر کہا“ ”میں نے اسے ہال ہی تک محدود کر دیا ہے۔ میں

اُس سوچ کو دیکھ لیا تھا.... خود ہال سے نکل گئی ہوں۔ کیا میری آواز تم تک پہنچ رہی ہے۔“

پتا نہیں سنگ نے سنا بھی تھا یا نہیں لیکن اس بار اُس نے اندر سے تابوت کی کنڈی پر ہاتھ

تھا.... شاید دھاری دار آدمی نے بھی اُسے محسوس کر لیا تھا کہ یہ فار بے مقصد نہیں تھا

نے تیزی سے پوزیشن بدلی تھی۔

”ٹھیک ہے کنڈی پر فار کئے جاؤ۔“ ”متو ہاشی پھر جیٹی تھی۔

اور دوسرا فار بھی کنڈی ہی پر ہوا تھا۔ کنڈی نکل گئی۔ ڈھکنا تیزی سے کھلا تھا۔ لیکن دھاری

دار آدمی اُس سے پہلے ہی ڈھکنے کے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ اس طرح سنگ ہی کو چوتھے فار کا موقع

مل سکا۔ دھاری دار آدمی نے اُس کے ریوالبور والے ہاتھ پر جو ڈوکا دیا تھا۔

ریوالبور اچھل کر دور جا پڑا.... اور پھر اُس نے سنگ کو نظر انداز کر کے ریوالبور کے لئے

لگائی تھی.... اور اُسے اٹھالینے میں کامیاب بھی ہو گیا۔ سنگ نے اُس پر جھلانگ لگائی لیکن

کی گرفت میں نہ آ سکا۔

”بس....“ ”دھاری دار آدمی نے پھرتی سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا“ ”ٹھہر جاؤ ابھی اسٹاپ

گولیاں باقی ہیں۔“

”اس حرکت پر میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔“ ”سنگ اُسے گھورتا ہوا بولا۔ وہ چلا

وہیں رُک گیا تھا۔

”وہی صورتیں تھیں.... یا اس عمارت کو بم سے اڑا دیتا یا پھر تمہیں پکڑنے کی کوشش

”اور تم اُسی عورت کے ساتھ عیش کر رہے تھے“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔
 ”ہائے جیتجے.... تم عورت کے مقام سے نا آشنا ہو.... وہ اُس وقت بھی عورت ہی ہوتی
 ہے جب گردن پر چھری پھیر رہی ہوتی ہے۔“

پھر اُس نے بہت زور سے ”عورت“ کا نعرہ لگایا تھا اور سینہ پیٹ پیٹ کر تاپنے لگا تھا۔
 عمران کھڑا ہنسا رہا.... دفعتاً میتو ہاشی پھر دروازے پر نظر آئی۔
 سنگ ناچتا رہا.... عمران نے اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر زور لگایا تھا اور چہرے پر چڑھا ہوا
 رنگین دھاریوں والا پلاسٹک کا خول اتر گیا تھا۔

”نہیں۔“ میتو ہاشی اچھل کر چیچی تھی.... ”یہ تو.... وہ عمران ہے۔“
 ”کون عمران۔“ سنگ رک کر غرایا اور اُسے گھورنے لگا....!
 ”مپ ٹاپ ٹائٹ کلب میں اس کی حماقتوں کے چرچے ہیں۔ وہیں کئی بار دور سے دیکھا تھا۔“
 ”اب تو قریب سے بھی دیکھ لیا.... سوچ آف کر دو۔“ سنگ نے نرم لہجے میں کہا۔
 ”فون کام نہیں کر رہا۔ لائن ڈیڈ ہو گئی ہے....!“
 ”سوال تو یہ ہے کہ تم کسے مطلع کرتیں۔“
 ”نمبر تین کو....!“

سنگ نے قہقہہ لگا کر کہا ”یو قوف عورت وہ میرے چارج میں ہیں۔ مجھے مطلع کر دیں گے کہ
 متو ہاشی نامی عورت کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا ہے! تم میرے علاوہ اور کسی بڑے کو نہیں جانتیں۔“
 ”پھر میں کیا کروں....!“ وہ مایوسی سے بولی۔

”سوچ آف کر دو۔“
 ”تم مجھے مار ڈالو گے۔“
 ”ہاتھ ٹوٹ جائیں میرے اگر آج تک کسی عورت پر اٹھے ہوں۔“
 ”خواہ اُس نے کچھ بھی کر ڈالا ہو۔“

”ہاں میری جان۔“
 ”ٹھیک کہہ رہے ہیں چچا جان۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میں نے انہیں عورتوں سے جو تیاں
 کھاتے بھی دیکھا ہے۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ میتو ہاشی ہنس کر بولی ”پہلے تم بتاؤ کہ یہ کون ہے۔“
 ”میرا سب سے خطرناک دشمن علی عمران جس کا ذکر میں تم سے کر چکا ہوں۔“
 ”اور تم نے ریوالور جیب میں ڈال لیا ہے۔“

”دو عدد کار تو س نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ اس کا! اسی لئے اس نے ریوالور میرے
 حوالے کر دیا ہے۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو.... یہ پولیس کا آدمی ہے! ورنہ اس روپ میں کیسے آسکتا۔“
 ”میں جانتا ہوں ”سنگ نے کہا“ تم سوچ آف کر دو۔“
 ”تو گویا تم پولیس سے مل گئے ہو!“

”تیرا دماغ تو نہیں چلا گیا....! میں کہتا ہوں سوچ آف کر دو۔“
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ بہترین موقع ہاتھ آیا ہے کہ میں دوسرے بڑوں کو مطلع
 کر کے اپنا قصور معاف کرالوں۔“
 ”کس بات سے مطلع کر کے۔“

”سنگ ہی نے غداری کی ہے۔ پولیس سے مل گیا ہے! تنظیم کو نقصان پہنچائے گا۔“ کہہ کر وہ
 مڑی تھی.... اور نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

”عبرت.... عبرت۔“ عمران درد ناک لہجے میں بولا ”وانگ لین کے ساتھ ہی اسے بھی
 روانہ کر دیا ہوتا.... مگر تمہارا اندیدہ پن نہیں جاتا۔“

”اس پائے کی کتیا آج تک میری نظروں سے نہیں گزری.... اگر اُس نے سوچ آف نہ کیا
 تو یہاں سے نکلنا ناممکن ہو گا۔“

”ویسے کیا یہ تنظیم میں کوئی ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ تمہارے نام سے بھی واقف ہو جاتی۔“
 عمران نے سوال کیا۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اُسے وانگ لین نے میرا نام بتایا تھا۔“ سنگ نے کہا.... اور پھر
 وانگ لین کی کہانی دہراتا ہوا بولا ”اگر تم نے وانگ لین کے سلسلے میں چھان بین نہ کر ڈالی ہوتی اور
 مجھے آگاہ نہ کر دیتے تو وہ لوٹری کا پچھ میری لائسنس میں مجھ پر حملہ آور ہوتا اور شاید اس وقت
 میری لاش کہیں پڑی سڑ رہی ہوتی۔“

”اے توجپ رہ....!“ سنگ بھنا کر بولا۔

”تمہاری بات میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے بطور حوالہ عرض کر دیا تھا۔“

متو ہاشی کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر سوچ آف کرنے لگی۔

”تم اُسے بیہوش کر دینا۔“ سنگ نے آہستہ سے عمران کے کان میں کہا تھا۔

”آکھ مار کر۔“ عمران نے پوچھا۔۔۔ پھر بولا ”ہاتھ تو میرا بھی نہیں اٹھ سکتا کسی عورت پر۔“

”حرامی پن نہیں۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔“

وہ ہال سے باہر آئے تھے۔ اچانک سنگ ایک بار پھر عمران پر ٹوٹ پڑا تھا۔ عمران گڑبڑا

گیا۔۔۔ وہ تو اُسی کے کہنے کے مطابق متو ہاشی کو بیہوش کر دینے کی گھات میں تھا۔۔۔ پھر بھی اُس

نے کنائی کاٹ کر متو ہاشی کے شانے پکڑ لئے اور اُسے ڈھال بنائے ہوئے سنگ سے بولا ”بس زور

ہی رہنا مجھ سے ورنہ میں تو صرف چٹنی بنانا جانتا ہوں یہ دیکھے بغیر کہ زہے یا مادہ۔“

”میں تو مذاق کر رہا تھا“ سنگ نے پلٹا کھایا ”یہ چینی کی گڑیا بہت نازک ہے اسے اس

بے دردی سے جھکولے مت دو۔“

عمران اُسکی بات کا جواب دینے کی بجائے بوکھلا کر ہال کے اندر دیکھنے لگا۔ غیر ارادی طور پر سنگ

بھی ادھر مڑا ہی تھا کہ عمران نے متو ہاشی کو ایک طرف ہٹا کر زور دار لات اُسکی کمر پر سید کی۔

اچھل کر دروازے سے گزرتا ہوا ہال میں جا پڑا۔ پھر قبل اسکے کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکتا

عمران نے جھپٹ کر وہی سوچ آن کر دیا۔ جسکی کارکردگی کچھ دیر قبل اسکا بھی راستہ روک چکی تھی۔

اس کے بعد اس نے متو ہاشی کے دونوں ہاتھ پکڑے تھے اور منہ سے تال دے کر ناپنے لگا

تھا۔ کبھی گھیار کی آواز نکالتا اور کبھی بوگھوکی۔ متو ہاشی متحیرانہ انداز میں اس کا ساتھ دینے جاری

تھی۔ سنگ ہی دروازے کے قریب کھڑا دانت پیتا رہا۔

”اب کیا خیال ہے بھتیجے کے چچا“ عمران نے ہنس کر پوچھا۔

”میں تجھے فنا کر دوں گا۔“

پتہ نہیں کیوں اس بار عمران کے ساتھ متو ہاشی نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔۔۔ سنگ انہیں

گھور تارہا کچھ بولا نہیں۔

”اب میں تم سے وہ دونوں لاشیں وصول کروں گا۔“ دفعتاً عمران نے کہا۔

”اگر مجھے اُن کے بارے میں کچھ معلوم ہو گا تو ضرور وصول کر لو گے۔“

”عالمًا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ لاشوں کے غائب ہو جانے میں تمہارا ہاتھ نہیں تھا۔“

”بو اس بند کرو۔ کیا میں تمہیں یقین دلانے بیٹھوں گا کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔“

تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔“

”یہ ہے میری حیثیت“ عمران متو ہاشی کی طرف اشارہ کر کے بولا تھا اور سنگ نے اُسے ایک

ٹڈی سی گالی دی تھی۔

”تم نے تین قتل کئے ہیں میرے ملک میں۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”ابھی تین ہزار اور کروں گا۔“

”سنو....! میری بات سنو۔“ متو ہاشی عمران کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے جانے کی کوشش کرتی

ہوئی بولی۔ سنگ نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری تھی اور وہ بوکھلا کر عمران کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”میں تم سے کوئی فریب نہیں کروں گی۔“ وہ آہستہ سے بولی ”اُسکی حرکتوں پر دھیان نہ دو۔“

وہ اُسے کشادہ راہ داری کے سرے پر لے گئی تھی۔

”اب یہاں سے جتنی جلد ممکن ہو نکل چلو۔“ متو ہاشی نے کہا۔

”اسے یہاں چھوڑ کر نہیں جاسکتا! ساتھ لے جاؤں گا۔“

”اگر کچھ لوگ پہنچ گئے تو....؟“

”دیکھا جائے گا.... فون کہاں ہے۔“

”فون کو تو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔“

”کیوں....؟“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”کالیں براہ راست نہیں ہوتیں۔ یہاں سے کہیں اور جاتی ہیں۔ جہاں سے انہیں ڈاکٹر

لیا جاتا ہے اور پھر لائن بھی ڈیڈ ہو گئی ہے۔“

”شکریہ متو ہاشی۔“

”کس بات کا شکریہ۔“

”اس اطلاع کا۔“

”میں ان لوگوں سے بیزار ہو گئی ہوں....! میری مدد کرو، میں نے تمہیں ٹپ ٹاپ میں بارہا

دیکھا ہے۔ لیکن تعارف نہ ہونے کی بناء پر کبھی مل نہیں سکی۔ ویسے دل چاہتا تھا.... اودہ وہ دیکھو.... وہ تابوت کا ڈھکنا اٹھا رہا ہے۔“

عمران تیزی سے ہال کے دروازے کی طرف مڑا۔ سنگ ڈھکنا اٹھا کر تابوت میں داخل ہو گیا تھا۔ پھر شاید ڈھکنا بند کیا تھا۔

عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن فرط حیرت سے زبان لڑکھڑائی۔

پھر اچانک تابوت فرش میں دھسنے لگا تھا۔ تابوت کے حجم سے بڑا خلا فرش کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ عمران نے لپک کر سوچ آف کر دیا۔ لیکن جتنی دیر میں تابوت تک پہنچتا فرش برابر ہو چکا تھا۔ شاید اس سے پہلے ہی پہنچ جاتا اگر اس چکر میں نہ پڑ گیا ہو تاکہ متو ہاشی کو ہال کے باہر نہ چھوڑے۔ اُس کا بازو پکڑ کر اسے بھی ساتھ لے چلا تھا۔

”چلو اب نکلیں یہاں سے۔ وہ تو گیا ہاتھ سے۔“ عمران اُسے دوبارہ دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

”اب کیا ہو گا۔“ وہ منمنائی۔

”تمہاری حفاظت کی جائے گی۔ فکر نہ کرو۔ باہر نکلنے کی کوشش کرو۔“

کسی نہ کسی طرح وہ صدر دروازہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے جو مقفل نہیں تھا۔ باہر نکلے.... خاصی بڑی اور سرسبز کمپاؤنڈ تھی۔

”اب مجھے یاد آیا۔“ متو ہاشی نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”اُس نے اپنے آدمیوں کو فون پر خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ تابوت کو ہال کے وسط میں رکھا جائے۔“

”جتنی جلدی ممکن ہو اس عمارت سے دور نکل چلو۔“

”کک.... کیوں....!“ وہ ہکٹائی۔ لیکن عمران بڑی پھرتی سے نیچے جھکا اور اُسے اٹھا کر کاندھوں پر ڈال لیا۔ پھر وہ احتجاج کرتی رہ گئی تھی اور اس نے پھانک کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ پھانک سے گزر کر سڑک پر نکل آیا۔ لیکن وہ بدستور اُس کے کاندھے ہی پر پڑی رہی۔ جتنا تیز دوڑنا ممکن تھا اُس میں کوتاہی نہیں ہو رہی تھی۔

”یہ کیا بیہودگی ہے....“ متو ہاشی جھلا کر بولی ”اتار دو مجھے لوگ دیکھ رہے ہیں۔!“

مجھے بھی ڈر ہے کہ کہیں... لوگ.... انو بالجر نہ سمجھ لیں۔“ عمران رک رک کر بولا تھا۔ واقعی کچھ لوگ شور مچاتے ہوئے اُن کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ عمران بڑبڑایا۔

جواب میں وہ کچھ کہنے ہی والی تھی.... کہ ایک زور دار دھماکا ہوا اور وہ عمران کے کاندھے سے پھسل کر زمین پر آ رہی.... اُن کے پیچھے دوڑنے والے بوکھلا کر تتر بتر ہو گئے تھے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا تھا۔ چاروں طرف بھگدڑ پڑ گئی۔ لیکن عمران کو متو ہاشی کی سدھ رہی تھی.... اُس نے اُسے جھٹکنے کے ساتھ اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر دوڑنے لگا تھا۔

”میں گر جاؤں گی.... میں مر جاؤں گی۔“ وہ چیختی جا رہی تھی۔

بدقت تمام وہ ایک ٹیکسی تک پہنچے تھے۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور بھی بدحواس نظر آ رہا تھا۔ ”بم پھٹا ہے شاید۔“ عمران نے اُس سے کہا۔ ”اس کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ دل کی مریضہ ہے.... چلے چلو بھائی۔“

ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

”یہ کیا تھا۔ یہ کیا ہوا....؟“

”سنگ نے عمارت تباہ کر دی....! مجھے خدشہ تھا اسی لئے اس طرح بھاگا تھا۔“

”خدا کی پناہ.... اب کیا ہو گا....؟“

”فکر مت کرو.... میکونو بھی ہمارا مہمان ہے۔! تم بھی آرام سے رہو گی۔“

”میں نہیں سمجھی....! تم کیا کہہ رہے ہو۔“

”قیدی نہیں مہمان....! وانگ لین کو تم نے نہیں قتل کیا۔“

”تت.... تم کیا جانو۔!“

”تم نے شاید سنگ پر اپنے اعشاریہ دوپانچ کے پستول سے گولی چلائی تھی۔“

”ہاں یہ درست ہے۔ لیکن وہ زخمی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔“

”تمہارے پستول کی گولی بھی مل گئی ہے۔ وانگ کو اعشاریہ تین دو کے ریواور سے قتل کیا گیا تھا۔“

”اس کے باوجود بھی مجھے خود کو مردہ تصور کرنا چاہئے۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تمہیں اُن لوگوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔“

”کن لوگوں سے۔“

”جن سے تم نے غداری کی ہے۔“

”اوہ....!“ وہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔

”سب ٹھیک ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

متو ہاشی نے پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں.... عمران نے ٹیکسی ڈرائیور کو چند ہدایات دی تھیں اور متو ہاشی سے بولا تھا۔ ”بعض اوقات ہم نہیں سمجھ پاتے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ درست بھی ہے یا نہیں۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو۔؟“ متو ہاشی نے آنکھیں کھول کر سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔! عمران نے فوراً ہی جواب نہیں دیا تھا۔

”تم بولتے کیوں نہیں....! کیا مجھ پر کوئی اور الزام بھی ہے۔“ متو ہاشی نے اُس کے بائیں پہلو پر انگلی رکھ کر پوچھا۔

”نہیں.... کوئی نیا الزام نہیں ہے۔“

”میں اُن لوگوں کے لئے کام کرنے پر مجبور تھی۔“

”مجبوری کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔“

”بلیک میلنگ.... مجھے بلیک میل کر کے تنظیم میں شامل کیا گیا تھا۔“

”بلیک میلنگ کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔“

”کیا تمہارا تعلق کار خاص کے محکمے سے ہے۔“

”نہیں.... سنگ ہی سے میرے تعلقات خوش گوار نہیں ہیں۔ اس لئے ہم دونوں ہی ایک

دوسرے کی گھات میں رہتے ہیں۔“

”وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔“

”میں جانتا ہوں“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”اس کے باوجود بھی تم نے لاش بن کر اُس کے سامنے آنے کا خطرہ مول لیا تھا۔“

”ایسے خطرات میں پڑنا میری ہابی ہے۔“

”میں تمہیں اس حد تک خطرناک نہیں سمجھتی تھی۔“

”اب بھی نہ سمجھو۔“

متو ہاشی نے اُسے غور سے دیکھا تھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ ٹیکسی درمیانہ رفتار

سے چلتی رہی۔

”یہی اتم اُن کے اس تجربے کے مقصد سے آگاہ ہو۔“ عمران نے تھوڑی دیر بعد سوال کیا۔

”مقصد سے تو سنگ بھی آگاہ نہیں ہے۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ انہیں اُس تجربے کے لئے ایسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے جن کے خون کا گروپ ”بی“ ہو اور سرخ خلیوں میں آرائیج فیکٹری پلایا جاتا ہو۔!“

”تمہیں کیوں کر علم ہوا۔“

”اس لئے کہ ہمیں ہی ایسے لوگوں کو تلاش کرنا پڑتا ہے۔“

”کہاں بھیجے جاتے ہیں ایسے لوگ۔“

”سر دار گڑھ، اُن پر وہ عمل دہیں ہوتا ہے۔“

”کسی خاص جگہ کی نشان دہی کرو۔“

”سر دار گڑھ کا ایک فون نمبر ہے....! اس پر رنگ کر کے اطلاع دی جاتی ہے اور وہ نمبر ہے

اسٹریٹ کیپٹی کا جو سائنسی آلات کی تجارت کرتی ہے۔“

”جس کا سربراہ سرنگی ہے۔“ عمران نے کہا۔

”سرنگی۔“ دفعتاً وہ ہنس پڑی۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“

”کیا تم نے اُسے دیکھا نہیں۔“

”نہیں صرف نام سنا ہے۔“

”جھوٹ مت بولو.... تم کچھ ہی دیر پہلے اُس سے اچھے ہوئے تھے۔“

”اوہ.... تو سنگ ہی۔!“

”ہاں پہلے میں اُسے سرنگی ہی کے نام سے جانتی تھی، اس کا اصل نام تو وانگ لین نے مجھے بتایا۔!“

”وانگ کی کہانی مجھے سنگ سنا چکا ہے۔“ عمران نے کہا۔

”جانتاؤ۔ اب میرا کیا حشر ہو گا۔“

”کوشش کروں گا کہ بحفاظت اپنے ملک پہنچ جاؤ۔ ہماری حکومت تو ان حالات میں تمہیں

مذاشت نہ کر سکے گی۔“

”ظاہر ہے۔“

”کیا تم کسی پروفیسر ضعیف اشرف کو بھی جانتی ہو۔“

”یہ نام میرے لئے نیا ہے۔“

”ایک بوڑھا آدمی ہے۔ لیکن جوان اور بے حد حسین بیوی رکھتا ہے۔“

”نہیں میں ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتی۔“

”کیا یہ حقیقت ہے کہ سنگ کی لاش علمی میں وہ لاش کوئی اور لے اڑا۔“

”مجھے تو اس نے ہی بتایا ہے۔“

”کیا تجربہ..... سنگ کی نگرانی میں کیا جا رہا ہے۔“

”تفصیل کا مجھے علم نہیں ہے۔ لیکن اس سلسلے میں خرچ کی جانے والی رقم کا تذکرہ کرتے

وقت وہ اتنا ہی پر تشویش نظر آنے لگتا ہے جیسے مصارف کا بار اسی کی جیب پر پڑتا ہو۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں سے گہری فکر مندی ظاہر ہونے لگی تھی۔

”کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم مجھے چپ چاپ نکل جانے دو۔“ متیو ہاشی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”کہاں نکل جانے دوں.... وہ تمہیں تلاش کر کے ٹھکانے لگا دیں گے۔ اپنے اس کارکن کو

نہیں بخشے جس کے پولیس کے ہتھے پڑھ جانے کا امکان ہو۔“

”تو پھر میں کیا کروں....!“ وہ بے بسی سے بولی۔

”مجھ پر اعتماد کرو۔“

”کیا تم کوئی عہدیدار ہو۔“

”ایک بڑے عہدیدار کا بیٹا ہوں.... اور یہ بہت بڑی بات ہے....! عہدیدار بوڑھا ہوتا ہے

اور بیٹا جوان۔ لہذا چھوٹے عہدیدار اُس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ کم از کم سات خون تو معاف

کر ہی دیتے ہیں۔“

”خیر دیکھوں گی کہ میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ لیکن اب میں میکونو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔“

”فکر نہ کرو۔ اس کا بھی خیال رکھا جائے گا۔“ عمران نے کہا۔

”متیو ہاشی پھر آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے نکل گئی۔!“

عمران سیریز نمبر 95

جونک اور ناگن

(تیسرا حصہ)

پیشترس

ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے احمد پور شرقیہ اور اُس کے نواح کے بھتیجیوں نے..... میں نے اُن مزاح نگار صاحب کو ایک مناسب مشورہ دیا تھا۔ کیونکہ اُن میں ایک اچھا مزاح نگار بننے کی صلاحیت نظر آئی تھی۔ مزاح نگار تو مزاح نگار ہی ٹھہرا۔ بہر حال اب وہ میری ڈاڑھی میں تنکے تلاش کر رہے ہیں اور بھتیجیوں کو تاؤ آرہا ہے۔ مسخرہ پن پر ہنستے ہیں بھتیجو! تاؤ نہیں کھاتے اور پھر میری محبت میں اُس اخبار کی تعداد اشاعت کیوں بڑھا رہے ہو۔ خبردار!..... اب ”تراشے“ مت بھیجنا..... ویسے اُن صاحب سے کہو کہ کہیں سے ایک ہی جملہ عمران کے کسی جملے کے مماثل لا کر دکھائیں اور کون ڈائریل کے کرداروں کی پیروڈی والی بات تو خالص ”مسخرہ پن“ ہے۔ زور سے قہقہہ لگاؤ۔ میرے کہنے سے ہنس دو۔ تاکہ مزاح نگار کی حوصلہ افزائی بھی ہو جائے اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ یہ بیچارے دو عدد صفحات ”جواب الجواب“ کا اکھاڑا بننے کی سکت نہیں رکھتے۔ لہذا خود ہی سمجھ بوجھ لیا کرو۔ مجھے کچھ نہ لکھا کرو۔ ”میاں چنوں“ کے بھتیجیوں سے بھی یہی گزارش ہے۔

پارس (یونان) سے ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ وہ پاکستان سے میری کتابیں منگواتے ہیں۔ انہیں شکایت ہے کہ سوادوروپے کی کتاب پر پندرہ روپے ڈاک خرچ لگ جاتا ہے۔ اُن کی بیگم صاحبہ نے انہیں آخری کتاب ”فرشتے کا دشمن“ بھیجوائی تھی اور لکھ بھیجا تھا کہ اب اتنا زر کثیر صرف کر کے کتاب نہیں بھیجی جاسکتی کیونکہ یہاں آئے دن سالگرہوں پر تحفے بھی دینے پڑتے ہیں۔ بیگم صاحب کی شکایت لکھنے

کے بعد مجھ سے پوچھا ہے کہ آخرا کیا تدبیر کی جائے۔ بھائی اس کے علاوہ اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے کہ سالگرہیں بند کرادی جائیں اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ حکومت سے درخواست کی جائے کہ چنے کی کاشت کو غیر قانونی قرار دیکر میرے سمندر پار والے قارئین پر احسان عظیم فرمائے۔ نہ ”چھولے“ ہوں گے اور نہ سالگرہیں ہو سکیں گی..... خود مجھے بھی اچھا نہیں لگتا کہ پچاس روپے کا تحفہ لے کر جاؤں اور چھولے کی ایک مرچوں بھری پلیٹ زہر مار کر کے منہ پیٹتا ہوا گھر واپس آؤں اور اس کے بعد ”ڈاکٹر صاحب“ اپنا ”حق“ الگ طلب فرمائیں۔ بس تو پھر ”تحریک“ شروع کر دیجئے! میں بھی محفوظ رہوں گا..... اور آپ کو کتابیں بھی پہنچتی رہیں گی اور ہاں کتابیں لیٹ بھی نہیں ہوں گی۔

ضروری نوٹ! (راز کی بات) ”سالگرہ بھی چھولے کی پلیٹ“ کی وجہ سے لیٹ ہو جاتی ہیں۔ ویسے یہ کتاب جو تک اور ناگن اس لئے لیٹ ہوئی ہے کہ اسے لیٹ ہونا ہی چاہئے تھا۔ کبھی کبھی چھٹی کرنے کو بھی دل چاہتا ہے! یہ بھی شاید غلط کہہ رہا ہوں۔ بات دراصل یہ ہوئی کہ ایک دن عمران ہی کے بارے میں سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک اُس کا ایک جملہ ذہن میں آیا اور مجھے راہ چلتے ہنسی آگئی۔ آس پاس کے راہ گیر چونک کر متوجہ ہو گئے۔ بڑی شرمندگی ہوئی۔ تہیہ کر لیا کہ اب لکھوں گا ہی نہیں۔ کئی دن تک نہیں لکھا پھر سوچا اگر لکھنا چھوڑ دیا تو اس قابل بھی نہ رہ جاؤں گا کہ لوگ سالگرہوں پر مدعو کر سکیں۔ آخر جھک مار کر کتاب مکمل کرنی پڑی۔ لیکن وہ جملہ ہرگز نہیں لکھا جس پر ہنسی آئی تھی اور سر راہ شرمندہ کر گئی تھی۔

والسلام
ابن مسعود

ہنا چاہتا تھا کہ اب اُس کی زندگی میں کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تھا اور ذب گاہ میں داخل ہو گیا تھا۔

روزانی جو خواب نظر آئی۔ پیروں سے گردن تک چادر اوڑھے ہوئے۔ چہرہ نیکے پر ایسا لگ رہا جیسے پورا چاند اپنے ہالے میں براجمان ہو۔!



وہ تیزی سے آگے بڑھا اور مضطربانہ انداز میں اُسے آوازیں دینے لگا۔۔۔! اُس نے آنکھیں کولیں۔ پلکیں اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ پہلے تو حیرت کے آثار آنکھوں میں نظر آئے تھے۔! پریک بیک بھڑک اٹھی تھی۔

”تمہیں جرأت کیسے ہوئی۔۔۔!“ کریمہ آوازیں چیخی تھی اور پھر چادر میں بھونچال سا اگیا تھا اُس نے اوپر اٹھنا شروع کیا۔۔۔ اور فیاض کی گھگھی بندھ گئی۔ کیونکہ گردن کے نیچے اُسے کسی بہت بڑے سانپ کا دھڑ نظر آیا تھا۔! آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ فیاض ایک قدم پیچھے ہٹا ہی تھا کہ روزانی کے نئے روپ نے اُس پر چھلانگ لگائی اور اُسے اپنے بلوں میں جکڑنے لگا۔۔۔ چہرہ فیاض کے چہرے کے مقابل تھا۔! ہونٹ بھنجے ہوئے تھے اور آنکھیں جیتا جاگتا قہر معلوم ہو رہی تھیں۔!

سانپ جیسے دھڑ کے بلوں کی گرفت تنگ ہوتی گئی۔۔۔ فیاض کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بدلے جسم کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی۔۔۔ پھر وہ بے تحاشہ چیخیں مارنے لگا تھا۔ دم گھٹ رہا تھا اور موت رگ جاں سے قریب ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔!

اسی کیفیت کے دوران میں اچانک نیند کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔۔۔ دل کی دھڑکن رندھے ہوئے ٹپ ٹپ ٹھوکریں مار رہی تھی۔ پورا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اور ہاتھ پیر ہلانے کی سکت بھی ٹڈا رہی تھی۔ بے حس و حرکت پڑا چھت کی جانب آنکھیں پھاڑتا رہا۔

شاید زندگی میں پہلی بار اتنا ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ ٹھیک اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی اور روزانی کی آواز سنائی دی تھی۔۔۔ ”فیاض صاحب۔۔۔ فیاض صاحب۔۔۔!“

وہ تختی سے ہونٹ بھنجے پڑا رہا۔ خواب کا ناگوار تاثر اب بھی ذہن پر مسلط تھا۔ روزانی کی آواز اُن کی نہیں لگ رہی تھی۔!

”فیاض صاحب۔۔۔! دروازہ کھولئے۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔؟“ اُس نے پھر دستک دے کر

سردار گڈھ میں موسم کی پہلی ہی برف باری نے پچھلے کئی برسوں کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔۔۔ جگہ جگہ برف کے تودے نظر آرہے تھے۔ سڑکوں سے برف ہٹائی جا رہی تھی۔۔۔ ہوٹل انٹرنیشنل کے سامنے کیپٹن فیاض کو جم غیر نظر آیا۔ لوگوں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے بیچے تھے۔ اور وہ ایک موٹی سی خون کی لکیر کے آس پاس کی برف ہٹا رہے تھے۔ اور پھر انہوں نے وہاں سے ایک لاش نکالی۔ فیاض تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ بھیڑ کو ہٹاتا ہوا لاش تک جا پہنچا اور پھر اُس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کیونکہ یہ عمران کی لاش تھی۔۔۔ عمران۔۔۔ کی۔۔۔ لاش۔

وہ بت بنا کھڑا رہا۔ روزانی مہندس کے مشورے کے مطابق روزانہ عمران کی تلاش میں نکلتا تھا۔ روزانی کا خیال تھا کہ وہ بھی سردار گڈھ ہی میں موجود ہے۔ لیکن فیاض کے سامنے نہیں آتا چاہتا۔۔۔ اُس نے فیاض کو باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اگر عمران مل جائے تو وہ اُسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے گی۔۔۔ لیکن عمران۔۔۔ اب کیا ہوگا۔۔۔؟

ایک گھٹی گھٹی سی چیخ فیاض کے حلق سے نکلی تھی اور وہ وہاں سے دیوانہ وار بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے پیر زمین پر نہ پڑ رہے ہوں۔۔۔ ہوا میں اڑ رہا ہو۔ کسی نہ کسی طرح روزانی مہندس کی کوٹھی تک پہنچا تھا۔ عجیب سی وحشت ذہن پر مسلط تھی۔ ساری کوٹھی میں دوڑتا پھرا۔ روزانی کی تلاش تھی۔ جلد از جلد اُسے عمران کے انجام سے آگاہ کر دینا چاہتا تھا۔!

بالآخر اُس کی خواب گاہ کے سامنے آرکا۔۔۔ صرف یہی کمرہ دیکھنے کو باقی رہا تھا۔ اُس نے گھومنے والے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ پہلے دستک دیتا لیکن اس وقت اُسے اُس کا ہوش کہاں تھا۔ جلد از جلد کسی کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ جی جی کر

فیاض سن سا ہو کر رہ گیا۔ آخر وہ اُسے کیا بتائے گا اگر اُس نے خواب دہرانے کی فرمائش کر ڈالی۔
 ”اس طریق علاج میں ہر تبدیلی میری معلومات میں اضافے کا سبب بنے گی۔“ روزالی نے پھر کہا۔
 ”وہ دیکھئے.... دراصل میرا خیال ہے کہ.... میں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا.... کیونکہ جب آنکھ کھلی تو پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور قیاس ہے کہ آپ نے میری ہی چینی سنی ہوں گی۔!“
 ”یعنی آپ کو خواب یاد نہیں۔!“
 ”جی نہیں....!“

”کیپٹن فیاض.... پلیز....!“ وہ بے اعتباری سے مسکرائی۔
 ”در.... دراصل....!“

”دیکھئے....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی! ”خواب وہی یاد نہیں رہتے جن کی ہماری نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ خوش گوار اور ناخوش گوار خواب ضرور یاد رہتے ہیں۔“
 فیاض نے بے بسی سے کاندھے ڈال دیئے۔ یہ نفسیاتی نکتہ ناقابل تردید تھا۔ پھر پتہ نہیں کس طرح انک انک کر اُس نے اپنا خواب دہرایا تھا۔ روزالی غور سے سنتی رہی تھی اور اُس کے خاموش ہوتے ہی بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔
 فیاض نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔
 ”شرمندگی کی بات نہیں۔“ ایک بیک وہ سنجیدہ ہو کر بولی ”یہ نفسیاتی مسائل ہیں آپ کا ان پر بس نہیں چلے گا۔!“

فیاض کچھ نہ بولا.... وہ کہتی رہی ”آپ اپنے اُس دوست سے محبت بھی کرتے ہیں اور اُس کی حرکتوں کی بناء پر اس حد تک تنگ آگئے ہیں کہ لاشعوری طور پر اُس کی موت کے بھی خواباں ہیں۔ خواب کے ذریعے آپ کی یہی خواہش پوری ہوئی.... اور.... میرا معاملہ آپ نے مجھے ناگن کے روپ میں دیکھا ہے....؟ اس کی نفسیاتی توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ مجھ سے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔!“

”ہرگز نہیں۔!“ فیاض بے ساختہ بول پڑا۔ ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!“

وہ اُسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی ”ایسا نہ کہئے فیاض صاحب.... انسانی ذہن ہے پل پل قلابازیاں کھاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی آپ نے سوچا ہو کہ کہیں میں بھی تو انہیں لوگوں سے متعلق

آواز دی تھی۔

”تک.... کچھ نہیں.... ٹھہر جئے....!“ وہ کھٹی کھٹی سی آواز میں بولا تھا اور اٹنے کی کوشش کی تھی۔

پتا نہیں کس طرح سلپنگ گاؤن پہنا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا....! سارا رات سن ہو رہا تھا.... اور پشت پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔
 بدقت دروازہ کھولا۔

”کیا بات ہے کیپٹن....! آپ چیخ رہے تھے....!“ روزالی نے پوچھا....! اُس نے بھی سلپنگ گاؤن ہی پہن رکھا تھا۔

”نن.... نہیں تو....!“ فیاض خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

”تو پھر وہ کس کی چینی تھیں....!“

”خدا جانے....!“ فیاض سنبھل کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے.... اسی وجہ سے میری بھی آنکھ کھلی ہو.... اچانک جاگا تھا.... وجہ سمجھ میں نہیں آسکی۔!“

”میں تو جاگ ہی رہی تھی۔!“ روزالی نے کہا۔ ”وہ سماعت کا دھوکا ہر گز نہیں ہو سکتا.... مجھے تو آپ ہی کی سی آواز لگی تھی۔!“

”تب پھر ہو سکتا ہے کہ میں نے ہی کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو۔“ فیاض نے کھیاں مسکرائیں کے ساتھ کہا۔!

”اوہو.... کیا آپ مجھے اندر آنے کو بھی نہ کہیں گے۔!“

”تشریف لائیے!“ فیاض پیچھے ہٹا ہوا بولا! پھر اُس نے تیز روشنی والا بلب روشن کر دیا تھا۔
 ”آپ زیر علاج ہیں۔ اس لئے مجھے ہر تبدیلی کا علم ہونا چاہئے۔“ روزالی خواب گاہ میں داخل ہوتی ہوئی بولی۔

مسمری کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے وقت اُس نے فیاض کو غور سے دیکھا تھا اور فائز کی ریزہ کی ہڈی میں سر و لہر دوڑ گئی تھی!

”بیٹھ جائیے....!“ روزالی نے مسمری کی طرف اشارہ کر کے کہا اور پھر بولی ”اس وقت ان طرح تکلیف نہ دیتی اگر آپ نے اپنے کسی ڈراؤنے خواب کا حوالہ نہ دیا ہوتا۔!“

نہیں ہوں جنہوں نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے۔“

”کمال ہے.... آپ تو میری مدد کر رہی ہیں!“

”دیکھیے جناب....! آپ کا تعلق محکمہ سرانگ رسانی سے ہے۔ کوئی بات اتنے وثوق سے نہ کہئے....! کیا آپ نے اس دوران میں کبھی یہ نہیں سوچا کہ آپ کو پریشان کرنے والوں نے میری آڑ لے کر اب اپنا طریق کار بدل دیا ہے!“

فیاض نے خاموشی اختیار کر لی۔

”کیا میں غلط کہہ رہی ہوں!“

”مجھے شرمندگی ہے کہ ایک آدھ بار یہ گمان بھی گذرا ہے لیکن پھر میں نے فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے پرے جھٹک دیا تھا۔“

”خیال ہے کہ ذہن سے پرے جھٹک دیا تھا.... وہ لا شعور میں محفوظ ہو گیا تھا فیاض صاحب اور اسی گمان نے مجھے ناگن کے روپ میں پیش کر دیا۔“

”اب بتائیے میں کیا کروں۔ شعوری طور پر آپ کا اتنا قدردان ہوں کہ آج تک کسی کا بھی نہیں ہوا!“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بڑے دلاویز انداز میں مسکراتی تھی۔ چند لمحے اُسی کیفیت کے تحت فیاض کی جانب نگراں رہی پھر بولی تھی ”یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”آؤی ذہنی کشمکش کا شاہکار ہے فیاض صاحب....!“

”میں اب بھی نہیں سمجھا....!“ فیاض نے بے بسی سے کہا۔

”پھر سہی! بہر حال آپ مطمئن رہئے۔ اگر آپ میرے خلاف شکوک میں مبتلا ہیں تب بھی مجھے وہی کرنا ہے جو پہلے کہہ چکی ہوں۔ یعنی آپ کے دوست کو تلاش کر کے راہ راست پر لانا اور اُن لوگوں سے پنپنا جو آپ کے لئے پریشانی کا باعث بنے ہیں۔!“

”اس خواب نے تو بہت شرمندہ کیا۔!“ فیاض طویل سانس لیکر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اُوہ.... کچھ نہیں.... ان معاملات میں ہم سب بے بس ہیں۔ اچھا اب آپ آرام کیجئے۔!“

جب بھی کوئی خواب نظر آئے خوش گوار یا ڈرناؤنا مجھے اُس سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔!“ وہ چلی گئی تھی اور فیاض دم بخود بیٹھا رہ گیا تھا....! اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اُس سے :-

حالت کیوں کر سرزد ہوئی۔ کچھ بھی ہو جاتا اُس کے سامنے خواب ہر گز نہیں دہرانا چاہئے تھا۔ اپنی اس کمزوری پر اُسے بے تحاشا غصہ آنے لگا۔ آخر کیوں....؟ پھر اُس کی موجودگی میں اپنے دہانے کو پیٹھتا ہے....؟ زبان پر قابو نہیں رہتا اور قوت ارادی بھی گرفت سے نکل جاتی ہے۔

وہ سوچتا اور پور ہو جاتا رہا.... نیند اس بُری طرح غائب ہوئی تھی جیسے کبھی سویا ہی نہ ہو بستر سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔!

ذہن ابھی تک خواب کے ناگوار تاثرات سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔

بے اختیار دل چاہ رہا تھا کہ فون پر عمران سے رابطہ قائم کرے.... لیکن بڑی عجیب بات تھی کہ اس عمارت میں فون نہیں تھا.... فیاض نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن روزی نے کہا تھا کہ وہ کسی سے سروکار نہیں رکھتی اس لئے فون بھی اُس کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اور شاید اُس کا یہ بیان صداقت پر مبنی تھا کیونکہ فیاض جب سے یہاں آیا تھا۔ ملازمین کے علاوہ اور کسی کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔ اُسے اس پر بھی حیرت تھی کہ اتنی حسین عورت کی طرف کسی کی بھی توجہ نہیں تھی۔ نہ وہ خود کہیں جاتی تھی اور نہ کوئی یہاں آتا تھا۔

ٹہلنے ٹہلنے زک کر وہ غسل خانے کی طرف مڑا.... حلق خشک ہو رہا تھا.... بڑی شدید پیاس تھی.... ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا ہی تھا کہ یک بیک روشنی غائب ہو گئی....! غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹ آیا.... خواب گاہ اتنی تاریک ہو گئی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں بھائی دیتا تھا.... پتا نہیں پاور ہاؤس میں کوئی گڑبڑ ہوئی تھی یا یہاں کا فیوز اڑ گیا تھا۔ ٹٹولتا ہوا خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا.... لیکن اچانک اُس کا سر چکر لیا تھا۔ پیر لڑکھڑائے اور وہ کسی مفلوج آدمی کے سے انداز میں فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ پھر ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو سردی کا احساس ہوا۔ بو کھلا کر اٹھ بیٹھا۔ لیکن یہ کیا....؟ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرہ تو وہی تھا جہاں اُس نے کئی راتیں بسر کی تھیں۔ لیکن سامان کا گنما بے تانہ تھا۔ نہ مسہری تھی اور نہ دوسری آرائشی اشیاء حتیٰ کہ فرش کا قالین تک غائب تھا۔ خود فیاض ننگے فرش سے اٹھا تھا۔! وہ کمرے سے باہر نکلا پوری عمارت سنسان پڑی تھی.... اور ہر کمرے میں دیرانی نظر آئی۔ نشست کے کمرے میں اُسے اپنا سوٹ کیس فرش پر پڑا دکھائی دیا۔! لائن وار اُس کی طرف جھپٹا تھا۔ اور پھر لفافے پر نظر پڑی جو سوٹ کیس پر رکھا ہوا تھا۔

”آؤ....!“ صدر بھی اُسی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

”وہ مارا....!“ نیو چکا۔

”کیا مطلب....!“

”میرا خیال غلط تھا۔ تمہاری بھی شناسائیاں ہیں۔!“

”بہت زیادہ....!“ صدر کے لہجے میں تلخی تھی۔

”لیکن وہ یہاں کیا کر رہی تھی۔!“ نیو بڑبڑایا۔

”خود پوچھ لیتا....!“ صدر نے کہا۔

نیو نے پھر حیرت سے اُسے دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں.... عورت تھوڑی دور چلنے کے

بعد ایک اسٹیک بار میں داخل ہو گئی۔ صدر نے اندر پہنچنے میں کسی قدر توقف کیا تھا۔ شاید اس

لے کے اتنی دیر میں وہ کسی جگہ بیٹھ چکی ہوگی۔!

”بس کسی ایک سے میرا تعارف کرا دو....!“ نیو نے ہال میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

عورت ایک گوشے میں بیٹھ چکی تھی اور اُس کی پشت صدر دروازے کی طرف تھی۔

”اسی سے کرائے دیتا ہوں۔!“ صدر نے کہا۔

”بہت بہت شکریہ....! حق رفاقت ادا کرو گے۔!“

”انشاء اللہ۔!“

وہ قریب پہنچے تھے اور اُس عورت پر نظر پڑتے ہی نیو کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگی

ٹھٹھکیں.... اور صدر نے کرسی کھسکا کر بیٹھے ہوئے کہا تھا ”یہ سار جنت نیو ہیں۔!“

”میں جانتی ہوں....!“ عورت بولی۔

”بس بس....!“ نیو نے صدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بُری طرح جھینپ رہا تھا۔

بلکہ یہ عورت معمولی سے میک اپ میں جولیانٹا فنر واٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔ قریب سے

نہونے بھی اُسے پہچان لیا تھا۔

”کیا بات ہے....!“ صدر نے پوچھا۔!

”عمارت تباہ ہونے سے شاید دو منٹ پہلے وہ وہاں سے برآمد ہوا تھا۔!“ جولیانے مضطربانہ

تلاشیں کیں۔

لفافے سے روزالی کا خط برآمد ہوا.... اُس نے لکھا تھا.... ”فیاض صاحب! محض آپ کی

وجہ سے سردار گڈھ چھوڑ رہی ہوں.... آپ کے خواب نے یہ بات پوری طرح مجھ پر واضح

کر دی ہے کہ آپ مجھے فراڈ سمجھتے ہیں۔ صرف تین دھاریاں آپ کے جسم پر باقی رہ گئی ہیں۔ اب

انہی لوگوں کو تلاش کیجئے.... جن کی حرکتوں کی بناء پر آپ اس حال کو پہنچے تھے۔!“

ایک بار پھر فیاض کا سر چکرا گیا.... اور اب وہ اُس عورت کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا

تھا۔ ساتھ ہی ایک کلک سی بھی محسوس ہو رہی تھی.... یہی کہ اب اُسے نہ دیکھ سکے گا۔ اُس کی

مترنم آواز نہ سن سکے گا۔ اُس کی پراسرار مسکراہٹ اُس کے ذہن پر انجانا سانسہ طاری نہ کر سکے

گی.... روزالی.... روزالی۔



سار جنت نیو نے قہقہہ لگایا۔ اور بولا ”یاروہ عجیب آدمی ہے....! میری سمجھ میں نہیں آیا کہ

آدمی بھی ہے یا نہیں۔!“

”میں پھر کہوں گا کہ اپنے کام سے کام رکھو.... عمران صاحب کے ساتھ سب کا یہی رویہ

ہے۔!“ صدر نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ دونوں اُس عمارت کے کھنڈر کے قریب کھڑے تھے جسے عمران اور متیو ہاشی کے فرار کے

بعد سنگ ہی نے تباہ کر دیا تھا۔ کھنڈر کے بعض حصوں سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا.... اور لمبے

ہٹانے والے وہاں لاشیں تلاش کر رہے تھے۔ لیکن ابھی تک تو کوئی لاش برآمد نہیں ہوئی تھی۔

اُس پاس کی عمارتوں کو بھی تھوڑا بہت نقصان پہنچا تھا اور کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے تھے۔

”سوال تو یہ ہے کہ یہاں ہماری ڈیوٹی کیوں لگائی گئی ہے۔!“ نیو نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”اگر سرے سے کوئی لاش برآمد نہ ہوئی تو ہماری ڈیوٹی ختم....!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”لاش برآمد ہونے کی صورت میں ہمیں اُس کے بارے میں چھان بین کرنی پڑے گی۔!“

دفعۃً نیو دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔! ایک عورت دور کھڑی انہیں اشارے کر رہی تھی۔

کوئی سفید فام غیر ملکی عورت تھی۔ نیو نے صدر کا بازو دبایا اور وہ بھی اُدھر ہی دیکھنے لگا۔ اُس کے

متوجہ ہو جانے پر عورت ایک جانب مڑی تھی اور وہاں سے ہٹنے لگی تھی۔

”کس کی بات کر رہی ہو....!“

”عمران کی....!“

”اوہ.... لیکن....!“

”اور متو ہاشی اُس کے ساتھ تھی۔!“

”تو کیا وہ مل گئی....؟“

”اور کیا کہہ رہی ہوں۔“ جولیا کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

نیو نے صفدر کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو۔ آخر یہ کہنا کیا چاہتی ہے۔!

”میں تنگ آ گئی ہوں.... میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کیا کروں....!“

”کوئی اور بات بھی ہے کیا....؟“ صفدر نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ایک تابوت دار اب ہاؤس میں رکھوایا گیا تھا....؟“

”ہاں شاید اُس میں دھاری دار آدمی کی لاش تھی....!“ صفدر نے کہا۔

”نہیں.... وہ خود تھا....!“

”کیا مطلب....؟“ صفدر چونک پڑا۔

”وہ خود بنا تھا دھاری دار آدمی کی لاش۔!“

”خدا کی پناہ....!“ صفدر نیو کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

”بڑی عجیب بات ہے....!“ نیو بڑبڑایا۔

جولیا غصیلے لہجے میں بولی ”مجھے یقین ہے کہ اُسے ایکس ٹو کی طرف سے ایسی کوئی ہدایت نہ ملی

ہوگی۔ یہ اُس کا اپنا طریق کار تھا۔!“

”بڑا بے جگر آدمی ہے۔!“ نیو طویل سانس لے کر بولا! ”میں تو اُسے یونہی فضول سا آدمی

سمجھتا تھا۔!“

”میں تو اُسے آدمی ہی نہیں سمجھتی....!“ جولیا نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

”لیکن تم مجھے وہاں سے کیوں ہٹا لائیں۔!“ صفدر نے پوچھا۔

”تم وہیں ٹھہرو گے.... سارجنٹ نیو میرے ساتھ جائیں گے۔!“ جولیا نے کہا اور نیو کی

طرف دیکھ کر بولی ”اُس نے تمہیں سائیکو مینشن میں بلایا ہے۔!“

”عمران صاحب نے....!“

”ہاں.... تم میرے ساتھ چلو گے۔!“

”ایک ایک کپ کافی کا تو ہو جائے....!“ صفدر بولا۔

”جتنی جلد ممکن ہو....!“

صفدر نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا تھا۔ اور عجلت کرنے کی تاکید کی تھی۔

”میں کہتی ہوں کہ اگر دو منٹ کی بھی تاخیر ہوتی تو خود بھی فنا ہو گیا ہوتا۔!“ جولیا نے بُرا سا

منہ بنا کر کہا! صفدر پھر اُسے غور سے دیکھنے لگا تھا۔

نیو بولا ”وقت سے پہلے کوئی بھی نہیں مر سکتا۔!“

”جہالت کی بات ہے....؟“

”تو پھر وہ کیسے بچ گئے۔!“

”میں نہیں جانتی۔!“

”کیا تمہیں افسوس ہوا ہے اُس کے بچ جانے پر....!“

جولیا نے قہر آلود نظروں سے نیو کو دیکھا تھا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ صفدر نے

موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہی گفتگو کا رخ کسی اور طرف موڑ دینا چاہا۔ لیکن جولیا پھر گئی....

اُس نے میز پر گھونہ مار کر کہا ”تم سب یہی چاہتے ہو کہ وہ مر جائے۔!“

صفدر کچھ نہ بولا۔ اور اُس نے نیو کو بھی زبان بند رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

کافی آئی۔ تین پیالیاں بنائی گئیں اور جلدی جلدی حلق میں انڈیل لی گئیں۔

سارجنٹ نیو نے سب سے پہلے اپنا کپ خالی کیا تھا۔

”چلو اٹھو....!“ جولیا اُس سے بولی۔

صفدر ہال ہی میں بیٹھا رہ گیا تھا اور وہ دونوں باہر آئے تھے۔ نیو اُس کی گاڑی کی تلاش میں

ادھر ادھر نظر دوڑا کر بولا ”گاڑی کہاں پارک کی ہے....!“

”گاڑی نہیں ہے....! ٹیکسی سے چلیں گے۔!“ جولیا نے خشک لہجے میں کہا اور نیو اُسے

ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا ”پہلا اتفاق ہے۔!“

”کس بات کا....!“

”یہی کہ عمران صاحب نے خاص طور پر مجھے طلب کیا ہو۔“
”تم ابھی نئے ہو۔“

”اس جملے کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

”کوئی ٹیکسی تلاش کرو۔ فضول باتوں میں پڑنے سے کیا فائدہ اُسی سے پوچھ لینا کہ اُس نے خصوصیت سے تمہیں کیوں بلایا ہے۔“
اگلے موڑ پر انہیں ٹیکسی مل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جولیا بولی۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں کہیں لے جائے گا۔“

نیو خاموش ہی رہا۔ جولیا پھر بولی ”میں چاہتی ہوں کہ تم اسے قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔“
”میں....!“ نیو حیرت سے بولا ”میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“
”وہ پاگل ہے....!“

”تب تو میری ہی سٹی گم رہے گی۔!“

”تم نہیں سمجھے.... میرا مطلب یہ ہے کہ اُسے ایسی حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کرنا جیسی اُس نے آج کر ڈالی تھی۔!“

”واقعی بڑے دل گردے کا آدمی ہے....!“

”میں اسے حماقت سمجھتی ہوں....!“

”میرے بس سے باہر ہو گا کہ میں انہیں کسی کام سے باز رکھ سکوں۔!“ نیو نے کہا پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا ”مجھے حیرت ہے۔!“

”کس بات پر....!“

”تمہاری پریشانی پر.... ارے ہم تو ہیں ہی مرنے کے لئے....! اور پھر مسٹر عمران میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔!“

”تم نہیں سمجھ سکتے۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

نیو اُس کی طرف مڑا تھا اور اُس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے دیکھے تھے۔

یک بیک وہ سنجیدہ ہو گیا۔! جولیا دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ شاید اسی بہانے اپنی آنکھیں خشک کر لینے کا ارادہ رکھتی تھی.... نیو بھی انجان بن کر اپنی طرف والی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

جولیا تھوڑی دیر بعد بولی ”نہ وہ میری سنتا ہے اور نہ ان سمجھوں گی....! شاید تمہاری بات نہ جائے.... تم نئے ہو۔!“

”مم.... میں کوشش کروں گا۔“ نیو اُس کی طرف مڑے بغیر بولا۔

”تمہارے متعلق وہ بڑی اچھی رائے رکھتا ہے۔!“

”خوب! مجھے تو علم نہیں۔!“

”کسی کے منہ پر اُس کی تعریف نہیں کرتا۔!“

”کیا ایکس ٹو بھی اُس کے طریق کار کو پسند نہیں کرتا۔!“

”میں نہیں جانتی....!“ وہ اُردو اسامہ بنا کر بولی۔

”کیا ایکس ٹو یہ بھی جانتا ہے کہ تم....!“

”بس....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی ”اس معاملے کو موضوع بحث مت بناؤ۔!“

”اوہ.... اچھا....!“ وہ طویل سانس لے کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد جولیا نے کہا تھا اب کہیں ٹیکسی رکوا کر مجھے اُتار دینا اور خود سائیکو مینشن چلے جانا۔“
”کیا تم ساتھ نہیں جاؤ گی۔!“

”نہیں.... صرف پیغام تم تک پہنچانا تھا۔ میں نے کہا کچھ باتیں بھی کر لوں۔!“

”تم مطمئن رہو.... میں کوشش کروں گا کہ مسٹر عمران کو قابو میں رکھوں۔ لیکن ٹھہرو....

بات اور.... کیا وہ مشورہ سن لیتے ہیں۔!“

”یہی تو مصیبت ہے کچھ پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ اس لئے مشورہ دینے کا مای نہیں پیدا ہوتا۔!“

”پھر تو بہت مشکل ہے مس فٹنر واٹر۔!“

جولیا نے سختی سے ہونٹ بھیج لے۔ نیو کہتا رہا ”میرا خیال ہے کہ مسٹر عمران سرے سے ناپائیدار ہی نہیں رکھتے۔!“

”اب تم مجھے کہیں اُتار دو....!“ جولیا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ بچھلی سیٹ پر تہارہ گیا تھا۔ سائیکو مینشن پہنچ کر اُس کمرے کی طرف ناپائیدار عمران بیٹھتا تھا۔ دروازہ بند نظر آیا۔ اُس نے ہلکی سی دستک دی تھی۔

عجیب طرح کی گھٹی گھٹی سی آواز اندر سے آئی تھی ”دروازہ مقفل نہیں ہے۔!“ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا.....!

سامنے ہی عمران آرام کرسی پر نیم دراز نظر آیا تھا۔ لیکن عجیب جملے میں..... جسم کے گرد چادر لپیٹ رکھی تھی اور سر پر آئیں بیک رکھا ہوا تھا!

”خیریت..... جناب.....!“ نیو نے بڑے ادب سے پوچھا۔

”گرمی چڑھ گئی ہے کھوپڑی پر!“ عمران نے کہا اور کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا ”بیٹھو.....“ نیو اسے بغور دیکھتا ہوا بانیں جانب والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔! عمران دوسرے ہاتھ سے آئیں بیک سنبھالتا ہوا بولا ”تمہاری ناک کی بناوٹ مجھے پسند ہے۔ اس لئے بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔“ ”شکریہ.....!“ نیو اپنی ناک ٹٹول کر رہ گیا۔ پھر شاید اس رد عمل پر اسے شرمندگی محسوس ہوئی تھی اور وہ طرح طرح کے منہ بناتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

”جھینپنے کی ضرورت نہیں۔ ستواں ناک بہتر مستقبل کی ضمانت ہے۔ خواہ تم کسی بینک کی کمی ماسٹر پیس اسکیم سے فائدہ اٹھاؤ یا نہ اٹھاؤ!“

”مم..... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!“

”لیکن اپنی ناک کی بناوٹ پر کبھی مغرور نہ ہونا..... ورنہ دانت جاتے رہیں گے۔!“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں.....!“ وہ بھنا کر بولا۔

”ناک اور کان کا معاملہ ہے..... ذرا قریب آؤ.....!“ نیو اٹھ کر اس کے قریب پہنچا تھا۔

”یہاں بیٹھ جاؤ۔!“ اس نے کرسی کی بانیں جانب فرش کی طرف اشارہ کیا۔ نیو نے خاموشی سے تعمیل کی تھی..... عمران نے بانیں ہاتھ سے آئیں بیک سنبھالا اور داہنے سے اس کے گالوں کی ہڈیاں ٹٹولنے لگا۔ نیو کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا ”ٹھیک ہے، اٹھ جاؤ۔“

وہ پھر کرسی پر جا بیٹھا لیکن عمران کو بدستور حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

”نہیں سمجھے.....!“ عمران نے چمک کر پوچھا۔

نیو نے خاموشی سے سر کو منحنی جنبش دی۔

”سمجھ جاؤ گے..... ذرا قلم اور پیڈ اٹھانا۔!“

نیو نے پھر چپ چاپ تعمیل کی تھی۔ عمران پیڈ پر کچھ لکھتا رہا۔ پھر پیڈ سے وہی کاغذ نکال کر نیو کو تھماتا ہوا بولا۔ ”کرہ نمبر تین میں اعوان کو دے دینا۔!“

نیو نے تحریر پر نظر ڈالی تھی اور بولا تھا۔ ”مسٹر عمران.....! میں اسے حماقت سمجھتا ہوں۔!“

”حالانکہ اسی حماقت کے لئے میں نے تمہیں انٹر سروسز سے بلوایا ہے۔!“

”آپ نے بلوایا ہے۔!“

”قطعی.....! تین ماہ تک تم میرے زیر مشاہدہ رہے تھے۔!“

”کمال ہے.....!“

”یقین کرو میرے دوست.....! اس خاص کام کے لئے میرے پاس پہلے جو آدمی تھا.....

اس کا چہرہ نہ جانے کیوں لمبوتر ہو گیا ہے..... قلفی کی سی شکل نکل آئی ہے۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ

قلبی ہیر و بن سکتا ہے..... اس کام کا تو رہا نہیں.....!“

”لیکن میں تو مسٹر تویر کی جگہ پر آیا ہوں۔!“

”افواہ ہے.....! تنویر کے بغیر بھی ایکس ٹو کا کام چل سکتا تھا۔!“

نیو کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات صاف دیکھے جاسکتے تھے..... وہ عمران کا پرچہ ہاتھ

میں لئے کھڑا کچھ سوچتا رہا.....!

”اے اب جاؤ بھی.....!“

نیو ویسے ہی موڈ میں کمرے سے نکل آیا..... اور اب وہ گراؤنڈ فلور کی طرف جا رہا تھا۔ کرہ

نمبر تین میں میک اپ کے اسپیشلسٹ اعوان کو عمران کا پرچہ دیا۔

”توجہ.....!“ اعوان پرچہ پڑھنے کے بعد بولا۔ ”پہلے چہرے کا اسکاٹائی گرام لیا جائے گا۔!“

پھر اس نے بھی ایک پرچہ تھما کر کہا ”کرہ نمبر بارہ میں جاییے.....!“

”یعنی چہرے کا ایکسری.....!“ نیو بوکھلا کر بولا۔

”بے فکر رہئے..... اسکا سسٹم دوسرا ہے..... آنکھوں میں کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔!“

اعوان نے کہا۔

کرہ نمبر بارہ میں بھی نپٹنے کے بعد نیو نے ایک بار پھر عمران کے کمرے کی طرف دوڑ لگائی

تھی۔ دروازے پر دستک دی.....! اندر سے اجازت مل جانے پر ہینڈل گھمایا۔ لیکن دروازہ کھولتے

ہی جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔! کیونکہ اس بار عمران فرش پر سر کے بل کھڑا نظر آیا۔

”نیچے سے بھی ٹھیک ہی لگتے ہو..... بیٹھ جاؤ.....!“ اس نے کہا۔

”لہلہ..... لیکن آپ.....!“ نیو ہٹلا کر رہ گیا۔

”میری فکر نہ کرو۔ پہلے گرمی پڑھ گئی تھی۔ اب ٹھنڈک اتار رہا ہوں۔!“

”وہ بیچارہ ٹھیک ہی رو رہی تھی۔“ نیو نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”کون بیچارہ.....؟“ عمران یک بیک سیدھا ہو گیا۔

”نہیں آپ اپنا شغل جاری رکھئے۔ دھماکے نے آپ کے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا ہے۔!“

”نہیں..... بتاؤ..... تم کس بیچارہ کی بات کر رہے تھے۔!“

”معافی چاہتا ہوں..... ایک مہمل سا جملہ زبان سے نکل گیا تھا۔!“

عمران نے شانوں کو جنبش دی اور سر ٹٹولتا ہوا پھر آرام کر سی پر لیٹ گیا۔

”آخر یہ کس قسم کا میک اپ ہے جس کے لئے چہرے کا اسکاٹی گرام لیا جائے گا۔!“

”بہت خاص قسم کا..... ایسا کہ نہ پہچانے جاسکو اور نہ عرصہ تک اُس کے ضائع ہونے کا

امکان ہو۔!“

”کیا آپ مجھے کہیں لے جائیں گے.....؟“

”میں نہیں لے جاؤں گا۔ تم لے جاؤ گے مجھے.....!“

”بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔!“

”میری بات سمجھنے کے لئے انجام کا منتظر رہنا پڑتا ہے.....!“

”خدا جانے.....!“ نیو سر جھٹک کر رہ گیا۔

”ضرور تمہیں کسی نے بہکایا ہے.....!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... میں بچہ نہیں ہوں۔!“

”آخر وہ رونے والی کون تھی۔ تمہیں سر سام تو نہیں ہو گیا تھا کہ ہڈیاں بک رہے تھے۔!“

”جولیا نا فٹر وائر.....!“

”اچھا.....!“ عمران نے طویل سانس لی اور اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا ”یار! تم

ان لوگوں کے چکر میں مت پڑنا۔!“

”اُس نے آپ کے خلاف کچھ نہیں کہا تھا۔!“

”کیا کہہ رہی تھی.....!“

”اب میں کیا بتاؤں..... آپ خود سمجھ دار ہیں۔!“

”بالکل گھماڑ ہوں..... ضرور بتاؤ۔!“

”آپ کو اُس کی پرواہ نہیں..... وہ آپ کے لئے بہت فکر مند رہتی ہے۔!“

”میں کون ہوتا ہوں اس کی پرواہ کرنے والا۔ رہی فکر مندی کی بات تو پورے شہر کو میری

ہی فکر رہتی ہے.....!“

نیو کچھ نہ بولا۔ اپنے اس غیر محتاط رویے پر خاصی ندامت محسوس کر رہا تھا۔ اُسے براہ

راست یہ ذکر چھیڑنا ہی نہ چاہئے تھا۔!

”دیکھو دوست.....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا ”اپنے کام سے کام رکھنا بہترین پالیسی ہے۔

اسے ہر حال میں یاد رکھو.....!“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے.....!“

”بس اب جاؤ..... بقیہ باتیں میک اپ کے بعد.....!“ عمران نے دوبارہ سر کے بل کھڑے

ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔!



سنگ ہی اُس عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ جس میں ذرا ہی دیر پہلے ایک بھدی سی شکستہ

حال کار داخل ہوئی تھی۔ وہ دیر سے باہر کھڑا جانے کس کا منتظر تھا۔!

پورچ میں دربان سے ملے بھیڑ ہوئی اور اُس نے اُسے روکنے کے لئے اپنی شاٹ گن سیدھی

کر لی تھی۔!

”اے کیوں دماغ خراب ہوا ہے۔!“ سنگ نے چھوٹی چھوٹی آنکھیں نکالیں۔

”کون ہو تم.....!“ پھرے دار ڈپٹ کر بولا۔

”تیرے باس کا باپ..... اُس سے کہہ دے تیرا باپ آیا ہے.....!“

پھر سے دار نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائی تھیں۔ کیونکہ سنگ کی ظاہری حالت ایک

معمولی سے آدمی سے بہتر نہیں تھی۔ ملیشیا کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔!

”خدا کے لئے حج..... جناب.....! مجھ سے کون سا تصور سرزد ہوا ہے!“
 ”کچھ بھی نہیں.....! مجھے تمہارے اُس کھٹارے کی ضرورت ہے! فی الحال کسی اچھی گاڑی
 میں سفر نہیں کر سکتا.....!“

”آپ جانیں جناب.....!“

”حق آدمی جہاں میں جا رہا ہوں وہاں تمہارا اڈا موجود ہے! گاڑی وہیں پہنچادی جائے گی!“
 ”مجھے افسوس ہے جناب.....!“

”کیوں بکواس کر رہے ہو.....!“ سنگ آنکھیں نکال کر بولا۔

”دیکھئے..... جناب..... آپ مجھے دھونسانے کی کوشش کر رہے ہیں!“ موٹے آدمی نے
 ہانپی کڑا کر کے کہا تھا۔ لیکن آنکھیں بدستور خوف زدہ سی نظر آتی رہی تھیں۔

”اچھی بات ہے.....!“ سنگ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ ”کھڑے ہو جاؤ!“

”نن..... نا..... ممکن.....!“ موٹا آدمی اب اور زیادہ ہانپنے لگا تھا۔

”کیا تم اپنے ملازمین کی موجودگی میں میرے ہاتھوں پٹنا چاہتے ہو!“

”اب ناممکن ہے..... ناممکن.....!“ موٹے کی آواز حلق میں گھٹنے لگی تھی۔!

دفعتاً سنگ نے اُس کے پیٹ پر لات رسید کی تھی..... اور وہ کچھ لوگوں کے نام لے لے کر
 بیٹے لگا تھا۔ دفعتاً دو قوی بیکل آدمی سنگ روم میں داخل ہوئے۔

”مارڈالو..... اسے مارڈالو.....!“ موٹا آدمی دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا.....! دونوں نے سنگ کو
 نرت سے دیکھا تھا اور آہستہ آہستہ اُس کی جانب بڑھنے لگے تھے.....!

”کرے جھپٹ پڑو..... سالو.....!“ موٹا آدمی پھر چیخا۔

لیکن ”سالے“ نہ جانے کیوں یک بیک رک گئے۔ اور پھر موٹے آدمی نے بھی سنگ کے
 ہاتھ میں ریوالبور دیکھ لیا تھا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیئے..... اور سنگ موٹے آدمی کی طرف دیکھ کر سانپ کی
 طرح ہچکھکرا..... ”گاڑی فوراً خالی کراؤ!“

کوئی کچھ نہ بولا۔ البتہ موٹا آدمی بُری طرح دانت پیس رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے دونوں
 لوگوں کو قہر آلود نظروں سے دیکھے بھی جا رہا تھا۔

”جاؤ.....!“ سنگ دونوں ہاتھ ہلا کر دھاڑا۔ ٹھیک اُسی وقت ایک موٹا اور پست قد آدمی صدر
 دروازے سے برآمد ہوا اور سنگ پر نظر پڑتے ہی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ پہرے دار اُسے دیکھ کر
 مودب نظر آنے لگا تھا۔

موٹے آدمی کا بایاں گال اس بُری طرح پھڑکنے لگا تھا جیسے اُس نے ڈانٹوں میں زندہ
 مینڈک دبا رکھا ہو۔!

”یہ مجھے اندر نہیں جانے دیتا۔!“ سنگ نے پہرے دار کی طرف ہاتھ اٹھا کر پھاڑ کھانے
 والے لہجے میں کہا۔

”ارے نہیں..... حج..... جناب عالی..... تشریف لائیے.....!“ موٹے پر بوکھلاہٹ طاری
 ہو گئی۔ پہرے دار پر بدحواسی کا حملہ ہوا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

سنگ آگے بڑھا اور موٹے آدمی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے پوچھا ”تم اچھے تو ہونا۔!“

”جج..... جی ہاں..... کرم..... کرم..... اندر تشریف لے چلے.....!“

سنگ پہرے دار کو متحیر چھوڑ کر اندر آیا تھا۔! ادھر موٹے آدمی کی حالت بہت زیادہ غیر
 ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے زیادہ دیر تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکے گا۔ نشست کے کمرے
 میں پہنچ کر سنگ نے اُسے ایک صوفے کی طرف دھکیلا تھا اور دھپ سے بیٹھ کر بے بسی سے اُس
 کی طرف دیکھنے لگا تھا۔!

”مجھے گاڑی چاہئے.....!“ سنگ نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔!

”کک..... کون سی گاڑی جناب.....!“

”وہی جو ابھی آئی ہے۔!“

”ارے وہ..... وہ کیا کہجئے گا..... مر سیڈ بزلے جائیے.....!“

”نہیں..... میں تو وہی کھٹارالے جاؤں گا۔!“

”میں نہیں سمجھ سکتا جناب.....!“

”بکواس مت کرو..... تم اُس میں سے اپنا مال نکال کر اُسے میرے حوالے کر سکتے ہو۔!“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔!“ موٹا آدمی ہانپتا ہوا بڑبڑایا۔

”کیا یہ بھی بتاؤں کہ اس کی بوڑی میں کہاں کہاں کون سا مال موجود ہے.....!“

”میں کہہ رہا ہوں! گاڑی میرے حوالے کرو..... ورنہ اس عمارت میں ایک کو بھی زندہ چھوڑوں گا.....!“ سنگ دوبارہ گر جا۔

”آبے..... حرام خورو..... یہ اتنا سا آدمی بھی تمہارے قابو میں نہیں آئے گا!“ موسا آدمی نے اُن دونوں کو لٹکا رہا تھا۔

”اس کے ہاتھ میں بتاشہ نہیں ہے سیٹھ.....!“ اُن میں سے ایک بولا۔

”چپ رہو..... حرام زادے..... سب ناکارہ ہو ایک طرح سے.....!“

”اے سیٹھ..... زبان سنبھال کے.....!“ اسی آدمی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا ”عزت نہیں بچی تمہارے ہاتھ.....!“

”ارے یہ تو ہم لوگوں کو کتوں سے بھی بدتر سمجھتا ہے.....!“ سنگ ہی بولا۔ ”میں نے بھی اس سالے کی نوکری کی ہے..... خط غلامی نہیں لکھ دیا۔“

”تم کون ہو بھائی..... کہاں سے آئے ہو.....؟“ دوسرے نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

”ارے چپ رہو کم بختو..... اس سے بات نہ کرو۔“ موسا آدمی دانت پیس کر بولا۔

”سیٹھ..... تم بہت زیادہ پی گئے ہو..... یہ کوئی اچھی بات نہیں۔!“ سنگ کھرکھراتی ہوئی

آواز میں بولا۔ ”خود بھی ڈوبو گے اور ہمیں بھی ڈبو گے.....!“

”آبے..... چپ.....!“ موسا آدمی حلق پھاڑ کر دھاڑا۔

”بھائی تم کس گاڑی کی بات کر رہے تھے۔!“

”خدا عارت کرے..... اس سے کیوں پوچھتا ہے.....!“

”تم نشے میں ہو سیٹھ.....!“ اُس آدمی نے کہا اور موٹے کی طرف مڑ کر بولا ”ایسے دن میں تم ہمیشہ آرام کرتے ہو۔!“

”آرام کے بچے..... میں نشے میں نہیں ہوں۔!“

”آرام کے بچے تک پیدا کر لو ایسے اور فرماتے ہیں کہ میں نشے میں نہیں ہوں!“ سنگ ہنسکر بولا۔

موسا پھر حلق پھاڑ پھاڑ کر گالیاں بکتے لگا۔

دونوں ہنس رہے تھے۔ لیکن سنگ کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اسی دوران میں اُن دونوں نے

ہاتھ گردائیے تھے..... اور پھر اچانک ایک نے سنگ کے ریو اور والے ہاتھ پر چھینا مارا..... سنگ

نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر اُس کے منہ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ لڑکھڑا کر دوسرے سے ٹکرایا ہی تھا کہ ریو اور کا دستہ دوسرے کی کنپٹی پر پڑا۔

”دیکھا.....! دیکھا..... حرام زادو!“ موسا دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑے ہوئے دھاڑنے لگا۔

سنگ نے پل بھر میں دونوں کو لٹا دیا تھا..... وہ فرش پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے

اور سنگ موٹے کو گھورے جا رہا تھا۔ اور اب ایسا لگتا تھا جیسے موٹے کا حلق ہی بند ہو گیا ہو۔!

”چلو.....!“ سنگ ریو اور کو جنبش دے کر بولا۔

”کک..... کہاں..... چلو.....!“

”گیراج میں..... گاڑی خالی کر کے میرے حوالے کرو۔!“

موسا چپ چاپ دروازے کی طرف مڑ گیا..... سنگ نے ریو اور شلوار کے نیچے میں اُس لیا

تھا..... وہ دونوں آگے پیچھے بیرونی برآمدے میں پہنچے اور پورج سے اتر کر بائیں جانب مڑ گئے۔!

گیراج کپاؤ نڈ وال کے قریب مشرقی گوشے میں تھا۔ یہاں کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اور سنگ

کی مطلوبہ گاڑی سے دو آدمی ”مال“ نکال رہے تھے۔

”جلدی کرو..... جلدی کرو!“ موٹے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ”گاڑی پھر جائے گی۔!“

سنگ اُس سے لگا ہوا کھڑا تھا اور ریو اور کی نال اُس کے بائیں پہلو سے چبھ رہی تھی۔

”اب تو ہٹاؤ سالے کو.....!“ موسا دانت چیس کر آہستہ سے بولا! اشارہ غالباً ریو اور کی چھنے

والی نال کی طرف تھا۔!

سنگ نے صرف دباؤ کم کر کے آہستہ سے کہا ”تمہارا کوئی اعتبار نہیں۔!“

موٹے نے جھلک کر ایک گندی سی گالی کے ساتھ پوچھا ”گاڑی کہاں لے جاؤ گے.....؟“

”سردار گڈھ..... اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہاں پہنچ کر اسے کہاں چھوڑنا پڑے گا۔!“

”کہاں پہنچاؤ گے.....!“

”چیتل بار والے گیراج میں.....!“

”خدا عارت کرے..... تم اڈے سے بھی واقف ہو۔!“

”میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت تمہاری موٹی توند کے اندر کیا سڑ رہا ہے۔!“

تھوڑی دیر بعد سنگ اُس شکستہ حال گاڑی کو ڈرائیو کرتا ہوا قومی شاہراہ تک لایا تھا۔!

”جاؤ....!“ اُس نے پرچہ سنگ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔!

بوڑھے آدمی سے کہہ رہا تھا ”اگر اب میں نے تمہیں لڑکیوں کو گھورتے دیکھا تو اچھا نہ ہو گا۔“

”گھوڑیاں کہاں ہیں۔“ بوڑھے نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”گھوڑیاں نہیں لڑکیاں!“ وہ اُس کے کان سے منہ لگا کر بولا۔

”لڑکیوں کو کیا کہہ رہے تھے۔“

”انہیں مت گھورو۔۔۔ تمہاری عمر کی عورتیں بھی یہاں موجود ہیں۔“

”بھلا کیا عمر ہوگی میری۔۔۔؟“

”پچھتر سے کیا کم ہوگی۔۔۔!“

”پچھتر سال کی عورت لاش کہلاتی ہے لہذا اُسے گھور کر کیا کروں گا۔۔۔!“

”خود تم میں کیا رکھا ہے۔۔۔!“

”عشق۔۔۔! عشق رکھا ہے مجھ میں جو کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔!“

”آہستہ بولو۔۔۔ ورنہ اگر کسی نے سُن لیا تو پاگل خانے بھجوا دے گا۔!“

”تم نوجوانوں میں اس قدر مایوسی کیوں پائی جاتی ہے۔!“

”تم جیسے بوڑھوں کی وجہ سے۔۔۔ کہیں قدم جمانے کا موقع نہیں ملتا۔۔۔!“

”یہ بڑی اچھی بات کہی تم نے بوڑھوں کے بھاری بھر کم ظرف کے مقابل آنے کی جرأت

بھی تو پیدا کرو۔۔۔!“

”دقیانوسی بات ہے!“ نوجوان بُرا سامنہ بنا کر بولا۔

”اچھا چلو مجھ بوڑھے کی نظر ہی سے اپنی جوان نظر کا مقابلہ کر لو۔۔۔!“

”کس طرح۔۔۔!“

”اُدھر دیکھو۔۔۔ پام کے گلے کے قریب جو عورت کھڑی ہوئی ہے اُس کے بائیں گال پر

تمہیں کیا نظر آرہا ہے۔۔۔!“

”غالباً کبھی بیٹھی ہوئی ہے۔۔۔!“

”اُس کے پر بھی دکھائی دے رہے ہوں گے۔۔۔!“ بوڑھے نے پوچھا۔

”بالکل دکھائی دے رہے ہیں۔!“

”بکواس۔۔۔!“ بوڑھا بُرا سامنہ بنا کر بولا۔

دور بین فٹ کرنے لگا۔

ادھر سنگ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کسی سے لفٹ تو لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر اُس نے سوچا کیوں نہ دوسری طرف بھی فلیٹ وہیل ہی لگا دے۔ اس طرح کسی نہ کسی رفتار سے اگلے پٹرول پمپ تک تو پہنچ ہی جائے گا۔ اور وہیں اُن دونوں بیویوں کی مرمت کرا لے گا جو ڈکے میں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ گاڑی کی سائیڈ سے ہٹ کر ڈکے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ کوئی چیز خاصی قوت سے باڈی سے ٹکرائی اور وہ برق کی سی تیزی سے نیچے گر گیا دوسری بار اُس کے پیروں کے قریب گرد اڑی تھی اور وہ زمین پر پڑے ہی پڑے گاڑی کی دوسری جانب لڑھک گیا تھا۔ بات پوری طرح سمجھ میں آچکی تھی۔ اُس پر مخالف سمت سے دو فائر کئے گئے تھے اور وہ دونوں بار بال بال بچا تھا۔ پڑے پڑے ایسی اداکاری شروع کر دی جیسے گاڑی کے نچلے حصے میں کسی خرابی کی جگہ تلاش کر رہا ہو۔۔۔ نہیں چاہتا تھا کہ دوسروں کی توجہ خاص طور پر اُس کی طرف مبذول ہو سکے۔!

پھر تیسرا فائر نہیں ہوا تھا۔۔۔ لیکن وہ فوری طور پر اٹھ نہ سکا۔ اس کا توازن اذہ ہو ہی چکا تھا کہ اس طرف سے حملہ آور کو نظر نہیں آ رہا ورنہ تیسرا فائر بھی ضرور ہوتا۔

تین منٹ تک یونہی پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور گاڑی کے چپھلے حصے میں جیک لگانے لگا۔ لیکن اب وہ کسی وحشی درندے کی طرح چونکا دکھائی دیتا تھا۔!



وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس طرح محو گلگشت تھے جیسے وہاں ان کے علاوہ اور کوئی موجود ہی نہ ہو۔۔۔! بوڑھا آدمی سُن سفید تھا۔۔۔! سر اور ڈاڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن لباس سلیقے سے پہن رکھا تھا۔! اور شاید کسی قدر اُونچا بھی سنتا تھا کیونکہ اُس کے نوجوان ساتھی کو ایک ہی بات کئی بار دہرائی پڑتی تھی۔ لیکن دونوں کے درمیان ”خوردی و بزرگی“ کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ بے حد بے تکلفی سے گفتگو کر رہے تھے۔

سردار گڈھ کی ایک حسین شام تھی۔ موسم بہار شباب پر تھا۔۔۔! باغ عالم گیر کی ہر روش عطر پاش تھی! خوشبوئیں انکھیلیاں کرتی پھر رہی تھیں اور وہ دونوں مگن تھے! سیاحوں کی ٹولیوں سے بالکل الگ تھلگ۔۔۔ بسا اوقات تو ایسا معلوم ہوتا جیسے دوسروں کو چُند سمجھتے ہوں۔ نوجوان

”کیا مطلب....!“

”آنکھیں ہیں یا مٹن.... اس کے بائیں گال پر ایک حسین سائل ہے جو تمہیں کبھی دکھائی دے رہا ہے....!“

”میں کہتا ہوں کبھی ہے....!“ نوجوان اپنی بائیں ہتھیلی پر گھونسنہ مار کر بولا۔

”چلو قریب سے دیکھے لیتے ہیں....! اگر کبھی نہ ہوئی تو تم سے سمجھ لوں گا۔!“ بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”چلو.... نہ گھوڑا اور نہ میدان....!“ نوجوان بھنا کر بولا۔ پھر وہ دونوں ایسے ہی انداز میں اُس عورت کی جانب بڑھے تھے کہ اُسے بھی علم ہو گیا تھا.... بڑی خوش شکل اور اسماٹ عورت تھی اور اُس کے قریب بھی ایک فیشن ایبل بوڑھا ہی موجود تھا۔ وہ دونوں اُن کے قریب پہنچ کر رُک گئے اور بوڑھے نے نوجوان سے کہا ”لو دیکھو....! خواہ مخواہ کواں کئے جا رہے تھے....!“

”چلو بھی مان گیا....!“ نوجوان نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

”نہیں غور سے دیکھو تل ہے یا کبھی....!“

”یہ کیا کواں ہے....!“ عورت کے ساتھ والا بوڑھا پیر پٹچ کر بولا۔

”مم.... معاف کیجئے گا جناب....!“ نوجوان آہستہ سے بولا۔ ”میرے بچا ہیں....! اور اول

درجے کے سکی....!“

”آخر کواں کیا ہے....؟“

”پھر معافی چاہتا ہوں....! پوری طرح سُن لیجئے.... پھر جو سزا چاہے دے دیجئے گا! بات بات پر شرط لگاتے ہیں اور بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ اس وقت اپنی تیز نگاہی کی دھاک مجھ پر بٹھانا چاہتے تھے۔ کہنے لگے بتاؤ ان خاتون کے بائیں گال پر کیا ہے۔ مجھے کبھی نظر آئی کہنے لگے کبھی نہیں ملتا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے....!“

”کیا کہہ رہے ہیں....!“ نوجوان کے بوڑھے ساتھی نے اُس سے پوچھا۔

”اونچا بھی سنتے ہیں۔!“

”اے بتاتے کیوں نہیں کیا کہہ رہے ہیں....! صورت سے غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔!“

نوجوان کا ساتھی بوڑھا پھر بولا۔

عورت کے چہرے پر بھی جھنجھلاہٹ کے آثار تھے اور وہ انہیں ناگواری سے دیکھے جا رہی تھی۔

”یہ بیہودہ پن ہے....!“ عورت کے ساتھی بوڑھے نے اونچی آواز میں کہا۔

”کیا بیہودہ پن ہے....!“ سکی بوڑھا بھی آنکھیں نکال کر بولا۔ ”بس ذرا شرط ہو گئی

تھی....! ورنہ جیسے تمہاری بیٹی ہے ویسے ہی میری بیٹی بھی ہے....! کیوں بیٹی تم نے تو بُرا نہیں

مانا....! بوڑھے انکل کو معاف کر دو۔!“

”کواں بند کرو....! میری بیوی ہے....!“ دوسرا بوڑھا جھلا کر بولا۔

”اب بتاؤ رُخو ردار....!“ سکی بوڑھے نے نوجوان کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”مم.... میں کیا بتاؤں....!“

”سارے بوڑھے....! حقیقتاً بوڑھے نہیں ہوتے....!“

”آخر یہ کیا کواں کئے جا رہے ہیں۔“ دوسرے بوڑھے نے نوجوان سے کہا۔ اب وہ بہت

زیادہ غصے میں معلوم ہو تا تھا۔

”حضور پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ سکی ہیں۔!“ نوجوان گڑ گڑا کر بولا۔

اتنے میں عورت نے دونوں کی نظر پچا کر اپنے ساتھی کو آنکھ ماری تھی اور وہ ان دونوں کو

غور سے دیکھنے لگا تھا.... اتنے میں سکی بوڑھے نے نوجوان سے پوچھا۔ ”اب کیا فرما رہے ہیں۔!“

”کچھ نہیں....!“ نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔!

”لیکن جناب....!“ عورت کے ساتھی نے کہا۔ ”میں اس جملے کی وضاحت ضرور چاہوں گا

کہ سارے بوڑھے حقیقتاً بوڑھے نہیں ہوتے....!“

”اب کیا عرض کروں....! شرم آتی ہے....! میرے بچا ہیں....! اور پھر ان خاتون کی

موجودگی میں۔!“

”پرواہ مت کیجئے۔ ہم دونوں بے حد آزاد خیال ہیں ورنہ اس وقت خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔“

”یہ بات تو ہے جناب....!“

”اُس جملے کی وضاحت....!“

”بات دراصل یہ ہے....!“ نوجوان آہستہ سے بولا۔ ”جوان عورتوں کو گھورا کرتے ہیں۔“

میں کہتا ہوں اپنی عمر کی عورتوں پر عنایت فرمایا کیجئے....! نہیں مانتے۔!“

اس عمر کے لوگوں کا علاج کر کے مجھے نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں۔!“

”ہاش یہ ٹھیک ہو سکیں۔! ویسے بے حد عمدہ آدمی ہیں۔ میرے ساتھ دوستوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔ اگر کبھی غلطی سے ”آپ“ کہہ دوں تو بگڑ جاتے ہیں۔! کہتے ہیں ”تم“ کہہ کر مخاطب کرو۔!“

”شاندار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔!“ بوڑھے نے کہا۔

”آپ ان سے بھی زیادہ شاندار معلوم ہوتے ہیں کہ ایک ناپسندیدہ آدمی کو شاندار کہہ رہے ہیں!“

”یہ میرے لئے ناپسندیدہ نہیں ہو سکتے! میں ان کے اندر ایک درد مند آدمی دیکھ رہا ہوں۔!“

”دل درد مند نہ رکھتے تو لڑکیوں کو کیوں گھورتے پھرتے۔!“ نوجوان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔!

”میں نے آپ کا چور بھی پکڑ لیا ہے جناب“ ضخیم اشرف مسکرا کر بولا۔

”میرا چور.... کیا مطلب....؟“

”ان کی موجودگی میں احساس کمتری.... لڑکیاں ان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور آپ کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں۔!“

نوجوان کے چہرے پر کھسیاہٹ آئی تھی اور وہ بغلیں جھانکنے لگا تھا۔

”پردہ نہ کیجئے۔“ ضخیم اشرف اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”آپ کا علاج بھی ہو جائے گا۔ ابھی چلے میرے ساتھ اور میرا ٹھکانا دیکھ لیجئے۔!“

نوجوان نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا جو سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی۔ دفعتاً سسکی بوڑھے نے پوچھا۔ ”اب کیا فرما رہے ہیں....!“

”ہم لوگوں کو اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں۔“ نوجوان نے اونچی آواز میں کہا۔

”کیا بات ہوئی۔ ابھی جھگڑا کر رہے تھے اور اب گھر لے جانا چاہتے ہیں۔!“

”اپنی غلط فہمی کا ازالہ کریں گے۔“ وہ اُس کے بائیں کان سے منہ لگا کر بولا۔

”کیسی غلط فہمی۔!“

”یہ سمجھتے تھے کہ تم بس یونی ہو۔!“

”بس یونی کا کیا مطلب....!“ بوڑھا ضخیم اشرف کو گھورتا ہوا بولا۔

”میں نے کچھ نہیں کہا۔“ ضخیم اشرف بھی آگے بڑھا اور اُس کے کان سے منہ لگا کر بولا۔ ”یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں.... مطلب یہ کہ میں تو آپ کو بہت اچھا آدمی سمجھتا ہوں اور آپ کے کان سے بڑی دلاویز خوشبو آ رہی ہے....!“

”بس اتنی سی بات تھی....!“ دوسرا بوڑھا منہ بنا کر بولا۔

”یعنی یہ کوئی بات ہی نہیں۔!“ نوجوان نے حیرت سے کہا۔

”کوئی غیر معمولی بات نہیں۔! یہ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ ہر بوڑھا حقیقتاً بوڑھا نہیں ہوتا۔!“

اس دوران میں سسکی بوڑھا ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھتا رہا تھا۔ آخر کار نوجوان

سے بولا ”کیا تم میرے سلسلے میں معذرت کر رہے ہو۔!“

”کیا نہ کرنی چاہئے....!“ نوجوان نے جھنجھلا کر پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... مجھے اپنے فعل پر شرمندگی نہیں ہوتی۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ دوسرا بوڑھا ہاتھ ہلا کر بولا اور پھر نوجوان سے کہا۔ ”انہیں خواہ مخواہ

غصہ نہ دلایئے.... مجھے ان سے ہمدردی ہے، نفسیاتی مریض ہیں۔“

”وہ تو ہے۔“

اب کیا فرما رہے ہیں....!“ سسکی بوڑھے نے پوچھا۔

”کچھ نہیں....!“ نوجوان اونچی آواز میں بولا۔ ”تمہاری پر سنالٹی کی تعریف کر رہے ہیں....“

اور انہوں نے کسی بات کا بُرا نہیں مانا۔!

”سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ اُس نے خوش ہو کر کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا

ہوا بولا۔ ”مجھے دال بخش کہتے ہیں۔!“

دوسرے بوڑھے نے گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد نوجوان سے کہا تھا۔ ”یہ نام سمجھ

میں نہیں آیا.... دال بخش....!“

”نام کا مخفف سمجھ لیجئے۔ جیسے اے.... ڈی.... اختر.... یعنی احمد دین اختر یہ انگریزی کے

حروف نہیں استعمال کرتے اس لئے داور بخش کو دال بخش کر دیا ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... اچھا.... اور آپ کا نام....!“

”خادم کو یاد رہت کہتے ہیں۔!“

”آپ بخش سے بخت کیونکر ہو گئے....!“ بوڑھے نے ہنس کر پوچھا۔

”مجھ تک پہنچتے پہنچتے ”ش“ کا ایک نکتہ اور دائرہ غائب ہو گیا ہے اور میرے بچے صرف ”نہ جائیں گے“

اس بات پر عورت زور سے ہنسی تھی۔ اور سسکی بوڑھا حیرت سے بھیجے کی شکل دیکھنے لگا تھا۔!

”میرا نام ضخیم اشرف ہے....!“ دوسرے بوڑھے نے نوجوان سے کہا ”اور میں ماہر نفسیات

ہوں۔! اگر آپ اپنے چچا کا نفسیاتی معالجہ کرانا چاہیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔“

کتے۔ مجھ سے زیادہ طاقتور تو نہیں ہیں۔!“

”پھر آپ ہی بتائیے.... وہ سکی ہیں یا آپ....!“

”حقیقتاً سکی تو دادا جان تھے۔!“

”وہ کیا کرتے تھے....!“ بیگم اشرف نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”وہ کیا نہیں کرتے تھے....!“ یاد ر بخت ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

”کچھ تو بتائیے....!“

”مجھے تو یاد نہیں! دوسروں سے سنا ہے! ایک درجن طوطے پال رکھے تھے اور انہیں گندی

گندی گالیاں رنائی تھیں۔ ادھر کسی نے ڈیوڑھی میں قدم رکھا اور طوطوں نے لکارنا شروع کر دیا۔

”ایسا حرام زادہ وقت برباد کرنے۔ تیری صورت پر پھنکار... کہیں اور جامر.... وغیرہ وغیرہ....!“

بیگم اشرف ہنسی کے مارے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ یاد ر بخت طویل سانس لے کر

بولا۔ ”پھر ایک دن ایسا ہوا کہ شاید کسی وجہ سے طوطوں کا موڈ خراب تھا جیسے ہی دادا جان اُن کی

خبر گیری کو آگے بڑھے۔ ایک طوطے نے لکارا ”ایسا حرام زادہ وقت برباد کرنے۔“ بس پھر

سبوں نے اپنا اپنا سبق دہرانا شروع کر دیا تھا.... اُسی دن سارے طوطے ذبح کر دیئے گئے۔“

”کمال ہے....!“ آپ کا گھر انہ تو ایں خانہ ہمہ آفتاب است....!“ اگلی سیٹ سے ضخیم

اشرف نے کہا۔

”جی مجھ سے کچھ فرمایا....!“ دال بخش نے چونک کر پوچھا۔

ضخیم اشرف نے سر کو منہی جنبش دی تھی۔

”آخر مجھ سے کیوں نہیں کچھ فرماتے.... اُن برخوردار میں کون سے سرخاب کے پر لگے

ہوئے ہیں۔!“

دفتنیا اور بخت آگے جھکا اور اپنے چچا کے کان سے منہ لگا کر بولا۔ ”میرے ساتھ حلق نہیں

بھارتا پڑتا۔! تم آخر چلتے کیوں ہو انکل ڈیر....!“

”اچھا.... اچھا.... خیر.... خیر.... دیکھا جائے گا۔!“ دال بخش کا سر دیر تک ہلتا رہا تھا۔

گاڑی عابد روڈ پر ایک عجیب وضع کی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ یہ عمارت گلوب کی

شکل کی تھی اور اس کا نام فانوس تھا۔!

”مٹی کا عطر ہے.... تین سو سال سے ہمارے خاندان میں محفوظ چلا آرہا ہے۔!“

”میں کہہ رہا تھا کہ میرے گھر چلے.... آپ کی طرف دل کھینچ رہا ہے۔!“

”دل کو قابو میں رکھئے.... میں ضرور چلوں گا۔“ سکی بوڑھے نے فخریہ انداز میں اپنے بچے

کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔!

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تھے....! سیاہ رنگ کی مرسیڈیز کار

تھی.... دونوں بوڑھے اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے.... یاد ر بخت بیگم اشرف کے ساتھ کچھلی سیٹ پر

تھا۔ ضخیم اشرف نے اسٹیرنگ سنبھالا۔

”آپ لوگ غالباً سیاح ہیں....!“ بیگم اشرف نے یاد ر سے پوچھا۔

”جی ہاں.... شاہ دارا سے آئے ہیں۔!“

”کیسا لگا سردار گڈھ آپ کو....!“

”اس بار تو بہت اچھا لگ رہا ہے۔!“

”گویا ہر سال آتے ہیں۔!“

”جی ہاں....! لیکن اتنے اچھے لوگوں سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔!“

”اپنی پسند کے لوگ تلاش کئے جاتے ہیں۔ یونہی نہیں مل جایا کرتے۔!“

”لیکن ہمیں تو تلاش کئے بغیر ہی مل گئے ہیں۔!“

”اتفاق ہے۔!“

ادھر سکی بوڑھا ضخیم اشرف کے کان کھا رہا تھا! ”آج کل کے لونڈے خود کو نہ جانے کیا

سمجھتے ہیں۔ اب یہی ہیں ہمارے برخوردار اُن کا خیال ہے کہ یہ دنیا کے سارے علوم و فنون کے ماہر

ہیں.... لیکن ابھی پوچھ لوں کہ کسی بد صورت اور لپانچ سے عشق کیوں نہیں ہوتا تو بیہوش ہی

ہو جائیں گے۔!“

”نہ ضخیم اشرف ہی کچھ بول رہا تھا اور نہ اُس کا بھتیجا یاد ر.... کیونکہ اُس سے کچھ کہنے کے

لئے یا تو چیخنا پڑنا تھا یا کان سے منہ لگا کر بات کرنی پڑتی تھی.... بس وہ خود ہی بولے جا رہا تھا۔

”انہوں نے تو آپ کی زندگی تلخ کر دی ہوگی۔!“ بیگم اشرف نے آہستہ سے کہا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں....! انہیں شکست دینے پر آجاؤں تو گھنٹوں ان کے کان سے

منہ لگائے بیٹھا کہتا ہوں اور اس طرح جکڑے رہتا ہوں کہ اٹھ کر بھاگ بھی نہیں

وہ گاڑی سے اترے....!

دال بخش آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمارت کو دیکھ جا رہا تھا۔! ضخیم اشرف نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”اندر تشریف لے چلئے۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا نہ میں انڈے سے نکلا ہوں اور نہ کسی انڈے میں داخل ہو سکتا ہوں۔!“

”آپ اندر سے اس عمارت کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گے....!“

”مجھے باہر ہی خوش رہنے دیجئے.... زردیاں اور سفیدیاں بہت دیکھی ہیں میں نے....!“

”میں تو جا رہا ہوں....!“ یاور بخت غصیلے لہجے میں چینا۔!

”میں باہر ہی انتظار کروں گا.... شوق سے جاؤ۔!“

ضخیم اشرف نے بے بسی سے یاور بخت کی طرف دیکھا۔

”میں نے تو پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ ایشیا کے عظیم سنگی ہیں۔!“

”میں کہتا ہوں تم جاؤ۔!“ دال بخش نے جھجکے سے کہا۔! ”میں قیامت تک تمہارا اسی جگہ

انتظار کروں گا۔!“

”اس کا کیا مطلب ہوا....!“ ضخیم اشرف نے یاور سے پوچھا۔

”کسی بات کا کوئی مطلب نہیں! میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔! انہیں یہیں کھڑا رہنے دیجئے۔!“

”کمال ہے....! انہی کی وجہ سے تو میں نے اپنی اس وقت کی تفریح برباد کی ہے۔! ورنہ باغ

سے ابھی کیوں آتا۔!“

”تو پھر یہیں کھڑے کھڑے انکا نفسیاتی علاج کر دیجئے۔! یہ تو ہرگز اندر نہیں جائیں گے۔!“

”آخر وہاں سے کیوں چلے آئے تھے۔!“

”اگر عمارت کی ساخت کا پتا چل جاتا تو ہرگز نہ آتے۔!“

”واقعی خطرناک قسم کی سنگ معلوم ہوتی ہے۔! اور جناب عالی! نفسیاتی علاج کھڑے کھڑے

نہیں ہو جاتا۔! اس میں وقت لگتا ہے۔!“

”میں جانتا ہوں....!“ یاور سر ہلا کر بولا۔

”تو پھر کیا کریں....!“

”کچھ بھی نہیں....! میں اس عمارت کو اندر سے دیکھ لینے کے لئے بے چین ہوں۔!“

”چلئے....! میں دکھاؤں....!“ بیگم اشرف بے تکلفی سے اُس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔ ”ان دونوں کو یہیں کھڑا رہنے دیجئے۔!“

اور پھر حقیقتاً ہی ہوا تھا۔! دونوں بوڑھے باہر ہی رہ گئے تھے اور وہ اُسے لئے ہوئے اندر آئی تھی۔ عمارت کا ڈھنگ عجیب تھا۔! باہر سے گلوب کی شکل تھی۔ لیکن اندر پہنچ کر یہ تصور ختم ہو گیا تھا کہ باہر سے عمارت کی بناوٹ کیا تھی....! کمرے مستطیل تھے اور چھتیں مسطح جیسے عام مکانوں کی ہوتی ہیں۔

”پروفیسر بھی سنگی ہیں۔!“ دفعتاً بیگم اشرف نے کہا۔

”اچھا تو پھر....!“

”وہ کسی نہ کسی طرح آپ کے چچا کو اندر لے آئیں گے۔ خواہ ملازموں کی مدد سے اٹھوانا ہی کیوں نہ پڑے۔!“

”غضب ہو جائے گا۔!“ یاور بوکھلا کر بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”اگر زبردستی کی گئی تو ایک آدھ کی جان ضرور جائے گی۔!“

”میں نہیں سمجھی....!“

”بخش خاندان کا کوئی فرد اسے برداشت نہیں کر سکتا۔! جلدی کیجئے.... پروفیسر کو اس سے

باز رکھنے کی کوشش کیجئے....! اور نہ کسی ملازم کا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔!“

”ہونے دیجئے....! دیکھا جائے گا....! ہاں تو آپ....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔!

”جی ہاں فرمائیے....!“

”پروفیسر باہر نفسیات ہیں....! اور میں جسموں کی معالج ہوں۔!“

”اوہو....! لیڈی ڈاکٹر....!“

”صورت دیکھ کر بتا سکتی ہوں کہ آپ کس مرض میں مبتلا ہیں۔!“

”میں تو کسی بھی مرض میں مبتلا نہیں ہوں۔!“

”دو سال بعد آپ کو احساس ہو سکے گا کہ آپ کس موزی مرض کا شکار ہوئے ہیں۔!“

”ایسا نہ کہئے....!“ یاور بوکھلا کر بولا۔

”یقین کیجئے.....!“ بیگم اشرف.... چند لمحے پر تشویش انداز میں کچھ سوچتی رہی پھر سوال کیا ”آپ نے کب سے اپنا خون ٹسٹ نہیں کرایا۔!“

”کبھی نہیں کرایا۔ ضرورت ہی نہیں پڑتی۔!“

”اسی لئے تو امراض آخری اسٹیج میں داخل ہو جانے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر تو صحت یاب ہونے میں بھی دیر لگتی ہے یا مریض جانبر ہی نہیں ہو سکتا۔!“

”خدا را بتائیے..... میں کس مرض میں مبتلا ہوں۔!“

”آپ کے اندر چیچک کے جراثیم سے متاثر ہو جانے کی ٹنڈنی موجود ہے۔! میں پیچھا لو جسٹ بھی ہوں۔ آپ کا خون ٹسٹ کر کے ثابت کر سکتی ہوں۔!“

”چیچک... خدا کی پناہ... میرا چہرہ داغ دار ہو جائے گا۔“ یاور بہت زیادہ بدحواسی کے عالم میں بولا۔

”فکر مت کیجئے۔ اس کا تداؤک بھی ہو جائے گا آپ زندگی بھر چیچک کے شکار نہ ہو سکیں گے۔!“

”تو پھر کچھ کیجئے.....!“

”سب سے پہلے خون ٹسٹ کروں گی۔!“

”ضرور.... ضرور.... میں تیار ہوں.... جتنا دل چاہے خون نکال لیجئے۔!“

وہ اُسے تجربہ گاہ میں لائی تھی اور ہانچو ڈرک سیرنج سے اُس کا خون نکال کر محفوظ کر لیا تھا۔

”آپ لوگ کہاں مقیم ہیں۔!“ اُس نے یاور سے پوچھا۔

”انٹرنیشنل کے کمرہ نمبر گیارہ اور بارہ میں۔!“

”بس کل آپ کو رپورٹ مل جائے گی اور کل ہی سے علاج بھی شروع ہو سکے گا۔ اگر آپ نے پسند کیا۔!“

”کیوں نہیں.... کیوں نہیں....! لیکن اس کا ذکر چچا سے نہ آنے پائے۔ وہ میرا مذاق اڑائیں گے.... میں اُن کی لاعلمی میں تنہا ہی آؤں گا۔!“

”یہ اور بھی اچھا ہو گا....!“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”ذرا برابر بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں....! میرا طریق علاج آپ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دے گا۔!“

”بہت بہتر.... تو کل کس وقت آؤں۔!“

”جس وقت بھی دل چاہے ہم زیادہ تر گھر ہی پر ملتے ہیں۔ آج اتفاقاً بہت دنوں بعد باغ کی

طرف جانے تھے۔! خیر.... چلے اب دیکھیں کہ آپ کے چچا صاحب پر کیا گزری۔!“

”جی ہاں.... مجھے بھی تشویش ہے۔ کہیں وہ سر کے بل نہ کھڑے ہو گئے ہوں۔!“

”کیا مطلب....؟“

”جب اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں تو سر کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں۔! اس کی پرواہ کئے بغیر کہ کہاں ہیں۔!“

وہ عمارت سے باہر آئے۔ دونوں بوڑھے اب بھی اُسی جگہ کھڑے تھے جہاں انہیں چھوڑ کر وہ اندر گئے تھے۔ دونوں کے درمیان کسی مسئلے پر بحث جاری تھی انہیں دیکھ کر خاموش ہو گئے۔!

”تم نے آج میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔!“ یاور کا چچا اُسے گھونہ دکھا کر بولا۔ اور یاور کھیانے انداز میں ہنسنے لگا۔! دفعتاً بیگم اشرف آگے بڑھی اور اُس کے کان سے منہ لگا کر بولی ”تو کون سی آفت آگئی۔ میں نے آپ کے بھتیجے کے کان نہیں کاٹ لئے۔!“

”ارے آپ اس کی گردن بھی کاٹ دیتیں تو مجھے پرواہ نہ ہوتی۔ لعنت ہے ایسے بھتیجے پر کہ چچا کو باہر چھوڑ کر خود اندر چلا جائے گا۔!“

”آپ بھی چلے....!“

”جی نہیں شکریہ....! میں گول چیزوں سے دور بھاگتا ہوں۔!“

”تو پھر اپنے اوپر یہ گول کھوپڑی کیوں لئے پھر رہے ہیں۔!“ ضعیف اشرف غصیل آواز میں چیخا۔!

”بالکل گول نہیں ہے....!“

”اگر ہوتی تو کیا ہوتا۔!“

”میں ایسا ہر گز نہ ہوتا جیسا اب ہوں۔!“

”پلیز پروفیسر....!“ یاور آہستہ سے بولا۔ ”ان کے منہ نہ لگئے۔ اب ان کا موڈ خراب ہو گیا ہے۔ آدمیوں کی طرح باتیں نہیں کریں گے۔!“

”کیا کہہ رہے ہو چپکے چپکے....!“ دال بخش نے پوچھا۔

”واپسی کی اجازت طلب کر رہا ہوں۔!“ یاور نے جواب دیا۔

”ہاں.... بہتر ہے.... اب تشریف لے جائیے!“ ضعیف اشرف نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

یاور نے اپنے چچا کا بازو پکڑا اور پھانک کی طرف مڑ گیا۔

”ٹھہریے....!“ بیگم اشرف آگے بڑھ کر بولی....! ”گاڑی سے بھجوائے دیتی ہوں!“

”کہاں تکلف کیجئے گا!“

”کیا فرما رہی ہیں....!“ بوڑھے نے پوچھا۔

”کہتی ہیں اپنی گاڑی سے بھجوادوں....!“

”اگر یہ کہتی ہیں تو ٹھیک ہے۔ اُن صاحب کی بات تو ہر گز نہیں مانوں گا۔!“

”جہنم میں جاؤ۔!“ کہتا ہوا پروفیسر عمارت کی طرف مڑ گیا۔



سنگ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فائر کس طرف سے ہوئے تھے۔ لیکن خود خالی ہاتھ ہونے کی بنا پر فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

بہر حال وقت گزرتا رہا تھا....! اور پھر فائر نہیں ہوئے تھے۔ اُس نے گاڑی کے پچھلے حصے میں دوسری طرف بھی فلیٹ ٹائر والا وہیل لگایا تھا اور گاڑی غالباً پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل پڑی تھی۔!

اس طرح اگلے تیس میل شائد دو گھنٹے میں طے ہوئے تھے۔! اور وہ نعیم آباد کے پڑول پمپ تک جا پہنچا تھا۔! دو ٹائروں کی مرمت کرانے کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوا تھا۔!

سردار گڈھ پہنچتے پہنچتے رات کے تین بج گئے۔ لیکن سنگ کی پیشانی پر شکن تک نہیں تھی۔!

ایسا لگتا تھا جیسے یہ روزانہ کا معمول ہو۔!

اُس کے جسم پر ایک بھی گرم کپڑا نہیں تھا اور وہ تھی سردار گڈھ کی ایک سردرات۔ کھلی فضا میں تو اُن کے دانت بھی بجنے لگتے تھے جنہوں نے گرم سوٹوں پر اُدور کوٹ پہن رکھے ہوتے تھے۔

گاڑی ایک شبینہ ڈرگ اسٹور کے سامنے روکی تھی۔ اور اتر کر کاؤنٹر پر آیا تھا۔ سلیز مین اُسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اور اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے سامنے پڑے ہوئے پیڑ پر جلدی جلدی لکھنے لگا۔ ”جناب عالی پولیس آپ کی تلاش میں ہے۔ رفعت منزل کے علاوہ اور ہر جگہ آپ کو تلاش کر چکی ہے۔ وہ لوگ یہاں ایک ایسا آلہ چھوڑ گئے ہیں جس کے ذریعے ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ کہیں اور سنا جاسکے گا۔!“

سنگ نے تحریر پر نظر ڈالی تھی اور ڈرگ اسٹور سے نکل کر پھر گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ یہاں کی

پولیس کو اُس کی تلاش تھی لیکن سرنگی کے نام سے کا سموٹیک کمپنی کے ٹینجنگ ڈائرکٹر کی حیثیت سے بعض امور کی جواب دہی کرنی تھی۔ پولیس نے اُس کے دفتر کو سیل کر دیا تھا۔ لیکن عملے کے کسی فرد کو حراست میں نہیں لیا تھا۔ البتہ ہر ایک کی نگرانی جاری تھی۔

سنگ نے اُس گیراج کا رخ کیا جہاں حسب وعدہ گاڑی چھوڑنی تھی.... گیراج کا چوکیدار شائد اُس گاڑی کو اچھی طرح پہچانتا تھا.... اُس کے رکتے ہی دوڑا آیا لیکن پھر خلاف توقع کسی اجنبی کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔!

”سب ٹھیک ہے....!“ سنگ سر ہلا کر بولا۔ ”گاڑی یہیں رہے گی۔ میں ادھر پہلی بار آیا ہوں.... گاڑی ایک جگہ خراب ہو گئی تھی۔ سینٹھ نے مجھے بھیجا کہ ٹھیک کر کے یہاں پہنچا دوں.... ادھر فون بھی ہے....!“

”ہے اُستاد....!“ چوکیدار نے کہا۔

”میں ایک کال کروں گا....!“ سنگ گاڑی سے اُترتا ہوا بولا۔

”ضرور اُستاد....!“ چوکیدار نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

وہ اُسے گیراج کے اُس حصے میں لایا تھا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ سنگ نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔ لیکن فوری طور پر جواب نہ ملا۔ تین بار رنگ کرنے کے بعد.... دوسری طرف سے ریسپور اٹھائے جانے کی آواز سنی تھی۔ پھر کسی نے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں کال کا جواب دیا۔

”کیا ایفون کھا کر سوئے تھے....!“ سنگ نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”اُوہ.... اُوہ.... جناب....! معاف فرمائیے گا۔!“

سنگ نے کنکھیوں سے چوکیدار کی طرف دیکھتے ہوئے انگلش میں کہا! ”شاہی دیوار کے قریب فور گاڑی چاہئے۔! بیس منٹ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔!“

”بہت بہتر جناب....!“

”اور ہاں.... خیال رکھنا کہ تمہارا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا.... اگر یہ محسوس کرو تو گاڑی کو

بہرل پوسٹ آفس کے قریب چھوڑ کر خود نوچکر ہو جانا۔ کنجی اکینشن ہی میں چھوڑ دینا۔!“

”میں احتیاط رکھوں گا جناب....! لیکن ابھی تک یہاں کے کسی فرد کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

یہ عمارت محفوظ ہے۔!“

”جس طرح اس وقت نیند میں ہونے کے باوجود بھی یقین کر لیا تھا۔ آپ نے اپنا نام تو نہیں بتایا تھا۔!“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس آواز اور میری آواز میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں تھا۔!“

”نہیں جناب....! مجھے سخت حیرت ہے۔!“

”جن سے لاش چوری کرائی گئی تھی انہیں بھی اس پر حیرت ہے لیکن یقین کر دو کہ میں نے ایسا حکم کبھی کسی کو نہیں دیا۔!“

”بڑی عجیب بات ہے۔!“

”اس دوران میں میری طرف سے اور کیا احکامات ملے ہیں۔!“

”کچھ بھی نہیں.... بس لاش کے سلسلے میں.... یا اس وقت گاڑی کے لئے۔!“

”تم جانتے ہو کہ تم میرے معتمد ترین آدمی ہو۔!“

”اس کے لئے میں شکر گزار ہوں جناب۔!“

”آج جب میں یہاں آ رہا تھا تو گاڑی کا ایک نار فلیٹ ہو گیا....! نیچے اتر کر دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھ پر دو فائر کئے گئے۔!“

”نہیں....!“ دوسرا آدمی اُچھل پڑا۔

”یقین کرو....! ہر چند کہ پولیس کو میری تلاش تھی۔ لیکن کہیں کی بھی پولیس میری لاش نہیں چاہتی مجھے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔!“

”میں جانتا ہوں جناب....!“

”میرے پاس بعض حکومتوں کے بہت بڑے بڑے راز ہیں۔ ان کے خلاف دستاویزی ثبوت میرے قبضے میں ہیں۔! اس لئے کوئی بھی پُپ چپاتے مار ڈالنا پسند نہیں کرے گا۔!“

”درست فرما رہے ہیں جناب....!“

”پھر دور دور تک کوئی نظر نہیں آیا تھا۔!“

”حیرت ظاہر کرنے کے علاوہ اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔!“

”کاسٹوفیگ کی کیا رپورٹ ہے....؟“

”دفتر سیل کر دیا گیا ہے.... عملے کی نگرانی ہو رہی ہے اور آپ کی تلاش جاری ہے۔!“

”پھر بھی اگر تم بیس منٹ میں شاہی دیوار تک نہ پہنچے تو میں سمجھ لوں گا کہ اب گاڑی جزل پوسٹ آفس کے قریب ملے گی۔!“

”بہت بہتر جناب....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اور سنگ نے ریسیور کرڈیل پر رکھ دیا۔

”چائے بناؤں استاد....!“ چوکیدار نے پوچھا۔

”نہیں دوست.... پھر کبھی۔!“

”تو کیا پیدل ہی جاؤ گے۔!“

”زیادہ دور نہیں جانا۔ ایک ساتھی کا گھر قریب ہے۔!“ سنگ نے کہا اور گیراج سے نکلا چلا آیا۔ دس منٹ میں وہ اُس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں گاڑی منگوائی تھی.... اور یہاں اُسے سات آٹھ منٹ منتظر رہنا پڑا تھا۔

ایک لمبی سی سیاہ گاڑی مقررہ وقت سے دو منٹ پہلے ہی وہاں پہنچ گئی تھی۔!

”سب ٹھیک ہے....!“ سنگ نے کھڑکی کے قریب پہنچ کر پوچھا۔!

”جی ہاں.... تعاقب نہیں کیا گیا۔!“

”اچھا.... پیچھے جاؤ.... میں خود ڈرائیو کروں گا۔!“

ایک آدمی اگلی سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔ سنگ نے اسٹیرنگ سنبالا پ اور گاڑی حرکت میں آگئی۔

”دونوں لاشیں پہنچ گئی تھیں۔!“ سنگ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔!

”دونوں....!“ پچھلی سیٹ والے نے حیرت سے کہا۔ ”نہیں جناب.... صرف ایک۔!“

”کون سی پہنچی تھی۔!“

”وہی جناب جو پولیس نے جنگل سے اٹھائی تھی۔!“

”اب کہاں ہے۔!“

”ارے جناب.... آپ ہی کی ہدایت پر تو جلادی گئی تھی۔!“

”میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔!“

”میں نے آپ کی کال ریسیو کی تھی۔!“

”کس طرح یقین کر لیا تھا کہ وہ میری ہی کال تھی۔!“

”تم پر تو کسی کی نظر نہیں۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!“

”سننا ہے رفعت منزل کی بھی نگرانی نہیں ہو رہی۔!“

”دھوکا ہے جناب! میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ رفعت منزل کو نظر انداز کر دیں گے۔!“

”میرا بھی یہی خیال تھا۔!“

”اور کوئی خاص بات۔!“

”کیپٹن فیاض پھر دوڑیں لگا رہا ہے۔!“

”کیا مطلب....!“

”خدا کی پناہ! کیا آپ کو اس کا بھی علم نہیں۔!“

”سب کچھ جلدی سے بتا جاؤ۔!“

”پانچ نمبر والوں نے اُسے پکڑ کر اُس کے سینے پر کچھ دھاریاں ڈال دی تھیں پھر بیہوشی کی حالت میں سڑک کے کنارے ڈال گئے.... وہاں سے ایک عورت لے گئی.... اور کچھ دن وہاں رہا.... پھر وہ عورت بھی غائب ہو گئی.... اور اب کئی کئی میل تک دوڑتا چلا جاتا ہے۔!“

”کیا تم نے اُس عورت کو دیکھا ہے۔!“

”جی ہاں....!“

”اُس کا حلیہ بتاؤ۔!“

”حلیہ.... حلیہ....!“ وہ متفکرانہ لہجے میں بولا ”اس کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں کہ بہت خوبصورت عورت تھی۔!“

”ہوں.... اچھا....!“

”یقین کیجئے کہ چہرے کی بناوٹ یاد نہیں.... بس یہ تاثر ذہن میں موجود ہے کہ بہت خوبصورت تھی۔!“

”مجھے یقین ہے....!“ سنگ دانت پیں کر بولا۔

”تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر سنگ نے پوچھا ”اب وہ عورت کہاں ہے....؟“

”مجھے علم نہیں ہے.... میں نے تو کیپٹن فیاض پر آپ کے حکم کے مطابق پہلے ہی سے نظر

رکھی تھی۔ اس لئے اُس عورت کو بھی دیکھ سکا تھا۔ پانچ نمبر میں سارے ہی سفید فام غیر ملکی ہیں۔

میرا خیال تھا کہ وہ عورت بھی انہی میں سے ہوگی۔!“

”کیا خیال ہے تمہارا پانچ نمبر والوں نے یہ حرکت میرے حکم سے کی ہوگی۔!“

”آپ انچارج ہیں جناب۔!“

”ہر گز نہیں۔! میں نے پانچ نمبر والوں کو بھی ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔!“

”تو پھر وہ من مانی کر رہے ہیں۔!“

”یہی تو دیکھنا ہے۔ اگر من مانی کر رہے ہیں تو کیوں....؟“

”میں تو یہی سمجھتا تھا کہ آپ انچارج ہیں۔!“

”میں بھی یہی سمجھتا ہوں.... وہ میرے ہی چارج میں تھے۔ اور اگر کوئی تبدیلی ہوئی ہے تو

مجھے اس کا علم ہونا چاہئے تھا۔!“

”قاعدے کی بات ہے۔!“

”کیپٹن فیاض کو کیوں چھیڑا گیا۔ میں نہیں جانتا۔!“

”میں جانتا ہوں۔ اُس سے کہا گیا تھا کہ اگر اُس نے اپنے اُس دوست کو واپس نہ کیا تو کسی

وقت بھی اُس کا پورا جسم دھاری دار بنا دیا جائے گا۔!“

سنگ کچھ نہ بولا۔ اُس کے ہونٹ سختی سے بچھنے ہوئے تھے اور گاڑی کسی نامعلوم منزل کی

طرف چلی جا رہی تھی۔!

”آج سردی بڑھ گئی ہے جناب....!“ پچھلی سیٹ والے نے کہا۔ ”اور آپ شائد گرم

پکڑوں میں نہیں ہیں۔!“

”اس اوور آل کے نیچے سوئی کیڑے کا شلوار سوٹ ہے۔!“

”آپ فولاد کے بنے ہوئے ہیں جناب۔!“

”تم میرے ذاتی آدمی ہو۔ تمہارا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔!“

”اور آپ مجھے ہمیشہ اپنا وفادار پائیں گے۔ میں طاقت کا بھجاری ہوں۔!“

”اس قضیے سے بچنے کے بعد تم سردار گڈھ کے سب سے زیادہ مالدار آدمی ہو گے۔!“

”چھوٹی کوڑی بھی نہ ملے تو پرواہ نہ ہوگی۔ میرے لئے یہی اعزاز کیا کم ہے کہ آپ میرے ہیں۔!“

”نہیں.... صرف باپ بیٹی ہیں۔ اور اصل وہ انہیں پولٹری فارمنگ کے جاپانی طریقے سکھا رہا ہے۔“

”اب میں اُسے چینی طریقے سے عالم بالا کی طرف روانہ کر دوں گا۔ کیا وہ اُن کے ساتھ اُن کے گھر میں رہتا ہے۔“

”نہیں فارم کے ساتھ والے ہٹ میں چوکیدار کے ساتھ رہتا ہے۔“

”چلو دیکھتے ہیں! فارم میرا دیکھا ہوا ہے۔ وہی ہے ناجوانر ریزروائر کے قریب ہے۔“

”جی ہاں وہی۔“

”ٹھیک ہے.... چا تو ہو گا تمہارے پاس۔“

”جی ہاں۔“

”دینا مجھے.... میں تو بالکل خالی ہاتھ چلا تھا۔ گاڑیاں روک روک کر تلاشی لے رہے تھے۔“

”کوئی خاص بات تھی۔“

”اُسی ناہنجار بھتیجے سے ٹکراؤ ہو گیا تھا جس کا ذکر تم سے کر چکا ہوں۔! ساری گڑبڑ اُسی کی پھیلائی ہوئی ہے.... ورنہ بات اس قدر آگے نہ بڑھتی۔ ایٹور سنگھ والا دھاری دار آدمی اُسی کے ہاتھ لگ گیا تھا۔“

”اُسے ختم کیوں نہیں کر دیتے جناب۔“

”میری ہی طرح وہ بھی قسمت کا سکندر ہے! ویسے مجھے یقین ہے کہ ماداجاگامیرے ہی ہاتھوں۔“

”پچھلی سیٹ والا کچھ نہ بولا۔ گاڑی اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پچھلی سیٹ والے نے چا تو نکال کر سنگ کے حوالے کر دیا۔“

”گاڑی میں نارنج تو ہو گی ہی۔! سنگ نے پوچھا۔“

”جی ہاں.... نارنج بھی ہے اور ایک ریوالور بھی۔“

”ریوالور کی ضرورت نہیں.... غالباً اب ہم پولٹری فارم کے قریب ہیں۔“

”جی ہاں.... بس وہ اگلے موڑ والی چڑھائی۔“

”مجھے اندازہ ہے....! گاڑی وہیں چھوڑ دوں گا اور تم گاڑی ہی میں میرا انتظار کرو گے۔“

”تہا جائیں گے۔“

”نشانہ باز جاپانی کہاں مقیم ہے....؟“

”اُس کا کوئی خاص ٹھکانہ نہیں.... شہر میں نہیں نکلتا۔“

”مب سے نہیں دکھائی دیا۔“

”شائد پرسوں دیکھا تھا.... تو کیا اُسی نے آپ پر فائر....!“

”میرا یہی خیال ہے....! وہ کئی فرلانگ دور سے صحیح نشانہ لے سکتا ہے۔! میری جگہ اور کوئی ہوتا تو....! سنگ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔“

”لیکن کیوں....؟“

”یہی تو دیکھنا ہے.... اور پھر بتاؤں گا! نہیں کہ میں کیا چیز ہوں۔!“

”آپ تنظیم کے بڑوں میں سے ہیں۔!“

”سب فریب ہے۔ سفید قاموں کی بالادستی کی چھاؤں میں بڑا ہوں اور بس.... یہ مردود کتنی ہی مساوات کی باتیں کریں سب دھوکا ہوتا ہے ایک خوبصورت فریب۔!“

”یہ دھاری دار آدمی کیوں بنائے جا رہے ہیں۔!“

”مجھے نہیں بتایا گیا۔“

”اور یہ پیارے اپنی اصلی حالت پر آ بھی سکیں گے یا نہیں۔!“

”میں یہ بھی نہیں جانتا۔! اسے چھوڑو اُس جاپانی کے ممکنہ ٹھکانوں کے بارے میں بتاؤ۔!“

”پچھلی سیٹ والے نے کئی جگہوں کے نام لئے تھے۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اُسی نے کہا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ زیادہ تر سمن بار میں رہتا ہے۔ اس یوریشین لڑکی کی وجہ سے۔!“

”اُوہ.... تو کوئی لڑکی بھی ہے۔!“

”جی ہاں۔ ڈور و تھی نام ہے۔ اُس کا باپ رابرٹ سمن بار میں پولٹری فارمنگ کرتا ہے۔!“

”اوہو.... تو ہم سمن بار ہی والی سڑک پر تو جا رہے ہیں۔! سنگ نے کہا۔“

”جی ہاں....! لیکن اس وقت....!“

”لگے ہاتھوں دیکھ لیتے ہیں کیسی ہے وہ لڑکی۔!“

”شوخی کے علاوہ تو اور کوئی خاص بات مجھے نظر نہیں آئی۔!“

”ماں بھی ہے۔!“

”ذاتی قضیے تنہا پنانے کا عادی ہوں۔!“

”آپ واقعی گریٹ ہیں۔!“

سنگ نے سڑک کے کنارے گاڑی روکنے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا کہ دوسری گاڑیوں کے لئے دشواری نہ ہو سکے۔!

اُس نے دوسرے آدمی کو گاڑی میں چھوڑا اور خود بائیں جانب والی چڑھائی طے کرنے لگا۔ تاروں کی چھاؤں میں راستہ دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ پھر اُس کیمین تک جا پہنچا تھا جس کی نشان دہی اُس کے ساتھی نے کی تھی۔!

وہ بے آواز چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ ٹھیک اُسی وقت اُسے کسی کتے کی غرابٹ سنائی دی تھی اور اُس نے چاقو کھول لیا تھا۔

پھر جیسے ہی بائیں جانب سے کتا اچھل کر اس کے اوپر آیا۔ اس نے زمین پر لوٹ لگائی اور کتے کی کریمہ آواز دور تک سنائے کا سینہ چیرتی چلی گئی۔۔۔ اس کے بعد وہ پھرتی سے کیمین کے بائیں بازو کی طرف آگیا۔۔۔! زخمی کتا دروازے کے آس پاس گھسٹا اور کریمہ آوازیں نکالتا پھر رہا تھا۔۔۔! کیمین کے اندر سے کھڑ بڑاہٹ سنائی دی تھی۔۔۔ اور پھر کیمین کا دروازہ چرچا لیا تھا۔!

سنگ دیوار سے چپک کر رہ گیا۔۔۔! کوئی باہر نکلا تھا۔! پہلے نارچ کی روشنی دم توڑتے ہوئے کتے پر پڑی تھی۔۔۔ پھر ادھر ادھر اندھیرے میں گردش کرنے لگی تھی۔۔۔ وہ جو کوئی بھی تھا اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا اور شاید تنہا ہی تھا ورنہ زبان تالو سے نہ لگی رہ جاتی۔

اتنی دیر میں سنگ پورے کیمین کا چکر کاٹ کر دائیں بازو پر پہنچ چکا تھا۔! کیمین سے برآمد ہونے والے نے نارچ بچھا دی تھی۔ لیکن اب بھی دروازے ہی پر کھڑا ہوا تھا۔۔۔ دفعتاً سنگ نے اُس پر چھلانگ لگائی اور دبوج کر بیٹھ گیا۔!

”کک۔۔۔ کون۔۔۔؟“ وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

”جاپانی کہاں ہے۔!“ سنگ سانپ کی طرح پھسکا۔

”یہاں نہیں ہے۔!“ اس کا شکار ہانپتا ہوا بولا۔

”کب سے نہیں ہے۔۔۔!“

”کل رات کو چلا گیا تھا۔ پھر نہیں آیا تھا۔۔۔ چھوڑو مجھے۔!“

”تم چوکیدار ہو۔!“

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ چھوڑو۔۔۔!“

سنگ نے بائیں کیمین سے اس کی کنپٹی پر گھسا لگایا۔ اور وہ ”ارے“ کہہ کر بائیں جانب ڈھبھٹا چلا گیا۔! اس کے بعد سنگ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر اُسی طرف چل پڑا تھا۔ جہاں گاڑی کھڑی کی تھی۔! ”کیا رہا جناب۔۔۔!“ گاڑی میں بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا۔

”خواہ مخواہ ایک کتے کا خون ہو گیا۔!“ سنگ اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”وہ یہاں نہیں ہے۔!“

”میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ ایک جگہ نہیں ملتا۔!“

سنگ نے انجن اشارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ سردار گڈھ کی جانب نہیں موڑی گئی تھی۔ اُس کے ساتھی نے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اب کدھر کا قصد ہے۔

سنگ تھوڑی دیر بعد بعد بولا تھا۔! ”فی الحال سردار گڈھ میں قیام مناسب نہیں جب ساتھی ہی دغا دینے لگیں تو محتاط ہو جانا چاہئے۔!“

”آپ اُن حرام زادوں کو ساتھی کہہ رہے ہیں۔!“

”یہی تو دشواری ہے کہ حرام زادے نہیں ہیں۔ ورنہ اس طرح دغا دیتے۔!“

”اپنی بات آپ ہی جانیں۔!“ ساتھی آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔



کیمین فیاض کو ایک ہٹ کرائے پر مل گیا تھا۔ بستی سے خاصا الگ تھلگ واقع ہوا تھا۔ اسی لئے شاید مل گیا تھا۔ ورنہ سیزن میں ایسی خوش نصیبی کس کے حصے میں آسکتی۔ فیاض تو چاہتا بھی یہی تھا کہ بھیڑ بھاڑ سے کٹ جائے یہاں وہ تھیر آمیز نظروں سے دور رہ کر جتنی دیر چاہتا دوڑتا رہ سکتا تھا۔۔۔ وہ تین دھاریاں جو جسم پر باقی رہ گئی تھیں سوہان روح بنی ہوئی تھیں۔

اس وقت بھی وہ اپنے ہٹ کے آس پاس دوڑتا پھر رہا تھا۔!

اچانک ایک جگہ کسی نے لکارا۔ ”ٹھہر جاؤ۔!“

وہ بھنا کر پلٹا۔۔۔ ایک باوردی پولیس انسپکٹر تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا اُسے گھورے جا رہا تھا۔

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔!“ اُس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”کیوں.....؟“ فیاض نے بھی آنکھیں نکالیں۔

”کہاں رہتے ہیں۔!“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم داخل اندازی کرنے والے کون ہو۔ کیا میں کوئی غیر قانونی حرکت کر رہا ہوں۔!“

”اے مسٹر.....! سیدھی بات کا سیدھا جواب دو ورنہ دشواری میں پڑو گے۔!“

”میں اُس ہٹ میں رہتا ہوں۔!“ فیاض نے بائیں جانب والی چڑھائی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اور اتفاق سے میرا تعلق بھی امور داخلہ ہی کے ایک شعبے سے ہے..... اس لئے میں اس مداخلت کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔ ہم کسی دوڑنے والے کو خواہ مخواہ روک کر یہ نہیں پوچھ سکتے کہ وہ کیوں دوڑ رہا ہے۔!“

”بشرطیکہ کسی کا کچھ لے کر نہ بھاگا ہو۔!“ انسپکٹر طنز یہ انداز میں مسکرایا۔

”بکواس بند کرو۔ ورنہ الٹا ہاتھ منہ پر دوں گا۔ میں تم سے عہدے میں بہت بڑا ہوں۔!“

سب انسپکٹر صرف ہونٹ ہلا کر رہ گیا تھا آواز نہیں نکلی تھی۔ فیاض نے جیب سے اپنا شناخت نامہ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

اُس نے اُسے ہاتھ میں لے کر دیکھا تھا اور پھر اُس پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ فوراً سلیوٹ کر کے ہکایا تھا۔ ”مم... معافی چاہتا ہوں... جج جناب عالی۔ مگر بات ہی ایسی ہو گئی ہے۔!“

”کیا بات ہے.....!“ فیاض نے اُس سے شناخت نامہ لیتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

”ادھر نشیب میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ کسی نے اُس کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ اور دونوں ہاتھ کاٹ لے گیا ہے۔!“

”اوہ.....!“

پھر فیاض اُس کے ساتھ جائے واردات پر پہنچا تھا۔ لیکن یہاں کچھ اور پولیس والے بھی موجود تھے۔ لاش چت پڑی ہوئی تھی۔ اور اُس کی دونوں ہتھیلیاں غائب تھیں۔ نیچے کلائی کے پاس سے الگ کر لئے گئے تھے۔

”یہ تو کوئی جاپانی لگتا ہے۔!“ فیاض آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر انسپکٹر سے پوچھا ”کچھ کاغذات بھی برآمد ہوئے ہیں۔!“

”جی نہیں۔ جیسے خالی ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے اسکی شخصیت پر روشنی پڑ سکے۔!“

”میرا خیال ہے کہ قتل کو زیادہ وقت نہیں گزرا۔ خون کی رنگت دیکھو.....! شاید ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا۔!“

سب انسپکٹر کچھ نہ بولا۔ فیاض نے کہا ”اور میں اس دوران میں کہیں گیا بھی نہیں..... فاصلہ بھی زیادہ نہیں ہے..... لیکن میں نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی.....! لاش کس نے دیکھی تھی؟“

”میں نے ہی.....!“ سب انسپکٹر نے کہا ”کچھ دیر قبل ادھر سے گذرا تھا۔!“

”بڑی عجیب بات ہے کہ چپ چاپ تے مر گیا۔!“ فیاض نے کہا اور لاش کے قریب پہنچ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔!

سب انسپکٹر اپنے ساتھیوں کو آہستہ آہستہ اُس کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ سب چاق و چوبند نظر آنے لگے۔

”سیاح معلوم ہوتا ہے۔!“ فیاض اُن کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ہوٹلوں میں چیک کیجئے۔ قطعی طور پر جاپانی ہے۔!“

”جی ہاں..... میرا بھی یہی اندازہ تھا۔!“

”سوال تو یہ ہے کہ وہ تنہا یہاں کیا کر رہا تھا۔ غیر ملکی سیاح ہمیشہ ٹولیوں کی شکل میں نکلتے ہیں۔!“

”ہو سکتا ہے لاش کہیں اور سے لاکر یہاں ڈالی گئی ہو۔!“

”ہاں.....! ایسا بھی ہو سکتا ہے۔!“ فیاض نے سر ہلا کر بُرے فکر لہجے میں کہا۔!

تھوڑی دیر بعد لاش اٹھوا دی گئی تھی۔ اور فیاض نے سب انسپکٹر سے کہا ”اگر میری ضرورت پیش آئے تو مطلع کر دینا۔!“

”بہت بہتر جناب.....! شاید آپ کی رہنمائی میں ہم مجرم پر ہاتھ ڈال سکیں۔!“

اُن لوگوں کے چلے جانے کے بعد بھی فیاض وہیں کھڑا چاروں طرف نظریں دوڑاتا رہا تھا۔ لیکن کئی لاکھاصل، کوئی ایسا نشان نہ مل سکا جو بات کو آگے بڑھا سکتا تھک ہار کر ہٹ میں واپس چلا آیا۔!

بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اور پھر یک بیک اُس کا سارا جسم جھنجھٹا اٹھا۔ دروازے کے سامنے عمران کھڑا اُسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ غائب کر دینے والے وہی ہوتے تو پھر مجھ سے اُس کا مطالبہ کیوں کیا جاتا۔!“

”مقدرات فیاض صاحب....! تمہاری قسمت میں روزالی کی آغوش شفقت لکھی ہوئی تھی۔ کیسے نصیب نہ ہوتی۔!“

”مذاق ازار ہے ہو۔“ فیاض حلق پھاڑ کر دھاڑا۔

”دھیرج.... دھیرج....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے بولا۔ ”تم نے اُس عورت کے ساتھ کئی دن گزارے تھے۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ تم اُس کا صحیح حلیہ نہ بتا سکو گے۔!“

فیاض نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن پھر سختی سے ہونٹ بھیج لئے۔ دفعتاً اُس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

”کیا خیال ہے.... بتاؤ حلیہ....!“

فیاض کچھ نہ بولا۔ احمقوں کی طرح عمران کی شکل دیکھتا رہا۔! عمران سر ہلا کر بولا۔ ”نہیں بتا سکتے.... اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ساری دنیا میں صرف ایک ہی عورت ایسی ہے جسے ٹکڑوں میں نہیں دیکھا جاسکتا پوری کی پوری ذہن پر حملہ آور ہوتی ہے۔!“

”نہیں....!“ فیاض بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”ٹی تھری بی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی فیاض صاحب....!“

فیاض طویل سانس لے کر بیٹھ گیا۔ اس طرح آنکھیں پھاڑے عمران کو دیکھے جا رہا تھا جیسے اُس کے سر پر دوسرا سر نمودار ہو گیا ہو۔

”لہذا غصہ تھو کو.... اور اس بین الاقوامی کام میں میرے ہاتھ بٹاؤ۔ پتا نہیں وہ یہاں کیا کرنا چاہتی ہے۔ تمہیں اُس نے محض اس لئے الجھایا تھا کہ مجھے اُس کے پھندے میں لا پھنساؤ.... لیکن میں ان دنوں بہت زیادہ محتاط رہا ہوں۔!“

”لیکن یہ دھاریاں....!“

”محض ایک سائنسی شعبہ....! یہ اُسی محلول سے مٹ جائیں گی جو وہ استعمال کرتی رہی تھی.... اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔!“

”لیکن تین دھاریاں باقی کیوں رہنے دیں....!“

”اُس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ تم پورے سینے کی صفائی کرا کے چلتے بنو گے مجھے تلاش

”آؤ.... آؤ....!“ فیاض سر ہلا کر بولا۔ ”آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“

”پہلے میں تمہارے جھکے کو تو اطلاع دے دوں کہ تم زندہ و سلامت ہو۔!“ عمران نے کہا۔

”بکواس مت کرو.... تمہاری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہوں۔!“ فیاض آپے سے باہر ہوتا ہوا بولا۔

”دم نکل آئی ہے.... یاسینگ نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔!“

”بس خاموش رہو.... فتح محمد خان کہاں ہے۔!“

”یار کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ پتا نہیں کس فتح محمد کی بات ہے۔!“

”کیا تم نے اُس کا خاکہ نہیں شائع کر لیا تھا اخبارات میں۔!“

”اچھا.... وہ.... لیکن وہ تو مر گیا.... اور اُس کی لاش بھی غائب ہو گئی۔!“

”میں یقین نہیں کر سکتا۔!“

”یقین نہ کرنے کی وجہ۔!“ عمران نے سوال کیا، جواب کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

”وجہ۔!“ فیاض دانت پیس کر بولا۔ ”وجہ.... یہ دیکھو وجہ۔!“

اُس نے تیزی سے اپنے گریبان کے بٹن کھول دیئے تھے.... تین رنگین دھاریاں دور سے بھی دیکھی جاسکتی تھیں۔!“

”یہ کیا ہوا....!“ بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا تھا۔

”تمہاری وجہ سے ہوا تھا۔ اخبار میں فتح محمد خان کا سکیچ دیکھ کر میں نے انٹرنیشنل سے تمہیں فون کال کی تھی اور تم سے جو گفتگو ہوئی تھی اُس کا علم اُن لوگوں کو ہو گیا تھا۔ لہذا انہوں نے دھوکے سے مجھے پکڑ لیا۔!“

”تمہیں پکڑ لیا۔!“ عمران چونک کر بولا۔

فیاض نے کبھی الٹک الٹک کر اور کبھی جوش و خروش کے ساتھ اپنی پوری کہانی سنائی تھی.... اور پھر دانت پیس کر بولا تھا! روزالی مہندس بھی تمہاری وجہ سے کام ادھورا چھوڑ گئی۔!

”کاش میں تمہارے خوابوں سے بھی دور رہ سکتا۔!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”اب بتاؤ.... میں کیا کروں....!“ فیاض ران پر ہاتھ مار کر بولا۔

”ان تین دھاریوں کو اُس عورت کی یادگار سمجھ کر معاف کر دو۔!“

”میں واقعی تمہیں جان سے مار دوں گا۔ اور یہ بکواس ہے کہ فتح محمد کی لاش غائب ہو گئی۔“

نہیں کرو گے.....!“

”تم میں کیا خاص بات ہے۔!“

”میں اُس کی چلنے نہیں دیتا.... اور تم سے زیادہ خوبصورت ہوں۔!“

”صورت حرام ہو.....!“

”صرف مردوں کے لئے.... بلکہ مردوں کے لئے کہو.....!“

”یاد دیکھو میں مر جانے کی حد تک سیر لیس ہوں.....!“

”فضول باتیں مت کرو.... تمہیں شاید علم نہ ہو کہ سنگ بھی یہیں موجود ہے۔ اور ہاں یہ

لاش کا قصہ کیا تھا۔!“

”سنگ بھی موجود ہے.....!“ فیاض اُس کے سوال کو نظر انداز کر کے بولا۔

”ہاں..... میں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ لیکن وہ ڈونج دے گیا۔!“

عمران نے کہا اور سنگ سے ٹکراؤ والی کہانی دہرانے لگا۔

فیاض کے چہرے پر کرب کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ شاید اُس نے ذہن کو بالکل

ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ عمران کے خاموش ہو جانے پر بولا ”اسی طرح کسی دن خاموشی سے مر جاؤ

گے۔ لاش کا بھی پتا نہیں چلے گا۔!“

”تمہاری خواہش بھی یہی ہے.... ورنہ خواب میں میری لاش کیوں نظر آئی۔ پوری نہ

ہو سکنے والی خواہشیں خوابوں ہی کے ذریعے تسکین پاتی ہیں۔!“

فیاض کچھ نہ بولا.... عمران نے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

”ذرا ایک بار پھر تو بتانا کہ اُس نے چند دھاریاں کس طرح مٹائی تھیں۔!“

”کیا کرو گے سُن کر! تم تو صرف اُس محلول کی بات کر رہے ہو جبکہ میں نے خود اُن

دھاریوں کو اپنے پیروں کی طرف سے اٹھنے والے دھوئیں میں ریختے دیکھا تھا۔!“

”دھواں چمکیلا تھا۔!“

”ہاں چمکیلا ہی سمجھ لو....! میں نے ایسا دھواں بھی پہلے کبھی نہیں دیکھا۔!“

”وہ چیز بھی دیکھی ہو گی جس سے دھواں نکل رہا تھا۔!“

”نن..... نہیں.... وہ تو نہیں دیکھ سکا تھا۔ میرے اٹھنے سے پہلے آگ بجھا دیتی تھی۔!“

”آگ.....؟ گھاس تو نہیں کھا گئے.....! تم نے دیکھی تھی آگ.....!“

”نہیں.....!“

”تو پھر اتنے وثوق سے آگ کی بات کیوں کر رہے ہو۔!“

”اس لئے کہ آگ کے بغیر دھواں ناممکن ہے.....!“

”جاہلوں کی ہی باتیں نہ کرو.... میں تمہیں بعض کیمیکلز کی آمیزش سے دھواں پیدا کر کے

دکھا سکتا ہوں.... ویسے اب اپنی معلومات میں اضافہ کرو.... وہ دھواں نہیں بلکہ غبار کی شکل کا

ٹیلی ویشن اسکرین تھا.... زیر ولینڈ کے سائنس دانوں کی ایک انوکھی ایجاد۔!“

”شاید نشے میں معلوم ہوتے ہو۔!“

”کئی بار میرا اس سے سابقہ پڑ چکا ہے۔ فیاض صاحب....! بہر حال تھریسیا نے تمہیں خوب

لو بنایا.... ہو سکتا ہے اُس کے عشق میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ذرا دیکھنا میری طرف.....!“

”مت بکو اس کرو.....!“ فیاض دوسری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اب چپ چاپ اٹھو اور دروازہ بند کر دو۔!“ عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”شاید میں پھنس گیا

ہوں۔ اگر مجھے تمہارے واقعات کا علم ہو تا تو شاید اس طرح کلمے عام تمہاری طرف رُخ بھی نہ کر سکتا۔!“

”کیا کہہ رہے ہو.....!“

”ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اٹھو اور دروازہ بند کر دو۔ وہ تمہیں اسی لئے اچانک چھوڑ بھاگی تھی۔“

فیاض گوگو کے عالم میں اٹھا اور دروازہ بند کر کے سنگینی چڑھادی پھر عمران کے قریب آکر آہستہ

سے بولا۔ ”اگر میری نگرانی بھی ہوتی رہی ہے تو اس وقت آس پاس کوئی نہ ہو گا۔ کیونکہ کچھ ہی دیر

قبل اُن اطراف میں کسی جاپانی کی لاش پائی گئی ہے اور پولیس پوری طرح ادھر ہی متوجہ ہے۔!“

”جاپانی کی لاش.....؟ کیا اُس کے کاغذات سے معلوم ہوا ہے کہ وہ جاپانی تھا۔!“

”کاغذات نہیں ملے لیکن چہرے کی بناوٹ اور رنگت کی بناء پر جاپانی ہی ہو سکتا ہے۔! کسی

نے اُس کا پیٹ چاک کر دیا ہے.... اور دونوں ہاتھ کاٹ لے گیا ہے۔!“

”ہاتھوں سے انہی کے پہچان لئے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جن کا ریکارڈ ہو پولیس کے

ہاں۔!“ عمران نے پُر تشویش لہجے میں کہا اور اٹھ گیا۔

”تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ قاتل لاش کی شناخت نہیں ہونے دینا چاہتا۔!“

”کیا کوئی یہاں آیا ہے....؟“

”پہلے مقصد بتاؤ پھر تمہاری بات کا جواب دوں گا۔!“

”آپ سیدھی طرح بتائیں گے یا....!“

”بس بس....!“ فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔ یہاں سبھی رنگروٹوں کے سے انداز میں بات کرتے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ایک لاش کے سلسلے میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آچکا ہے۔“

اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا شناخت نامہ پھر نکال لیا تھا ”اے دیکھو.... اور پھر میرے سوالات کے جواب دو۔!“ اُس نے شناخت نامہ انسپکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر نے شناخت نامہ دیکھا اور بڑے ادب سے بولا تھا ”معاف فرمائیے گا جناب....!“

”اور اب بتاؤ.... کہ اُس گاڑی سے تمہیں کیا سروکار۔!“

”اس کے تار اسی قسم کے ہیں جن کے نشانات کے سلسلے میں ہم تفتیش کر رہے ہیں۔!“

”گاڑی میری اپنی نہیں لیکن میرے ہی محکمے کی ملکیت ہے....!“

”تب تو پھر وہ کوئی اور گاڑی ہوگی۔!“

”قصہ کیا ہے....؟“

”سمن بار کے ایک پولٹری فارمر نے رپورٹ درج کرائی ہے کہ پچھلی رات کسی نے اُس کے رکھوالی کے کتے کا پیٹ چاک کر دیا۔ اور اُس کے چوکیدار سے اُس کے ایک غیر ملکی مہمان کے بارے میں جو اُس وقت وہاں موجود نہیں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اُس نے چوکیدار پر اس قدر تشدد کیا کہ وہ بیہوش ہو گیا۔ فارم کے قریب ہی ہمیں کسی گاڑی کے تاروں کے نشانات ملے تھے جو اس گاڑی....!“

”کیا وہ غیر ملکی مہمان کوئی جاپانی تھا....؟“ فیاض نے اُس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔!

”جی ہاں....!“ انسپکٹر چونک کر بولا۔

”کچھ دیر پہلے.... بائیں جانب کے نشیب سے ہومی سائیڈ کا انسپکٹر راشد خان ایک لاش اٹھوا لے گیا ہے.... اور وہ لاش جاپانی ہی کی تھی۔!“

دفعۃً عمران دروازہ کھول کر سامنے آگیا اور فیاض سے بولا ”پتتان صاحب کیوں نہ میں انہی لوگوں کے ساتھ جا کر اُس پولٹری فارمر سے بھی پوچھ گچھ کر لوں۔!“

”پھر اور کیا بات ہو سکتی ہے.... بغیر ہاتھوں کی.... لاش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے.... اے نہ بھولو کہ زیرو لینڈ کی تنظیم میں دنیا کی ساری اقوام کے بد معاش افراد شامل ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ جاپانی بھی انہی میں سے ہو.... اپنی کسی بے احتیاطی کی پاداش میں اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا ہو۔! تمہاری نگرانی کرنے والوں میں وہ بھی شامل رہا ہو۔!“

”باتیں ختم کرو....!“ فیاض جھنجھلا کر بولا۔ ”اگر تمہارا خدشہ درست ہے تو یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرو۔!“

”وہ مجھے گولی نہیں ماریں گے۔!“ عمران مسکرا کر بولا ”کیونکہ فتح محمد زندہ ہے اور میرے قتلے میں ہے۔ وہ اُسے حاصل کرنا چاہتے ہیں....! وانگ لین کی لاش انہوں نے سائنٹیفک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی عمارت سے غائب کرادی تھی۔!“

”تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ مر گیا۔!“

”نہیں زندہ ہے.... اور ایک آدمی کو جان سے مار چکا ہے۔!“

”وہ کیسے....!“

”لمبی کہانی ہے....! پھر کبھی سناؤں گا.... واقعی مجھے یہاں سے نکل جانے کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔!“ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”چلو.... مجھے پورا ہٹ دکھاؤ۔!“

”اس سے کیا ہوگا۔!“

”راہ فرار تلاش کروں گا.... ہٹ ایسی جگہ بنایا گیا ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی رخنہ ضرور مل جائے گا۔!“

ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی....! اور عمران تیزی سے دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا....! ساتھ ہی اُس نے فیاض کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کرتے ہوئے اُس کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔!

فیاض نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ یہ پولیس والوں کی دوسری ٹیم تھی۔

”ادھر نیچے جو گاڑی کھڑی ہوئی ہے کیا آپ کی ہے....؟“ انسپکٹر نے سوال کیا۔

”نہیں....؟“

اگر آواز عمران کی نہ ہوتی تو فیاض چھلانگ مار کر اُسے ضرور دبوچ بیٹھتا کیونکہ شکل عمران کی نہیں تھی....! بہت غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ وہ دہانہ کبھی عمران کا دہانہ رہا ہوگا۔ کیونکہ اب تو چار بڑے بڑے دانت نچلے ہوٹ پر چھپر کی طرح چھائے ہوئے تھے۔!

”ضرور.... ضرور....!“ فیاض سنبھل کر بولا۔ ”دراصل ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے جس کا تعلق مقتول جاپانی سے ہو سکتا ہے۔!“

”ضرور چلے جناب....!“ انسپکٹر نے عمران سے کہا۔

”اور وہ گاڑی جس کے بارے میں آپ پوچھ رہے تھے انہی کے زیر استعمال ہے۔!“ فیاض نے انسپکٹر سے کہا۔

”لاش کے بارے میں مجھے آپ ہی سے معلوم ہوا ہے....! ہو سکتا ہے.... وہ اُسی کا مہمان ہو۔ چلے جناب....!“

عمران باہر نکلا تھا۔

”آپ میرے ہی ساتھ بیٹھیں گا۔!“ عمران نے انسپکٹر سے کہا۔

”بہتر جناب....!“

عمران کی گاڑی کے قریب ہی اُن کی جیب کھڑی نظر آئی۔ عمران نے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے انسپکٹر سے کہا ”آگے ہی آجائیے....!“

وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اُس کے برابر بیٹھ گیا تھا۔ جیب آگے تھی اور عمران کی گاڑی پیچھے.... دونوں گاڑیاں سمن باری کی طرف روانہ ہو گئیں۔ انسپکٹر نے کئی بار کھکیوں سے عمران کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ شاید اُس کے ذہن میں بھی اُس کے دانت چبھ رہے تھے۔!

”پولٹری فارمر کا کیا نام ہے....!“ عمران نے اُس سے سوال کیا۔

”رابرٹ فلیکس....! پورٹینین ہے۔ جاپانی اُس کی لڑکی ڈوروتھی کا بوائے فرینڈ تھا۔!“

”رقابت کا قصہ....!“

”ہو سکتا ہے جناب....!“

”خیر دیکھ لیتے ہیں۔!“

اور انسپکٹر بار بار اُس کے دانت دیکھنے لگتا تھا۔ داراب ہاؤس میں گھنی مونچھوں والے ریڈی

میڈ میک آپ کے خالق ہو جانے کے بعد عمران نے یہ مصنوعی دانت بنوائے تھے جو دراصل دانتوں پر خول کی طرح چڑھائے جاتے تھے.... اور دہانے کی بناوٹ ہی بدل کر رہ جاتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سمن باری پہنچ گئے.... رابرٹ ایک دائم الخمر قسم کا آدمی ثابت ہوا.... اس وقت بھی بیٹھاپی رہا تھا۔!

”کچھ معلوم ہوا....!“ اُس نے انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا.... اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا.... ”مجھے اپنے کتے کی موت کا بے حد غم ہے۔ آؤ بیٹھو.... کیا پیو گے.... میں تو صرف وہی پیتا ہوں۔!“

”شکریہ.... ہم ڈیوٹی پر ہیں....!“ انسپکٹر نے کہا ”ویسے اس وقت آمد کا مقصد یہ ہے کہ اُس جاپانی سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکیں۔!“

”میں کیا بتا سکوں گا....!“ وہ ڈوروتھی کا بوائے فرینڈ ہے۔!

”انہی سے ملوادیجئے....!“ انسپکٹر بولا۔

”وہ اُس کے لئے بہت پریشان ہے۔ پتا نہیں کون تھا جو کتے کو اس بے دردی سے مار گیا۔!“

”مس ڈوروتھی سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔!“ عمران نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔!“

”کیا وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔!“

”اُس کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔!“

”اُن سے کچھ بے حد ضروری سوالات کرنے ہیں۔!“

”شوق سے کرو۔ لیکن مجھے پریشان نہ کرو۔ میں کتے کی موت پر بے حد مغموم ہوں۔!“

”لیکن ہم انہیں کہاں تلاش کریں۔!“

”کسی ملازم سے معلوم کر لو.... نہ وہ میرے بارے میں کچھ جانتی ہے اور نہ میں اُس کے بارے میں.... ہم دونوں کے مشاغل مختلف ہیں۔!“

”بوزنا....!“ انسپکٹر بولا۔

”تم خود.... تم خود....!“ اُس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”مجھے اُردو ہی نہیں فارسی بھی آتی

ہے.... تم خود بوزنا.... بندر....!“

لیکن ڈیڈی نے جاپانی کی موت کی اطلاع ملتے ہی قہقہہ لگایا تھا....! اور بولا تھا ”خوب ہوا.... خوب ہوا.... اُسی کی وجہ سے میرے کتے کا پیٹ پھاڑا گیا تھا۔ غالباً اُس نے وہی چاقو اُس کے لئے بھی استعمال کیا ہو گا۔ واہ کیا انصاف ہوا ہے....! میرے کتے کے بدلے ایک جاپانی۔ اب میں کتے کو بھی صبر کر لوں گا۔!“

”مس ڈورو تھی لاش کی شناخت کے لئے تنہا نہیں جانا چاہتیں۔! اس لئے تم بھی ساتھ چلو....!“ عمران نے کہا۔

”میں نہیں جاؤں گا۔ میرے اور اس کے مشاغل الگ الگ ہیں۔ کسی دلد الحرام جاپانی کو دوست بنانے سے بھی نہیں روکا تھا۔!“

”ڈیڈی پلیز....!“

”دفع ہو جاؤ.... میں نہیں جاؤں گا۔!“

”مسٹر فلکس.... قانون کے نام پر....!“ عمران بولا۔

”تو پھر یہ ساتھ نہیں جائے گی.... میں چل کر شناخت کروں گا۔!“

”ہو سکتا ہے آپ غلطی کر جائیں.... جاپانیوں سے نفرت کرنے کی بناء پر آپ نے اُسے قریب سے تو دیکھا نہ ہو گا اور دور سے سارے جاپانی ایک جیسے نظر آتے ہیں۔!“ انسپکٹر نے کہا۔

”تب پھر میرے جانے سے کیا فائدہ۔!“

”جھکڑیاں لگا کر لے چلو....!“ دفعتاً عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”کیا.... کیا.... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔!“

”لگا دو.... جھکڑیاں۔!“

”میں قانون سے نابلد نہیں ہوں....!“

”قانون عدالت میں چلے گا.... اور عدالت ابھی دور ہے.... لگاؤ جھکڑیاں۔!“

”میں چل رہا ہوں....!“ وہ اٹھتا ہوا ڈھاڑا۔

وہ ہیڈ کوارٹر پہنچے تھے اور لاش کی شناخت کی تھی۔ انسپکٹر راشد متحیر تھا۔ اچانک اتنی جلدی لاش کی شناخت کیسے ہو گئی۔ عمران کے ساتھ والے انسپکٹر نے اُسے بتایا کہ اس کی طرح وہ بھی کیپٹن فیاض سے جا کر آیا تھا۔

وہ سب ہنسنے لگے تھے اور رابرٹ انہیں گھونسنہ دکھا کر بولا تھا! ”چلے جاؤ.... اب میرے پاس مت آنا۔ ڈورو تھی جانے مجھے تو جاپانیوں سے نفرت ہے! مکار... اول درجے کے مکار ہوتے ہیں۔!“ باہر آکر انہوں نے ملازموں سے پوچھ گچھ کی تھی.... انہوں نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے انہوں نے ڈورو تھی کو فارم کی طرف جاتے دیکھا تھا۔!

اور پھر وہ انہیں چوکیدار کے کیمین میں مل ہی گئی تھی۔ لمبے قد اور مضبوط اعضاء والی تھی۔ خوش شکل بھی تھی۔ خاص طور پر آنکھیں بڑی جاندار تھیں۔

”ہم تمہارے بوائے فرینڈ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔!“ عمران نے اس سے کہا۔

”اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے کیا کرو گے....! اُس شخص کو تلاش کرو جو اُس کا پتہ پوچھ رہا تھا۔ شاید چوکیدار کا پیٹ بھی اُس طرح پھاڑ دیتا جیسے کتے کا کیا تھا۔!“

”اُس کی بات پھر کریں گے....! فی الحال جاپانی کا نام بتاؤ۔!“

”شی تو کیجیو....!“

”کہاں رہتا ہے....!“

”میں نہیں جانتی....! ویسے ہم انٹرنیشنل میں ملتے ہیں۔ اور کبھی کبھی وہ ہمارے ساتھ بھی قیام کرتا ہے....!“

”پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی۔!“

”غالباً ایک ماہ قبل انٹرنیشنل میں....! لیکن اب باتوں سے کیا فائدہ.... اُس درندے کو تلاش کرو جس نے کتے کا پیٹ چاک کر دیا۔!“

”ضرور تلاش کریں گے.... کیونکہ اُس نے جاپانی کا بھی پیٹ چاک کر دیا ہے۔!“

”نہیں....! وہ چیخ پڑی۔

”لہذا ہمارے ساتھ ہیڈ کوارٹر چلو۔ تمہیں جاپانی کی لاش شناخت کرنی ہے۔!“ انسپکٹر نے کہا۔ لڑکی بے حد خوف زدہ نظر آنے لگی تھی۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اور پیروں میں بھی لرزش تھی۔

”م میں تنہا نہیں جا سکوں گی.... ڈیڈی کو بھی لے چلو....!“

”اور یہ کیپٹن ہی کے جھکے کے آدمی ہیں انہوں نے ساتھ کر دیا تھا۔“ انپکٹر نے عمران کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”لیفٹیننٹ جنرل....!“ عمران نے اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں کپتان صاحب سے بے حد شرمندہ ہوں۔“ راشد بولا.... ”اور انہی کی عنایت سے لاش کی شناخت بھی ہو گئی۔“

”لیکن کیا فائدہ....!“ عمران بولا ”ہم اُس جاپانی کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ وہ اس لڑکی کا بوائے فرینڈ تھا۔“

”اسی طرح آہستہ آہستہ بات آگے بڑھے گی۔“

”اچھی بات ہے....! میں ان دونوں کو سمن بار چھوڑے آتا ہوں۔“

”آپ کہاں تکلیف کریں گے....! ہم بھجوا دیں گے۔“

”میں اپنے مخصوص طریقے اختیار کرونگا۔ شاید یہی لڑکی کارآمد ثابت ہو۔ اپنی دانست میں یہ اسکے بارے میں کچھ نہیں جانتی... لیکن ہم اسکے کچھ نہیں سے بھی بہت کچھ نکال سکیں گے۔“

”جیسی آپ کی مرضی.... کپتان صاحب کے تعاون کا بہت بہت شکریہ....! انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہماری رہنمائی کریں گے۔“

عمران نے دل ہی دل میں کپتان صاحب کے سر پر ایک عدد چپت رسید کی اور اُن دونوں کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر سمن بار کی طرف روانہ ہو گیا۔

”تم نے ہتھ کڑی کا نام لے کر میری بڑی توہین کی ہے۔“ رابرٹ نے کہا جو اُسی کے برابر بیٹھا ہوا تھا اور لڑکی پچھلی سیٹ پر تھی۔

”میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تم دل کے بُرے نہیں ہو۔ کوئی باپ نہیں چاہتا کہ اُس کے بچے ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ رہیں۔“

”وہ اس کا اعتراف نہیں کرے گی۔“

”میرے ذاتی معاملات میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔“ لڑکی غرائی۔

”کون کر رہا ہے....!“ عمران نے پوچھا۔

”اسکے منہ مت لگو!“ رابرٹ نے عمران سے کہا۔ ”بعض اوقات مجھ پر گھونہ تان لیتی ہے۔“

”یہ تو ذہنی صحت مندی کی علامت ہے۔“ عمران بولا۔

”باپ پر گھونہ تان لینا۔“

”مار بیٹھنا دیوانگی ہو سکتی ہے۔ لیکن صرف دھمکی دے کر رہ جانا کوئی ایسی غیر معمولی حرکت

نہیں ہے۔ جب ذرا سی رہی ہوگی تو شوخی سے ایک آدھ ہاتھ جما بھی دیتی ہوگی۔“

”وہ اور بات تھی.... بچہ تھی....!“

”تو اب کون سی بوڑھی ہو گئی ہے۔ اگر تم خود کو پچیس سال کا تصور کر لو تو یہ دو سال سے زیادہ کی نہ رہ جائے گی۔“

”تم کیوں پاگل پن کی باتیں کر رہے ہو۔“

”والدین کا پاگل پن میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر گھونہ تان لیا تو کون سی قیامت آگئی۔

تمہاری ہی بیٹی تو ہے کسی اور کی نہیں۔ کسی اور کو گھونہ نہ کھائے تو یقیناً پاگل سمجھی جائے گی۔ لہذا

اُسے پاگل سمجھی جانے سے بچالو.... ڈیڈی ڈیڈی....!“

”تم مجھے اس سے بھی زیادہ پاگل معلوم ہوتے ہو۔“

”تم اپنا وقت نہ ضائع کرو دوست....!“ لڑکی نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”میں ان کی بیٹی

نہیں ہوں۔ ان کی بیٹیاں تو الماری میں سجی رہتی ہیں۔“

”بکو اس بند کرو دور۔“

”میں غلط نہیں کہہ رہی اجنبی.... اس شخص کے لئے شراب مجھ سے بھی زیادہ اہم ہے۔

جتنے پیار سے یہ بوتلوں کو سہلاتا ہے کبھی میرے سر کو بھی نہیں سہلایا۔“

”دُور....!“ رابرٹ حلق پھاڑ کر چیخا اور لڑکی تلخی سے ہنس کر خاموش ہو گئی۔

”آپ دونوں کے درمیان یہ دیوار مجھے گراں گذر رہی ہے۔“ عمران نے مغموں لہجے میں

کہا۔ ”کوئی کچھ نہیں بولا تھا....! عمران نے گاڑی اُن کے مکان کے سامنے روکی اور رابرٹ اتر گیا۔

لڑکی بھی اُتری تھی۔ لیکن پھر عمران کے قریب اگلی سیٹ پر آ بیٹھی تھی اور بہت زور سے دروازہ بند

کیا تھا۔ رابرٹ نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر شانوں کو جنبش دے کر عمارت کی طرف مڑ گیا۔

”مجھے واپس لے چلو....!“ دُور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”بہت خوشی سے....!“ عمران نے کہا کہ رانجن اشارت کیا اور گاڑی موڑتا ہوا بولا ”مسٹر

فلکس بہت غمگین معلوم ہوتے ہیں۔“

”ڈھونگ ہے....! ذرا دیر شراب نہ ملے تو ایسی ہی شکل نکل آتی ہے۔!“

”ایسے آدمی سے ہمدردی ہونی چاہئے۔!“

”اب کیا تم بھی بور کرو گے....!“ وہ جھلا کر بولی۔

”الفاظ واپس لیتا ہوں.... مسٹر فلکس کا قیہ بنا دینا چاہئے۔!“

”ہاں وہ اسی قابل ہے۔!“

”لیکن تمہارے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے۔!“

”دخل اندازی وہاں ہوتی ہے جہاں لگاؤ ہوتا ہے۔!“

”یہ بھی درست ہے....! لیکن میں نے ایسی اولادیں بھی دیکھی ہیں جنہیں ایسے لگاؤ سے

شدید نفرت ہوتی ہے۔!“

”اعتدال مسٹر اعتدال.... نہ بہت زیادہ لاپرواہی! چھی ہوتی ہے اور نہ بہت زیادہ توجہ۔!“

”اسے میں تسلیم کر لوں گا۔! لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو اُس جاپانی کی موت سے زیادہ

صدمہ نہیں پہنچا۔!“

”میں نہیں جانتی وہ کون تھا کہاں سے آیا تھا۔! اُس کی صرف ایک بات مجھے پسند تھی۔ ہر

وقت ہنستا ہنساتا رہتا تھا۔ اور اچھی طرح جانتا تھا کہ کیسے آدمیوں سے کس طرح پیش آنا چاہئے۔!“

”کیا وہ یہاں بالکل تنہا تھا۔!“

”میں نے اُسکے ساتھ کبھی کسی کو نہیں دیکھا.... البتہ ایک بار جب ہم ایک کیفے میں بیٹھے ہوئے

تھے۔ ایک عورت وہاں آئی تھی جسے دیکھ کر وہ بُری طرح نزوس ہو گیا تھا اور اُسی کے اشارے

پر اٹھ کر باہر چلا گیا تھا یعنی وہ اُسے باہر لے گئی تھی۔ وہ مجھ سے معافی مانگ کر چلا گیا تھا پھر جلد ہی

واپس بھی آ گیا تھا۔ اور بتایا تھا کہ وہ اس کی مالکہ تھی۔ بڑی شاندار عورت تھی۔ بے حد حسین اور

زندگی سے بھرپور۔!“

”اُس کے بارے میں یہ تو بتایا ہو گا کہ وہ کہاں رہتی ہے۔!“

”نہیں.... بڑی صفائی سے کہہ دیا تھا کہ میں اُس کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھوں....!“

”کیا کوئی مقامی عورت تھی۔!“

”نہیں غیر ملکی تھی۔ اُس نے مجھے اُس کی قومیت بھی نہیں بتائی تھی۔ میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔!“

”کبھی اپنے کسی دشمن کا بھی ذکر کیا ہو گا۔!“

”اپنے بارے میں کبھی گفتگو نہیں کرتا تھا۔ بہر حال اُس کے ساتھ اچھا وقت گذرتا تھا۔ عرصہ تک یاد رہے گا۔!“

”ہمیں ایک قاتل کی تلاش ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی یہی چاہو گی کہ وہ اپنی سزا کو پہنچے۔!“

”قدرتی بات ہے....!“

”اُس کی مالکہ کا حلیہ ہی بتاؤ۔!“

”حلیہ.... بس بہت خوب صورت تھی۔!“

”مجھے تو ہر عورت بہت خوبصورت لگتی ہے۔ کس کس سے سر مارتا پھروں گا کوئی ایسی نشانی بتاؤ جس کی بناء پر اُسے دوسری عورتوں سے الگ کر سکوں....!“

”مجھے افسوس ہے کہ اس کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں.... ہاں ٹھہریے.... یاد آیا.... ایک

آدمی.... تو کیوں اس کے بارے میں آپ کو شائد اس سے زیادہ کچھ بتا سکے جتنا میں جانتی ہوں۔!“

”چلو اُسی کی نشان دہی کر دو۔!“

”سیامیز بار میں ایک بار ٹنڈر ہے.... نام نہیں جانتی.... داہنے گال پر چوٹ کا گہرا نشان ہے اور سیامیز ہی معلوم ہوتا ہے.... کبھی کبھی وہ تو کیوں کسی کے تحریری پیغامات دیا کرتا تھا۔!“

”کس قسم کے پیغامات....!“

”میں نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔!“

”بہت بہت شکریہ.... شہر میں تمہیں کہاں اتار دوں....؟“

”خواجہ اسٹریٹ میں کسی جگہ....!“



”دیوانہ وار کارڈرائیو کر رہا تھا۔! کوئی سفید فام غیر ملکی تھا.... ایک ٹریفک سارجنٹ نے نوٹر سائیکل پر تعاقب کر کے اُس کا چالان بھی کیا تھا....! لیکن اُس کے بعد بھی اُس کی گاڑی کی نوٹر فاری میں کمی نہیں آئی تھی۔!“

مار مار شہر سے الگ تھلگ ایک عمارت کی کپاؤنڈ میں داخل ہوا تھا۔ اور گاڑی سے اتر کر دوڑتا ہوا عمارت کے اندر چلا گیا تھا۔

”سام..... سام.....“ کسی کو آوازیں بھی دیتا جا رہا تھا۔

”کیا بات ہے.....!“ ایک راہداری میں دوسرے سفید قام آدمی نے اُس کا راستہ روکے ہوئے پوچھا۔

”سام کہاں ہے.....؟“

”وہ موجود نہیں ہے۔ لیکن تم اتنے بدحواس کیوں ہو رہے ہو۔!“

”کسی نے تو کیو کو مار ڈالا۔ پیٹ چاک کر دیا اُس کا۔ اور دونوں ہاتھ کاٹ دیئے..... بغیر ہاتھوں کی لاش پولیس کو ملی ہے۔!“

”اُوہ.... تو یہ معمہ حل ہو گیا۔!“ دوسرے نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”نک..... کیسا معمہ۔!“

”میرے ساتھ آؤ۔!“ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اُسے ایک کمرے میں لایا تھا اور میز پر رکھے ہوئے ایک سوٹ کیس کی طرف اشارہ کر کے بولا تھا۔ ”اسے کھول کر دیکھو۔!“

اُس نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس کا ڈھکنا اٹھایا اور اُس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ سوٹ کیس میں دو انسانی ہاتھ اور کسی رانقل کے تین ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔

”یہ تو..... یہ تو..... اُسی کی رانقل ہے.....!“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔

”اور دونوں ہاتھ بھی اُسی کے ہیں۔!“ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”اور یہ دیکھو۔!“ اُس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا تھا..... کارڈ پر تحریر تھا۔ ”بیچارے کا تحفہ.....

زور آوروں کے لئے۔!“

”یہ کارڈ بھی اسی سوٹ کیس سے برآمد ہوا ہے۔!“

”لیکن یہ سوٹ کیس.....!“

”ایک لڑکے کے ہاتھوں بھجویا گیا ہے۔ بھجوانے والے نے اُسے بطور معاوضہ دس روپے

دیئے تھے۔!“

”کس نے بھجویا ہے.....!“

”اُس مردود جو تک نے..... لڑکے کے بتائے ہوئے حلقے کے مطابق وہی ہو سکتا ہے۔!“

”مگر کیوں.....؟ یہاں وہی تو ہمارا انچارج ہے۔!“

”اب نہیں ہے، مادام نے چارج اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔!“

”کب سے۔!“

”پچھلے ہفتے سے۔!“

”لیکن اُس نے تو کیو کو کیوں مار ڈالا۔!“

”مادام اب سنگ ہی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتیں۔ انہوں نے تو کیو کو اُسے مار ڈالنے پر مامور

کیا تھا۔!“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب ہم سب خطرے میں ہیں۔!“

”یہ تو فنی کی باتیں مت کرو۔ وہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔!“

”کیا مادام کو اس کا علم ہو گیا۔!“

”اب اطلاع دوں گا۔ محض سوٹ کیس موصول ہو جانے کی بناء پر پوری بات سمجھ میں نہیں

آئی تھی۔ تمہاری لائی ہوئی خبر سے تصدیق ہو گئی۔!“

”تو وہ مادام سے ٹکرائے گا۔ یعنی تنظیم سے۔!“

”کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی کئی لوگوں کا دل مغ خراب ہو چکا ہے اور وہ اپنی سزا کو پہنچے ہیں۔!“

”سنگ خطرناک آدمی ہے۔ لیکن اچانک مادام کی ناراضگی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔!“

”عورتوں کے چکر میں پڑ کر کام بگاڑ رہا تھا۔ اُس کی حماقتوں کی وجہ سے دوسرا آدمی پولیس

کے ہاتھ لگ گیا۔ متو ہاشی کا چکر تھا۔ اپنا نہیں کس طرح وہاں سے نکل آیا ہے ورنہ مادام کے

ذرائع معلومات کے مطابق اُس کا پکڑا جانا لازمی ہو گیا تھا۔!“

”تو پھر مادام کو اس کی اطلاع دے دو.....!“

”میرا خیال ہے کہ انہیں معلوم ہو گیا ہے..... سوٹ کیس پہنچنے سے تھوڑی ہی دیر قبل اُن

کی کال آئی تھی۔ مجھ سے کہا تھا کہ ”فانوس والوں کو فی الحال کام روک دینے کا حکم دوں۔!“

”بہت زیادہ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔!“

”سنگ نے اگر کسی طرح فانوس کی طرف پولیس کی رہنمائی کر دی تو سب کچھ برباد ہو جائے گا۔“

دفعۃً کسی دوسرے کمرے سے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی تھی اور وہ دروازے کی طرف

بڑھا تھا۔ دونوں ساتھ ہی فون والے کمرے میں پہنچے۔

فون پر دیر تک کسی کی بات سنتا رہا تھا.... دوسرا خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا تھا۔!

اُس نے سلسلہ منقطع کر کے کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا ”میں ہارڈی

ہوں مادام۔ ایک بُری اطلاع ہے مادام۔!“

اور پھر اُس نے سوٹ کیس کی کہانی شروع کر دی تھی۔

”مجھے معلوم ہے۔!“ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

”اور ابھی پروفیسر اشرف کی کال آئی تھی۔ اُس نے اطلاع دی ہے کہ کل اُسے عالم گیر گارڈن میں دو ایسے آدمی ملے تھے جنہوں نے چھیڑ چھیڑ کر اُس سے جان پہچان پیدا کی تھی۔ ایک بوڑھا تھا اور دوسرا جوان۔ وہ انہیں فانوس لے گیا اور اُس کی بیوی نے نوجوان کا خون لیا۔ ٹاپ وہی ہے جو ہمیں درکار ہے۔ لیکن اب پروفیسر اشرف مطمئن نہیں ہے۔!“

”تم نے اُسے کام روک دینے کا حکم دیا تھا یا نہیں۔!“

”جی ہاں.... وہ تو پہلے ہی کہہ چکا تھا۔ اُس کی کال ابھی آئی ہے۔ نوجوان حسب وعدہ کچھ دیر

پہلے فانوس پہنچا ہے اور وہیں ہے.... اشرف نے پوچھا ہے کہ اُس کا کیا کیا جائے۔!“

”تم اُسے دیکھو اُس کی گھرائی کرو۔ اُس کے بارے میں معلومات فراہم کرو....! متواہشی

پولیس کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اُس نے کم از کم اتنا تو اگل ہی دیا ہوگا جس کا اُسے علم تھا۔! لہذا

زبردستی مل بیٹھنے والے قابل اطمینان نہیں ہو سکتے۔!“

”بہت بہتر مادام.... میں دیکھتا ہوں۔!“

”جو تک کی طرف سے ہوشیار رہنا۔!“

”یہ بہت بُرا ہوا ہے مادام....!“

”فکر مت کرو.... میں دیکھ لوں گی۔!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اُس نے ریسپور کریڈل پر رکھ دیا۔!



یاد رہت بخت کو توقع تھی کہ گرم جوشی سے استقبال ہوگا....! پروفیسر اشرف سے ملاقات ہوئی

لیکن وہ ایسی سرد مہری سے پیش آیا جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو۔!

”بنگم صاحبہ نے میرا خون لیا تھا ٹاٹ کرنے کے لئے۔!“

”تو پھر بنگم صاحبہ کے پاس جاؤ.... مجھ سے کیا کہہ رہے ہو۔!“

”وہ کہاں ہیں۔!“

پروفیسر نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم کمرے میں داخل ہو کر مَدب کھڑا ہو گیا۔!

”انہیں بنگم صاحبہ کے پاس لے جاؤ۔!“ اُس نے ملازم سے کہا اور پھر اُن کا غذات کی طرف

متوجہ ہو گیا جو سامنے میز پر رکھے ہوئے تھے۔!

ملازم یاد رکھ کر دوسرے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پروفیسر کی بیوی اندر آئی۔

جینز اور جیکٹ میں ملبوس تھی اور پچھلے دن سے زیادہ حسین نظر آرہی تھی۔!

”ہیلو یاد رکھ صاحب....!“ وہ اُسے دیکھ کر چبکی۔! ”خدا کا شکر ہے کہ میرا اندیشہ غلط نکلا۔

واقعی آپ دنیا کے توانا ترین آدمیوں میں سے ہیں۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”خون میں وہ ٹنڈنی نہیں ملی جس کا خدشہ تھا۔!“

”تب تو مجھے خوش ہونا چاہئے۔!“

”یقیناً.... کیوں نہ ہم کہیں باہر چل کر جشن منائیں اس سلسلے میں۔!“

”ضرور.... ضرور.... مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ لیکن پروفیسر۔!“

”وہ ہمارے ساتھ نہ ہوں گے۔ آپ کے چچا بھی تو نہیں ہیں۔! بس ہم دونوں ہی ہوں

گے۔ دراصل پروفیسر کی موجودگی میں مجھے کسی قدر محتاط رہنا پڑتا ہے۔!“

”اُوہو.... لیکن وہ تو بہت آزاد خیال آدمی معلوم ہوتے ہیں۔!“

”راز کی بات بتاؤں۔“ وہ اُس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی ”کوئی بوڑھا مرد جوان بیوی

کے معاملے میں آزاد خیال نہیں ہو سکتا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ کسی خوبصورت اور توانا

نوجوان سے مل بیٹھی ہو۔!“

”یہی تو چچا بھی کہہ رہے تھے.... مگر مجھے یقین نہیں آیا تھا۔!“ یاد بولا۔

”اچھا تو بس اب جلدی سے نکل چلو۔!“ ورنہ کوئی نفسیاتی نکتہ ہماری راہ میں حائل ہو جائے

گا۔!“ وہ بائیں آنکھ دبا کر مسکرائی۔

نام نفیس جہاں ہے....! ویسے مجھے ایک فائدہ پہنچا ہے اپنی اس حرکت سے۔!“
”کیا فائدہ ہوا ہے۔!“

”بہترے مرد مجھے بڑے خوبصورت عشقیہ خطوط لکھتے ہیں۔ انہیں میں اپنے نام سے دوسری لڑکیوں کو روانہ کر دیتا ہوں۔!“

”اول درجے کے بد معاش معلوم ہوتے ہو۔!“ وہ ہنس پڑی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی! ”کتنی ڈھٹائی سے میرے سامنے اعتراف کر رہے ہو۔!“

”نہ اُن کا کچھ بگاڑ سکا ہوں اور نہ آپ کا بگاڑ لوں گا۔!“

”کیا نسلی سنگ عود کر آئی ہے۔ اس وقت تم ایک عورت سے بات کر رہے ہو۔!“

”نفیس جہاں سمجھ کر معاف کر دیجئے۔!“

”اچھا بس خاموش رہو۔!“

یادور نے سختی سے ہونٹ بھیج لئے۔ وہ انٹرنیشنل پینچے تھے اور یادور اُسے اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔!

وہ آرام کر رہی پر نیم دراز ہو کر او گھسنے لگی....! یادور خاموش بیٹھا دیکھتا رہا تھوڑی دیر بعد چونکی اور مسکرا کر بولی ”تم شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔!“

”ابھی تک تو مجھے کسی غلط فہمی کا احساس نہیں ہوا۔!“

”میں یہاں تمہارے لئے نہیں! تمہارے چچا کیلئے آئی ہوں! کتنی چار منگ پر سنائی ہے۔!“

”بہت زیادہ....!“ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

”تو وہ اور کس قسم کی کتابیں چھاپتے ہیں۔!“

”پامسٹری پر.... علم نجوم پر.... جوڈو اور اکاڈو کو بھی نہیں بخشا۔!“

”باغ و بہار شخصیت ہے۔ ایک میرے پروفیسر صاحب ہیں۔ بس پیجاری نفیسات کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔!“

”ایسا ہے تو پھر آپ چچا ہی کے کمرے میں جا کر اُن کا انتظار کیجئے....!“

”چڑ گئے....!“ اُس نے زور سے قہقہہ لگایا۔ پھر بولی ”چلو اٹھو میں تو صرف یہ دیکھ رہی تھی

کہ کتنے پانی میں ہو۔ جوان ہو یا بوڑھا جذبہ رقابت سے خالی نہیں ہوتا۔!“

وہ باہر آئے تھے۔ مرسیڈیز پورچ میں کھڑی تھی۔ بیگم اشرف نے اسٹیرنگ سنبھالا.... اور گاڑی زن سے پھانک کی طرف دوڑ گئی۔

”وہ شائد.... پروفیسر آواز دے رہے ہیں۔!“ یادور ہکھلایا۔

”مرکز مت دیکھو....! احق کہیں کے....!“ وہ دانت پیس کر بولی تھی۔

یادور کو اُس نے اپنے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بٹھایا تھا۔ گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر نکل آئی۔

”پہلے انٹرنیشنل چلیں گے۔ کچھ دیر تمہارے چچا سے جھک جھک رہے گی۔!“ بیگم اشرف نے کہا۔

”وہ تمہاری کسی طرف نکل گئے ہوں گے۔!“

”جب تو اور بھی اچھا ہے۔ سکون سے دُنیا کی باتیں کر سکیں گے۔ میں تو تنگ آگئی ہوں اس

زندگی سے ہر وقت کوئی نفسیاتی مسئلہ منہ پھاڑے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ چھینک بھی آجائے تو اُس

کی نفسیاتی توجیہ کا بکھیرا شروع ہو جاتا ہے۔ پروفیسر مہابور ہیں۔!“

”میں اپنے اگلے ناول کا نام پروفیسر مہابور رکھوں گا۔!“

”تم ناول لکھتے ہو۔!“

”لکھتا تو ہوں.... لیکن یادور بخت کے نام سے نہیں لکھتا۔!“

”پھر کس نام سے لکھتے ہو....! شائد میں نے پڑھا ہو کوئی ناول....!“

”نفیس جہاں کے نام سے لکھتا ہوں۔!“ یادور شرما کر بولا۔

”سمال ہے.... تو وہ تم ہو۔!“

”بڑی شرم آتی ہے مگر کیا کروں.... میرے جو یہ سنگی چچا ہیں نا۔ پبلشنگ سے بھی شوق

فرماتے ہیں۔!“

”تو تم اپنے ہی نام سے کیوں نہیں لکھتے۔!“

”اول تو خواتین کے لکھے ہوئے ناول فروخت جلد ہو جاتے ہیں اور پھر ایک دوسرا بزنس

پوائنٹ بھی چچا کے مد نظر رہتا ہے۔!“

”وہ کیا ہے....!“

”اگر کبھی میرا اُن کا جھگڑا ہو جائے اور میں لکھنے سے انکار کروں تو وہ کسی اور سے لکھوا کر

نفیس جہاں کے نام سے چلا دیں گے.... میں تو عدالت میں بھی ثابت نہیں کر سکوں گا کہ میرا

”روم سروس والا ہو گا!“ یاد رکھتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی کئی قدم پیچھے ہٹ آیا۔ چچا سنگی سامنے کھڑا عالیہ کو گھورے جا رہا تھا۔ پھر وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آکر بولا ”پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے!“

”پپ..... پولیس.....!“ عالیہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”مگر پولیس کیوں.....؟“ یاد نے اُس کے کان سے منہ لگا کر پوچھا!

”بس ایک صاحبہ کو غلط فہمی ہو گئی تھی شاید..... ارے دروازہ بند کر دو جلدی سے۔!“

”نہیں ٹھہرو.....!“ عالیہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ”میں جا رہی ہوں۔!“ اور پھر وہ تیر کی طرح نکلی چلی گئی تھی!

بوڑھا بھیجے کو آنکھ مار کر مسکرایا..... اور بہ آہستگی دروازہ بند کر کے بولا ”یہ کیا حماقت تھی۔ اُسے یہاں کیوں لائے تھے.....!“

یاد نے اسامہ بنائے دوسری طرف مڑ گیا!



عمران لیفٹیننٹ جنوے کی حیثیت سے سردار گڈھ میں دندنا تا پھر رہا تھا۔ اُسے اُس سیامیز بار ٹنڈر کی تلاش تھی جس کا ڈرڈورو تھی فیکلس نے کیا تھا!

سیامیز بار میں پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ وہ چھٹی پر ہے۔ وہیں سے قیام گاہ کا پتہ بھی حاصل کیا تھا۔ لیکن اس کا فلیٹ مقفل ملا۔ پڑوسیوں نے بتایا کہ وہ مچھلیوں کا شکار کرنے سرائی جھیل پر گیا ہے.....!“

یہ جھیل سردار گڈھ کے شمال مشرق میں گیارہ میل کے فاصلے پر تھی۔ اُس کے آس پاس جھوٹے جھوٹے ہٹ بنے ہوئے تھے۔ جو شکاریوں کو کرائے پر دیئے جاتے تھے۔ اور جھیل میں صرف سیاحوں کے لئے مای پروری کی جاتی تھی۔ قریباً سارے ہی ہٹ ہر وقت آباد رہتے تھے۔ وہاں محکمہ سیاحت کے دفتر سے معلوم ہو گیا تھا کہ سیامیز رابی کو ان کس ہٹ میں مقیم ہے۔ ہٹ مقفل نہیں تھا.....! عمران نے دروازے پر دستک دی۔ ایک پرائز فاسٹر قسم کے آدمی نے دروازہ کھولا تھا۔ دائیں گال پر چوٹ کا واضح نشان ہونے کی بناء پر عمران نے اُسے پہچان لیا۔

”مسٹر رابی کو ان.....؟“

”یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم اس حد تک آگے چلے گئے ہیں کہ آپ رقابت وغیرہ کے بارے میں سوچ سکیں۔!“

”میں وقت ضائع کرنے کی قائل نہیں ہوں۔!“

”آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔!“

”پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں گذرے کہ مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے۔!“

”چمچ.....!“ وہ قلقاری مار کر اچھل پڑا۔ اور اپنا بالیاں پہلو اس طرح ٹٹولنے لگا جیسے دل کی دھڑکنیں فی منٹ کے حساب سے شمار کرنے لگا ہو۔ پھر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا ”تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔!“

”بس نکل چلیں یہاں سے کسی دیرانے کی طرف جہاں میرے اور تمہارے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔“

”اور دو عدد لہج بکس بھی بنوالیں۔!“

”ہائے رے مرد..... پیٹ پیٹ.....! ہر حال میں پیٹ ہی آگے رہے گا۔! چلو جو کچھ کرنا ہے..... جلدی کرو.....!“

یاد نے روم سروس کو فون کر کے دو لہج بکس تیار کرنے کو کہا تھا اور بیگم اشرف کو دیکھ کر مسکرایا تھا!

”اور اب تم مجھے بیگم اشرف کہہ کر مخاطب نہیں کرو گے۔!“ اُس نے کہا ”میرا نام عالیہ ہے۔!“

”بڑا خوب صورت نام ہے..... جلدی سے ادا ہو جانے والا..... اُدھر وہ پروفیسر ضعیف

اشرف ہیں۔ پتا نہیں کیوں بعض والدین بڑے گاڑھے نام رکھ دیتے ہیں۔!“

”مجھے بھی پروفیسر کا نام پسند نہیں۔! اگر اُن کا نام وحید مراد ہو تا تو کیسا لگتا۔!“

”بس نرے وحید مراد ہی لگتے۔!“ یاد خشک لہجے میں بولا۔

”کیا تمہیں وحید مراد پسند نہیں ہے۔!“

”نہیں جہاں کے نام سے ناول لکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ چمچ لڑکی ہو گیا ہوں۔!“

”جلتے ہو کہ لڑکیاں اُس پر مرقی ہیں.....!“

”دس سال پہلے کی بات ہو گی.....!“

دفعۃً کسی نے دروازے پر دستک دی تھی اور دونوں چونک پڑے تھے۔!

معلوم تھا۔ بے شک میں نے مختلف اوقات میں اُسے کچھ تحریری پیغامات دیئے تھے۔ وہ مار ڈالا گیا۔۔۔۔۔ میرے خدا۔۔۔۔۔ بڑا خوش مزاج آدمی تھا۔!

وہ طویل سانس لے کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔ اُس کے رویے میں پایا جانے والا احتجاج یکسر معدوم ہو گیا تھا۔!

”کس کے پیغامات اُسے دیتے تھے۔!“

”اب کیا بتاؤں۔۔۔۔۔ وہ بھی مفروضہ قرار دے دیا گیا ہے۔ غالباً پولیس کو کسی فراڈ کے سلسلے میں اُس کی تلاش ہے۔ غالباً تم بھی جاننے ہو گے۔ کاسوفیک کمپنی کا میٹنگ ڈائریکٹر مسٹر سرنگی۔!“

عمران طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اور وہ کہتا رہا۔! سرنگی کبھی کبھی اُس کے لئے کوئی تحریری پیغام میرے پاس چھوڑ جایا کرتا تھا۔!

”سرنگی کو تم کیسے جانتے تھے۔!“

”ایک معزز گاہک کی حیثیت سے۔ شراب کے کریٹ کے کریٹ خریدا کرتا تھا۔!“

”بس اتنا ہی تعلق رہا ہے شی توکیو سے۔!“

”اس سے زیادہ کبھی نہیں رہا۔ نہ میں نے کبھی اس کا نام پوچھا۔! اور نہ مسٹر سرنگی ہی نے بتایا۔ وہ جاپانی اُن دنوں شائد ہر شام ایک لڑکی کے ساتھ ہمارے بار میں گزارتا تھا۔!“

”یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا تھا۔!“

”کیسے جانتا مسٹر۔۔۔۔۔ کسی گاہک کے بھی گھر کا پتہ نہیں جانتا۔۔۔۔۔! سرنگی جیسے لوگوں کی بات اور ہے۔ وہ کریٹوں کی قیمت کی ادائیگی کر کے چلا جاتا تھا اور ہمیں وہ کریٹ اُس کی قیام گاہ پر بھجوانے پڑتے تھے۔!“

”بڑی مشکل ہے۔۔۔۔۔!“ عمران پُر تشویش انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

”میرے لائق اور کوئی خدمت۔۔۔۔۔!“

”کوئی بھی تو ایسا نہیں ملا جو اُس کی قیام گاہ کا پتا بتا سکتا۔!“

”ظاہر ہے کہ وہ سرنگی ہی کا کوئی آدمی تھا۔ سرنگی کے دفتر والوں کو ٹٹولیں۔!“

”لیکن اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی سفید فام عورت کا ملازم تھا۔!“

”خدا جانے۔!“ اُس نے شانوں کو جنبش دی۔ لیکن عمران نے اُس کی آنکھوں میں عجیب قسم

”ہاں میں ہی ہوں۔۔۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔۔۔؟ وہ اُسے حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

”تمہارے لئے ایک بُری خبر لایا ہوں۔۔۔۔۔!“

”اوہ۔۔۔۔۔ اندر آ جاؤ۔۔۔۔۔!“ وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

کمرے میں ایک بستر ایک میز دو کرسیوں کے علاوہ اور کوئی سامان نہیں تھا۔ رابی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور ہمہ تن سوال بنا کھڑا رہا۔

”کسی نے تمہارے دوست کو قتل کر دیا ہے۔۔۔۔۔ میرا تعلق پولیس سے ہے۔!“

”مگر کس دوست کو۔۔۔۔۔!“

”وہ جاپانی شی توکیو۔۔۔۔۔!“

”میں کسی جاپانی شی توکیو کو نہیں جانتا۔۔۔۔۔!“

”یہ ہوئی بات۔۔۔۔۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو۔!“

”تمہیں یقین ہے کہ تم کسی شی توکیو کو نہیں جانتے۔!“

”میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں نے ایک بار کہہ دیا۔!“

”تب پھر مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔!“

”کس بنا پر۔۔۔۔۔!“ اُس نے نتھنے پھلائے۔

”شی توکیو کو نہ جاننے کی بنا پر۔۔۔۔۔ کیونکہ ہمارے علم میں ایسے یعنی شاہد ہیں جنہوں نے تمہیں اُس سے ملتے دیکھا ہو گا۔!“

”مائی ڈیئر سر۔۔۔۔۔ تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں ایک بار انڈر ہوں۔۔۔۔۔! مجھے بے شمار لوگ جانتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن میری نظروں میں اُن کی حیثیت گاہکوں سے زیادہ نہیں ہے۔۔۔۔۔! کبھی کبھی ان میں سے کوئی راہ چلتے بھی مل جاتا ہے اور اظہارِ شناسائی کے طور پر سگریٹ وغیرہ آفر کر دیتا ہے۔۔۔۔۔! اب تمہارا یعنی شاہد تو دور سے یہی سمجھے گا کہ وہ میرا جگری دوست ہو گا۔!“

”نہیں۔۔۔۔۔ یہ بات نہیں۔۔۔۔۔! یعنی شاہد نے تمہیں اُس کو کسی کے تحریری پیغامات دیتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔!“

”اوہ مائی گاڈ۔۔۔۔۔!“ وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔! ”تو وہ جاپانی۔۔۔۔۔ لیکن مجھے اُس کا نام نہیں

کی بے چینی کے آثار دیکھے۔ اور اٹھتا ہوا بولا۔ ”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں!“ وہ اُسے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ عمران مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

سفید قام عورت کے ذکر پر اُس نے اُسکی آنکھوں میں جو کچھ پڑھا تھا اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی گاڑی اُس نے دفتر کے قریب کھڑی کی تھی اور یہاں تک پیدل آیا تھا۔ کچھ دور چل کر

وہ ایک ایسے ہٹ کی اوٹ میں ہو گیا جہاں سے رابی کو ان کے ہٹ پر نظر رکھ سکتا۔

کچھ دیر بعد اُس نے رابی کو باہر نکلتے اور تیزی سے محکمہ سیاحت کے دفتر کی طرف جاتے

دیکھا۔ اُس نے اپنے مصنوعی دانت نکال کر جیب میں ڈالے اور سر پر اس طرح رومال باندھ لیا

جیسے بالوں کو تیز ہوا سے محفوظ رکھنا چاہتا ہو.... اس کے بعد وہ بھی آہستہ آہستہ دفتر کی طرف

چل پڑا تھا۔ لیکن رابی کو ان دفتر کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ عمران اس کے انداز سے سمجھا

تھا کہ شاید دفتر سے کسی کو فون کرے گا۔

اُس نے اُسے دفتر کے بائیں جانب والے نشیب میں اترتے دیکھا اور خود ایک چٹان کی اوٹ

میں ہو گیا۔ یہاں سے وہ اُس پر دور تک نظر رکھ سکتا تھا۔ ادھر بھی کچھ ہٹ تھے۔ وہ ایک ہٹ

کے سامنے رُکا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ عمران بڑی پھرتی سے ایک طرف سرک گیا تھا۔ دوبارہ ادھر

متوجہ ہوا تو وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔ شاید اُسی ہٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ عمران جہاں تھا وہیں کھڑا

رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سفید قام آدمی اُس ہٹ سے برآمد ہوا تھا۔ باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل

پر بیٹھ کر اُسے اشارت کرنے لگا تھا۔ رابی کو ان دروازے پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا.... موٹر سائیکل

اشارت ہو کر سڑک کی طرف بڑھ گئی....!

عمران تیزی سے مڑا تھا اور دفتر کی طرف چل پڑا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اُس نے انجن

اشارت کیا اور پھر شاید ایک میل بعد اُس نے موٹر سائیکل کو جالیا تھا جو سر دار گڈھ ہی کی طرف

جار ہی تھی۔ عمران اتنا فاصلہ برقرار رکھنا چاہتا تھا کہ تعاقب کا شبہ نہ ہونے پائے.... مصنوعی

دانتوں کا خول پھر نچلے ہونٹ پر چھا گیا تھا۔

دفعتاً ایک گاڑی عقب سے اُسے اور ٹیک کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اُس نے موٹر

سائیکل کو بھی اور ٹیک کیا تھا.... اور پھر اچانک عمران نے دیکھا کہ موٹر سائیکل سوار اچھل کر

سڑک کے کنارے جا پڑا ہے۔ اور موٹر سائیکل چکر اکر اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر جاگری اور

اُس کا پچھلا پیہہ تیزی سے گردش کرتا رہا۔

عمران نے اپنی گاڑی کے بریک لگائے۔ اور نیچے اتر کر دوڑتا ہوا موٹر سائیکل سوار کی طرف

چھپنا جو بے حس و حرکت زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

اُس کی بائیں کنپٹی میں ایک سوراخ نظر آیا جس سے خون اُبل رہا تھا۔ دوسری گاڑی نظروں

سے اوجھل ہو چکی تھی۔ وہ اُسے اس حال میں چھوڑ کر دوسری گاڑی کے پیچھے نہیں جاسکتا تھا۔

اُس نے جھک کر دیکھا.... سانس بند ہو چکی تھی۔ نبض دیکھی مگر وہاں بھی کچھ نہیں تھا۔

جلدی جلدی اُس کی جبین ٹٹولیں اور صرف ایک پرس برآمد کر سکا۔ ویسے اُس کے بغلی

ہولسٹر میں اعشاریہ تین دو کارپو اور بھی موجود تھا....! پرس کا جائزہ تیزی سے لیا تھا۔ اُن میں

سے کچھ رقم کے علاوہ ایک وزینگ کارڈ بھی برآمد ہوا۔ جس پر صرف ٹیلی فون نمبر اور نام چھپا ہوا

تھا۔ اور یہ نام تھا ”سام ٹرینی....!“



فون کی گھنٹی دیر سے بج رہی تھی۔ ہارڈی ہاتھ روم میں تھا۔ اور نشے میں بھی تھا اس لئے

نمے نمے منہ بنا کر گھنٹی کی آواز سنتا رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ کوئی فون کی طرف متوجہ ہو کر

اُسے جلد بازی سے بچالے گا۔ لیکن شاید اس وقت عمارت میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

جب گھنٹی بجتی ہی رہی تو اُس نے غرا کر ٹیلی فون کے موجد کو ایک گندی سی گالی دی تھی اور

ہاتھ روم سے نکل آیا تھا۔

ریسپور اٹھایا اور ”ہیلو“ کہتے وقت جھلاہٹ کا مظاہرہ نہ ہونے دیا۔ دوسری طرف سے آواز

آئی ”کون بول رہا ہے....؟“

”ہارڈی.... تم کون ہو....!“

”کیا اب تم میری آواز بھی نہیں پہچان سکتے۔ شاید بہت زیادہ پی گئے ہو۔!“

”اُوہ.... تو تم ہو سُوَر کے بچے....!“

”میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا کہ میرا باپ سور تھا یا نہیں لیکن تم لوگوں کے لئے دوسری

خوش خبری ہے....!“

”کیا مطلب....!“ ہارڈی جھرجھری لے کر بولا۔

جاؤ....! وہاں سے تم کسی بھی مشتبہ آدمی کو گولی مار سکتے ہو۔“

”لیکن اُس کے بعد مادام.... جس انداز میں جاپانی کے قتل کی تفتیش ہو رہی ہے اُس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پولیس جلد ہی پانچ نمبر کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔“

”اگر یہ بات ہے تو پھر تم فانوس میں پہنچنے کی کوشش کرو.... اور وہیں میرے دوسرے حکم کے منتظر رہو.... اور ہاں تم نے اُن دونوں کے بارے میں کیا معلوم کیا جو پروفیسر سے شناسائی پیدا کر کے مل بیٹھے تھے۔“

”وہ دونوں انٹرنیشنل میں مقیم ہیں۔ نوجوان آدمی پروفیسر کی بیوی کو اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔! تھوڑی دیر بعد بوڑھا آدمی وہاں پہنچا تھا۔ اور وہ اس طرح کمرے سے تنہا نکلی تھی جیسے بوڑھے آدمی نے اُس کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہو۔“

”خیر.... تم فی الحال.... فانوس پہنچنے کی کوشش کرو میں تمہارے متعلق پروفیسر کو ہدایات دے رہی ہوں....!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز سُن کر اُس نے بھی ریسیور رکھ دیا تھا۔! آخر کس طرح فانوس پہنچنے کی کوشش کرنے۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے سنگ تاک ہی میں ہو۔ اور کسی نامعلوم سمت سے آنے والی گولی اُسے بھی چاٹ جائے۔!

اُس نے مادام کی شان میں یہ آواز بلند تھوڑا سا ”قصیدہ“ پڑھا تھا اور شراب کی بوتل پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اُس کی ہدایت کے مطابق نہ تو اُس نے کھڑکیاں اور دروازے بند کئے تھے اور نہ را نقل سنبھال کر دوسری منزل پر چلا گیا تھا۔

فون کی گھنٹی پھر بجی اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے انٹرومنٹ تک پہنچا۔! اسی وقت اُسے یاد آیا کہ ”مادام نے دوسروں کو پانچ نمبر کی طرف آنے سے روکنے کو بھی کہا تھا۔!“

”جہنم میں جاؤ مادام....!“ کہہ کر اُس نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے سنگ کی آواز سن کر ہکھلنے لگا! ”کک.... کیا ہے.... کک.... کیوں میرا اور اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔!“

”تمہارے علاوہ اس ٹولی کے کسی بھی سفید فام کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“ سنگ کی آواز آئی۔

”مجھے کیوں.... مجھے کیوں....!“ ہارڈی ہانپ کر رہ گیا۔!

”تمہاری شکل میری پہلی محبوبہ سے بہت ملتی جلتی ہے۔! وہ ایک فرنجی سیامیز لڑکی تھی۔!“

”سام ٹرینی بھی جاپانی کے پاس پہنچ گیا....!“

”نہیں....!“ وہ خوف زدہ آواز میں بولا ”کب.... کہاں....!“

”سر دار گڈھ سے سرینی جھیل کے رستے میں آٹھویں میل پر اُس کی کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا ہے اور موٹر سائیکل کا پچھلا پیہ شائد اب بھی گردش کئے جا رہا ہو۔!“

”تم مادام کے عتاب سے نہیں بچ سکو گے سنگ....!“

”عورتیں تو مجھ پر ظلم ڈھاتی ہی رہی ہیں۔ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ویسے سُن لو کہ پانچ نمبر والوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“

پھر سلسلہ منقطع ہو نیکی آواز آئی تھی اور ہارڈی نے بھی بوکھلا کر ریسیور کرڈیل پر رکھ دیا تھا۔

نشہ ہرن ہو گیا تھا۔! تھوڑی دیر کھڑا خالی خالی نظروں سے انٹرومنٹ کو دیکھتا رہا تھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور جواب ملنے پر بولا ”مادام سے کہو ہارڈی ہے۔!“

تھوڑی دیر بعد ایک نسوانی آواز آئی تھی ”کیا بات ہے....!“

”اُس نے سام ٹرینی کو بھی مار ڈالا مادام۔!“

”کب.... کہاں....!“

”خود اُسی نے مجھے فون پر اطلاع دی ہے۔! سرینی والی سڑک پر۔ آٹھویں میل پر.... شائد وہ موٹر سائیکل پر تھا.... اور مادام اُس نے دھمکی دی ہے کہ پانچ نمبر والوں میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔!“

”اس وقت عمارت میں کون کون موجود ہے۔!“

”صرف میں ہوں مادام....!“

”دوسروں سے کہہ دو کہ جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے.... پانچ نمبر کی طرف رُخ نہ کرے۔!“

”اور میں مادام....!“

”تم فی الحال وہیں ٹھہرو.... میں ابھی تک اندازہ نہیں کر سکی کہ سنگ تنہا ہے یا کچھ اور لوگ بھی اُس کا ساتھ دے رہے ہیں۔!“

”جیسی مادام کی مرضی....!“ وہ مردہ سی آواز میں بولا تھا۔!

”سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دو.... اور را نقل لے کر دوسری منزل پر چلے

”اچھا....!“ ہارڈی نشے کی جھونک میں ہنس پڑا۔

”بالکل اسی طرح ہنستی بھی تھی!“

”سنگ مائی ڈنیر!“

”کہو کیا کہتے ہو!“

”کیا تم جیج مجھے نہیں مارو گے!“

”میری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے....!“

”مجھے مادام نے حکم دیا ہے کہ میں فانوس میں چلا جاؤں اور دوسروں کو آگاہ کر دوں کہ وہ پانچ

نمبر کی طرف رخ بھی نہ کریں۔!“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سب میری نظر میں ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سام کیسے

مارا جاتا.... روزانہ ایک آدمی کے حساب سے کام ہوگا۔ کل جاپانی رخصت ہوا تھا۔ آج سام گیا۔

لیکن کل کس کی باری ہے یہ ابھی نہیں بتاؤں گا۔!“

”تو تم تنہا نہیں ہو۔!“

”تھریسیا کی بچی شائد یہ سمجھتی ہے کہ میں تنہا ہوں۔!“

”نہیں.... لیکن یہ نہیں جانتی کہ اور کون کون ہے تمہارے ساتھ۔!“

”لیکن میں اس کے جاں نثاروں سے اچھی طرف واقف ہوں۔!“

”مجھے اُن سے الگ کر دو.... اس تنظیم کے چکر میں پڑنے کے بعد سے پچھتا تا ہی رہا ہوں۔

لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اب اس چکر سے نہیں نکل سکتا۔!“

”وہ حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے۔!“

”میں دیکھوں گا کہ اُس کی یہ قوتیں کہاں تک اُس کا ساتھ دیتی ہیں۔ آج کل کس نمبر پر اُس

سے باتیں کر رہے ہو۔!“

”تین دو ایک پر۔!“ ہارڈی بیساختہ بولا۔

”یہ دیکھو....! میں نے تمہارے باطن کا رخ تنظیم کی طرف سے موڑ دیا ہے۔“ ہارڈی

تھوک نگل کر رہ گیا۔!

”ہلو.... خاموش کیوں ہو گئے.... جاؤ.... نہایت اطمینان سے ٹہلتے ہوئے فانوس کی

طرف چلے جاؤ۔ تمہارا بال بھی بریک نہ ہوگا۔!“

”شکر یہ سنگ۔!“

”کوئی بات نہیں....!“ سنگ نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا! ہارڈی نے کانپتے ہوئے ہاتھ

سے ریسپور کرڈیل پر رکھ دیا۔ اپنی ساعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔!

اُس نے ایک پگ اور بتایا اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔!



پروفیسر ضخیم اشرف نے طوعاً و کرہاً اُس سے ملنے پر رضامندی ظاہر کی تھی اور بُرا سامانہ

بنائے بیٹھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سکی بوڑھا دال بخش اسٹڈی میں داخل ہوا تھا۔

”آج تمہیں چننا نہیں پڑے گا....!“ اُس نے اپنے بائیں کان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہیرنگ ایڈ موجود ہے۔!“

”اچھا.... اچھا....!“ پروفیسر زبردستی مسکرایا۔

”یاد رکھ رہا تھا کہ تم میرا نفسیاتی علاج کرنا چاہتے ہو۔!“

”پہلے خیال تھا۔ مگر اب دوسری مصروفیتیں نکل آئی ہیں۔!“

”مصروفیتیں نہ ہوتیں تو کیا میں اسے تسلیم کر لیتا کہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہوں۔!“

”تمہارے تسلیم نہ کرنے سے کیا ہوتا۔ میں نے آج تک ایسا کوئی پاگل نہیں دیکھا جس نے

خود کو پاگل تسلیم کر لیا ہو۔!“

”تو میں پاگل ہوں۔!“

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔!“

”اچھا تو یہی بتادو کہ میں کس ذہنی مرض میں مبتلا ہوں۔!“

”حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی بھی مرض ہی کہلائے گی۔!“

سکی بوڑھا جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ پروفیسر نے ہاتھ بڑھا کر

ریسپور اٹھالیا۔ پھر وہ بڑے غور سے سنتا رہا تھا.... اور آخر میں ”اچھی بات ہے....!“ کہہ کر

ریسپور کرڈیل پر رکھ دیا تھا۔!

پھر وہ سکی بوڑھے سے بولا ”میرا فرض تھا کہ تمہیں تمہارے مرض سے آگاہ کر دوں۔!“

”میں آگاہ ہو گیا ہوں۔!“

”اس وقت تکلیف کرنے کا مقصد۔!“

”میں یہی پوچھنے آیا تھا کہ آخر کس بناء پر تم مجھے ذہنی مریض سمجھتے ہو۔!“

”کل تمہیں پولیس نے کیوں دوڑایا تھا۔!“

”ایک صاحبہ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”اُنکے گال پر واقعی کبھی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں سمجھا شاید تل ہے۔ پھر انہوں نے شور مچا دیا۔!“

”کیوں بڑھاپے میں اپنی عزت کے پیچھے پڑے ہو۔!“

”اب اتنا زیادہ بوڑھا بھی نہیں ہوں۔!“

پروفیسر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُس کی بیوی آگئی۔ اور وال بخش کو دیکھ کر اُلٹے پاؤں واپس ہی

جانے والی تھی کہ پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب یہ آہی گئے ہیں تو انہیں یہ عمارت اندر سے بھی

کیوں نہ دکھائی جائے۔!“

”میرے حلق میں چیخنے کی سکت نہیں ہے۔!“ بیوی نے جواب دیا۔

سنگی بوڑھا ہنس پڑا اور پروفیسر نے کہا۔ ”آج یہ ہیمزنگ ایڈسیت آئے ہیں۔ اس لئے کوئی

دشواری نہ ہوگی۔!“

”اس کے باوجود بھی.... میں معافی چاہتی ہوں۔!“ اُس نے کہا تھا اور واپس چلی گئی تھی۔

سنگی بوڑھا ہنستا رہا۔

”کیا خیال ہے دیکھو گے عمارت....!“ پروفیسر نے اُس سے پوچھا۔

”ضرور.... ضرور.... یہ بلڈنگ انجینئرنگ کا شاہکار معلوم ہوتی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا

تھا کہ کوئی گول عمارت اندر سے اس قدر چوکور ہوگی۔ میرا مطلب ہے کہ ٹھیک ٹھاک ہوگی۔!“

”سننا ہے تم پبلٹنگ بھی کرتے ہو۔!“

”تفریحا.... ورنہ پشتینی دولت اتنی ہے کہ کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔!“

”خالع کر رہے ہو اپنی پشتینی دولت....! مجھے دیکھو کہ میں نے اپنی پشتینی دولت کا کتنا اچھا

مصرف نکالا ہے۔ ایسی عمارت ساری دنیا میں نہ ہوگی اور میری تجربہ گاہ دیکھ کر تو دمک رہ جاؤ گے۔!“

”میں زیادہ بڑے غم پالنے کا قائل نہیں ہوں۔!“ سنگی بوڑھا سر ہلا کر بولا۔!

”چلو اٹھو....!“

وہ اُسے ساتھ لے کر عمارت کا ایک ایک گوشہ دکھاتا پھرا تھا۔! سارا الیکٹریسیٹی کا کھیل تھا۔

جیسے ہی وہ کسی دروازے کے قریب پہنچتے دروازہ خود بخود کھلتا تھا اور کمرے میں داخل ہو جانے کے

بعد خود بخود بند بھی ہو جاتا تھا۔!

”میرا خیال ہے کہ تمہاری پشتینی دولت انڈے بچے بھی دیتی ہے۔!“ سنگی بوڑھے نے کہا۔!

”میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔!“

”یہ تو کروڑوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔!“

”تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔!“ پروفیسر اکڑ کر بولا۔ ”نادر شاہ ڈرانی کے گھرانے کا آخری فرد

ہوں.... اگر انگریز نہ اٹھالے گئے ہوتے تو آج تخت طاؤس میرے قبضے میں ہوتا۔!“

”اُس پر بیٹھے ہوئے کیسے لگتے۔!“

”فضول باتیں نہ کرو.... چلو اب تمہیں اپنے وہ تہہ خانے دکھاؤں جہاں کھلی فضا کی سی

ٹانگٹکی پائی جاتی ہے۔ مہینوں آسمان کی شکل نہ دیکھو تو ذرہ برابر بھی گھٹن محسوس نہ ہوگی۔!“

”تب تو بات اربوں تک جا پہنچتی ہے.... کیا قبلہ نادر شاہ ڈرانی اپنی ساری دولت تم جیسے

خطی آدمی کے لئے چھوڑ گئے تھے۔!“

”میں خطی ہوں....!“ پروفیسر آنکھیں نکال کر بولا۔

”میں کیا جانوں تمہاری بیگم صاحبہ میرے بھتیجے سے یہی کہہ رہی تھیں۔!“

”لعنت ہو ایسے بھتیجے پر جو ذرا ذرا سی بات چچا کو بتا دیتا ہے۔!“

”اور اپنی بیگم کو کچھ نہ کہو گے....!“

”اُسے کیا کہوں.... وہ تو فرشتوں کی طرح معصوم ہے۔!“

”سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے کسی دن۔!“

”تم اپنا رومال مت پیش کرنا۔!“

”میں سرے سے رومال ہی نہیں رکھتا۔ ناک نہیں بہتی رہتی ہر وقت۔!“

”نکال دو ہیمزنگ ایڈکان سے۔ کیا ہر بات کا جواب دینا ضروری ہے۔!“

”ترکی بہ ترکی کا قائل ہوں۔ پروفیسر صاحب....! نادر شاہ درانی کا وارث نہ سہی اب کسی بیٹے کی اولاد بھی نہیں ہوں۔!“

”خدا نے تمہیں بہرہ کر کے ساری دنیا پر احسان کیا تھا۔ لیکن اب مجھے میئرنگ ایڈ کے موجد پر غصہ آرہا ہے۔!“

”چلو.... چلو.... اب جلدی سے تہہ خانے بھی دکھا دو۔ بہت مرعوب ہو رہا ہوں۔!“

”ضرور دکھاؤں گا....! یہاں آؤ.... ادھر کھڑے ہو جاؤ۔!“ پروفیسر اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ دفعتاً فرش کا وہ حصہ نیچے دھسنے لگا تھا۔!

”ارے.... ارے!“ سکی بوڑھا ہلکایا لیکن اتنی دیر میں وہ نہ جانے کتنی گہرائی میں جا چکے تھے۔!

”ڈر رہے ہو....!“ پروفیسر نے ہنس کر پوچھا۔

”زندہ دفن ہو جانے سے ڈرتا ہی چاہئے۔!“

”ایسی کوئی بات نہیں۔ مطمئن رہو اور یہاں کے عجائبات دیکھو۔ میں نے اپنی پشتی دولت طوائفوں اور حرام خوروں پر نہیں صرف کی۔!“

پھر وہ لفٹ رُک گئی تھی....! اور سکی بوڑھا بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا تھا بالکل ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے ریفریجریٹر میں داخل ہو گیا ہو۔!

”یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہالی وڈ والوں نے کسی سائنسی فلم کا سیٹ لگایا ہو....!“

اُس نے کہا۔

”لیکن یہ سارے آلات کھلونے نہیں ہیں۔!“ پروفیسر گردن اکڑا کر بولا۔

”یہاں.... تم کیا کرتے ہو....!“

”تجربات.... یہاں عقل کی دیوی کی حکمرانی ہے! وہ میرے ذہن میں نئے نئے پلان اُتارتی ہے!“

”تم تو کہہ رہے تھے کہ تم ماہر نفسیات ہو۔ لیکن یہ کھڑا کچھ اور کہہ رہا ہے۔!“

”ہاں.... میں ماہر نفسیات ہوں.... لیکن میرا طریق علاج سنجش نہیں ہے میں مشینیں استعمال کرتا ہوں.... مثال کے طور پر تم نے اپنے آپ پر ذہنی اعتبار سے بڑھاپا نہیں طاری ہونے دیا۔ لیکن جسمانی طور پر بوڑھے ہو چکے ہو.... اگر تم چاہو تو میں ان مشینوں کے ذریعے تمہیں جسمانی شباب بھی عطا کر سکتا ہوں۔!“

”اے کیوں مذاق کر رہے ہو۔!“

”جب تک خود اس تجربے سے نہیں گزر دو گے اسے مذاق ہی سمجھتے رہو گے۔ ٹھہرو میں ابھی بتاتا ہوں۔!“

”کیا بتاؤ گے....!“

”پہلے میں تمہیں تمہاری جوانی دکھاؤں گا۔ اُس کے بعد اگر چاہو گے تو اُسی حالت پر واپس لے جاؤں گا۔!“

”جوانی دکھاؤ گے....!“

”ہاں.... ادھر آؤ.... اس کرسی پر بیٹھ جاؤ....!“

”یار کہیں.... میری بے باکیوں کا انتقام تو نہیں لو گے....!“

”میں عام آدمیوں سے بہت اونچا ہوں.... انتقام نہیں لیا کرتا چلو بیٹھ جاؤ۔!“

بوڑھا ہچکچاہٹ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔ سامنے ایک عجیب وضع کا فریم نصب تھا.... پروفیسر نے فریم ہی سے لگے ہوئے ایک سوچ بورڈ کے پش سوچ پر انگلی رکھ دی۔ فریم کی سطح آئینے کی طرح روشن ہو گئی اور بوڑھا اُس میں اپنا عکس دیکھ کر اُچھل پڑا.... وہ ایک جوان آدمی کا چہرہ تھا....

ڈاڑھی اور مونچھیں سرے سے غائب ہو گئی تھیں.... اور بال بالکل سیاہ تھے۔ اُس کا سر چکر ا گیا۔ ٹھیک اُسی وقت ایک مترنم اور نسوانی آواز ہال کے طویل و عریض میں گونجی تھی۔

”خوش آمدید صفدر صاحب....!“

بوڑھے نے بوکھلا کر ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا لیکن ڈاڑھی اُلجھے ہوئے بالوں سمیت اُس کے چہرے پر موجود تھی۔!

آواز پھر آئی۔ ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کون ہوں.... لہذا اب سچی باتیں ہوں گی۔ عمران کے اندازے کے مطابق تم ٹھیک جگہ پہنچے ہو۔!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کہنا چاہئے۔!“ صفدر جی کڑا کر کے بولا۔

”میں نے صرف یہ کہا ہے کہ تم سچ بولو گے۔!“

صفدر نے پروفیسر کی طرف دیکھا جو سر جھکائے اور ہاتھ باندھے مؤدب کھڑا تھا۔

”تم کیا پوچھنا چاہتی ہو۔!“ اُس نے بالآخر سوال کیا۔

”عمران کہاں ہے.....؟“

”سردار گڈھ ہی میں کہیں!“

”میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں!“

”افسوس کہ میں اس سلسلے میں کسی کام نہ آسکوں گا..... میں نہیں جانتا کہ وہ کس شکل میں

کہاں ہوں گے.....!“

”جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اُسے غور سے سنو..... تمہارا ساتھی جس کا نام یاد رہے..... ایسے ہی ٹائپ کا خون رکھتا ہے جو ہمارے کام آسکے لیکن اب اُسے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ تم دونوں کی حیثیتوں کا علم ہوتے ہی میں نے پروفیسر کو حکم دیا تھا کہ تمہیں نظر انداز کر دیا جائے اور فی الحال تجربات کا سلسلہ بھی ختم سمجھو!“

”میں نہیں سمجھا!“

”میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب تمہارے ملک کے کسی آدمی کی ہیئت نہیں بدلی جائے گی اور وہ جو عمران کے قبضے میں ہے..... اُسے بھی اُس کی اصلی حالت پر واپس لانے کا وعدہ کرتی ہوں..... مگر اس شرط کے ساتھ کہ عمران مجھ سے ملے!“

”میں کوشش کروں گا کہ تمہارا پیغام کسی نہ کسی طرح اُن تک پہنچا دوں!“

”اور ایک وارننگ بھی سن لو..... اگر پولیس نے فائوس کی طرف رخ بھی کیا تو پورا سردار

گڈھ دھماکے کے ساتھ اڑ جائے گا!“

”میں سمجھتا ہوں۔ تم ایسا کر سکتی ہو۔ لیکن عمران صاحب تم سے کہاں اور کس طرح مل سکیں گے!“

”یہیں فائوس میں۔ پروفیسر کو فون کر کے ملنے پر رضامندی ظاہر کر سکتا ہے..... لیکن

میری وارننگ سے اُسے آگاہ کر دینا..... پروفیسر یا فائوس کے خلاف کوئی کارروائی پورے سردار

گڈھ کے لئے موت کا پیغام بن جائے گی!“

”میں صرف اپنی ذمہ داری لے سکتا ہوں..... اُن کا رویہ کیا ہو گا میں نہیں جانتا!“

”تم اس کی فکر مت کرو..... بس میرا پیغام اُس تک پہنچا دو..... ہاں تمہارا ساتھی کون ہے

میں اُسے نہیں پہچان سکی!“

”میں بھی نہیں جانتا وہ کون ہے۔ عمران صاحب نے اُسے میرے چارج میں دیا ہے۔“

”خیر.....! تمہارا اپنا معاملہ ہے..... لیکن اسے ذہن نشین کر لو کہ یہ بات تمہارے اور

عمران کے درمیان رہے گی۔ کسی تیسرے کا خطرہ ہرگز مول نہ لینا!“

”میں سمجھتا ہوں.....!“

”اچھا خدا حافظ!“

”خدا حافظ.....!“

تہہ خانے کی فضا پر عجیب سا سناٹا مسلط ہو گیا تھا۔ صفدر نے پروفیسر کی طرف دیکھا! اُس نے دونوں ہاتھ کھول دیئے تھے۔ اور صفدر کو پُر تشویش نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ پھر اوپر آئے تھے اور صفدر نے مسکرا کر پوچھا تھا۔ ”اب کیا حکم ہے!“

”کچھ نہیں.....! تم جاسکتے ہو..... لیکن ٹھہرو..... ایک بات ضرور پوچھوں گا۔ کیا یہ اُسی

عمران کی بات تھی جو گاڑیوں کی آڑھت کرتا ہے اور اول درجے کا بیوقوف نظر آتا ہے!“

”تمہارا خیال درست ہے.....!“

”زندگی میں پہلی فاش غلطی ہوئی تھی مجھ سے۔“

”کیسی غلطی.....؟“

”میں نے اُسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔“

”اور ہم دونوں کے بارے میں کیا خیال ہے.....!“

”تم تو پہلی ہی نظر میں عطائی لگے تھے۔ ورنہ تمہارے فرشتے بھی ہم پر شبہ نہ کر سکتے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ہم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

”نہیں سمجھ سکو گے۔ کیونکہ تم پر تو عقل کی دیوی مسلط ہو گئی ہے۔ خیر مجھے اس سے کیا

کر دکار..... ہم اس سے زیادہ اور کچھ چاہتے بھی نہیں کہ وہ دھاری دار آدمی دوبارہ اپنی اصلی ہیئت

میں آجائے۔“

”مجھے کیا.....؟“ پروفیسر نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اب مجھے جانا چاہئے.....! صفدر گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔“

”نیکسی سے آئے ہو گے۔ میں اپنی گاڑی سے بھجوا دوں۔!“

”تمہیں یہی کرنا چاہئے....! کیونکہ میں عقل کی دیوی کے سفیر کی حیثیت سے رخصت ہو رہا ہوں۔!“ صفدر بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

بوڑھا آہستہ سے کچھ بڑا کر رہ گیا تھا۔!



قتل صرف تین میل کے فاصلے پر ہوا تھا....! اس لئے یہ بات دیر تک چھپی نہ رہ سکی کہ مقتول سرنی جھیل کے ہٹوں میں سے ایک میں مقیم تھا.... وہاں سے تو سبھی دوڑ پڑے تھے۔ سیامیز بارنڈر رابی کو ان بھی انہی میں سے تھا۔ لاش پر نظر پڑتے ہی اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ سام ٹرینی ہی کی لاش تھی لیکن وہ حرف شناسائی زبان پر نہ لاسکا....! البتہ بھاگ بھاگ اُس ہٹ تک ضرور پہنچا تھا۔ جہاں سام ٹرینی مقیم تھا۔!

”مسٹر جیفر سن....!“ اُس نے ہٹ کا دروازہ تھپتھا کر آواز دی.... ایک سفید فام آدمی نے دروازہ کھولا تھا۔!

”اب کیا ہے....؟“ اُس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔!

”میری خبر ہے مسٹر جیفر سن....! وہ لاش مسٹر سام ٹرینی کی ہے....!“

”نہیں....!“ جیفر سن ششدر رہ گیا۔ یہ چھ فٹ اونچا اور خاصا توانا آدمی تھا۔

”یقین کرو.... کسی نے کینٹی پر گولی ماری ہے....!“

”لیکن کس نے....؟“

”میں نہیں جانتا۔!“

”اندر آؤ....!“ جیفر سن غصیلے لہجے میں بولا تھا۔! رابی کو ان کو شاید لہجہ بُرا لگا تھا۔ لیکن وہ چپ چاپ اندر چلا گیا۔! جیفر سن نے دروازہ بند کر کے سٹکنی چڑھائی اور پلٹ کر رابی کا گریبان پکڑ لیا۔

”مسٹر جیفر سن....!“ رابی کے لہجے میں استعجاب اور احتجاج دونوں شامل تھے۔

”بتاؤ.... اُسے کس نے مارا ہے....!“ وہ اُس کے گریبان کو جھٹکا دے کر بولا۔

”مم.... میں کیا بتاؤں....؟“

”تم نے اُسے بھیجا تھا....!“

”میں نے ایک اطلاع دی تھی۔ میں نے کہیں نہیں بھیجا تھا۔! میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ پولیس آفیسر جاپانی کی کسی سفید فام غیر ملکی مالکہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔!“

”یہ بھی بکواس ہے۔ کوئی اس قسم کا سوال نہیں کر سکتا۔!“ اُس نے پھر گریبان کو جھٹکا دیا۔!

اس بار سیامیز نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ لیکن جیفر سن نے باباں ہاتھ اُس کے جڑے پر رسید کر دیا۔ بس پھر کیا تھا سیامیز کسی وحشی کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑا۔ مگر جیفر سن بھی کمزور نہیں معلوم ہوتا تھا۔! کسی اچھے باکسری کی طرح اُس کے وار خالی دے رہا تھا۔ پھر اچانک پیچھے ہٹ کر ایک زور دار لات سیامیز کے پیٹ پر رسید کر دی۔ وہ اچھل کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔!

ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ دونوں جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ پھر جیفر سن نے کڑک کر پوچھا تھا۔ ”کون ہے....؟“

”پولیس....! دروازہ کھولو....!“ باہر سے آواز آئی۔

وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دروازہ کھولنے کو پھر کہا گیا۔ اور جیفر سن دھاڑا ”بھاگ جاؤ۔ یہاں پولیس کا کیا کام....!“

”دروازہ کھولو.... ورنہ توڑ دیا جائے گا۔!“ باہر سے آواز آئی۔

”یہ کیا بکواس ہے۔!“ کہہ کر جیفر سن نے دروازہ کھول دیا تھا۔ رابی نے آنکھیں پھاڑ کر اُس آدمی کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے اُس سے پوچھ چکھ کر تار ہوا تھا۔

”تم پولیس ہو....!“ جیفر سن غرایا۔

”ہاں سادہ لباس میں.... کیا تم مجھے اندر آنے کو نہیں کہو گے....! اوہ.... مسٹر رابی کو ان بھی موجود ہیں۔!“

”جاؤ تم.... دفع ہو جاؤ....!“ جیفر سن نے رابی سے کہا۔!

”نہیں مسٹر رابی کی موجودگی ضروری ہے....!“

”تم میری مرضی کے خلاف کسی کو یہاں نہیں روک سکتے....!“

”روک سکتا ہوں....!“ عمران اُسے دھکیل کر اندر گھستا ہوا بولا۔

”نکلو.... نکلو تم بھی باہر.... بغیر اجازت....!“

عمران نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔! رابی بدستور

دیوار سے لگا کھڑا رہا۔!

”اُوہ..... یو باسٹرو.....!“ کہہ کر جیفر سن عمران پر چھٹا تھا..... لیکن اُس نے ایک طرف ہٹ کر بڑی پھرتی سے اُس کی گردن پر ہاتھ مارا اور وہ اچھل کر کھلے ہوئے دروازے سے باہر جا پڑا..... رابی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک لہرائی تھی اور وہ اُسی جگہ کھڑا اپنی مٹھیاں بھیجتا رہ گیا تھا۔!

جیفر سن کے منہ سے گالیوں کا طوفان اُمنڈ پڑا۔ اٹھ کر دوبارہ عمران پر چڑھ دوڑا۔ لیکن غضب ناکي نے ذہن کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ حریف کے ممکنہ داؤ کو مد نظر رکھ سکتا۔ اس بار عمران کی ٹھوکر اُس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دباتے ہوئے پھر ڈھیر ہو گیا۔!

رابی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی! عمران اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”خاصے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔!“

رابی خاموش ہی رہا۔ عمران نے جیفر سن کی گردن تھام کر اُسے ہٹ کے اندر گھسیٹ لیا اور ایک طرف پٹختا ہوا بولا۔ ”کبھی کبھی جان سے بھی مار دیتا ہوں اور اُس کے بعد جو رپورٹ تیار کرتا ہوں اُس پر آج تک کسی عدالت کو اعتراض نہیں ہوا۔!“

”میں ایک سیاح ہوں..... تمہیں پچھتا پڑے گا۔!“

”پڑے رہو چپ چاپ..... ہاں رابی کو ان.....! کس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا۔!“

”جھگڑا..... نہیں تو.....!“

”یہ تو جملہ معترضہ تھا۔! ہاں تو سیاح صاحب تمہارا کیا نام ہے.....!“

”نہیں بتاتا.....!“

”لیکن اپنی مالکہ کا پتہ تو بتانا ہی پڑے گا۔!“

”کیسی مالکہ..... کون مالکہ..... تم ضرور پاگل ہو گئے ہو۔!“

”اور یہ بھی بتانا پڑے گا کہ سام ٹرینی کہاں جا رہا تھا اور اُسے کس نے مارا۔!“

”میں کچھ نہیں جانتا۔!“

”سام ٹرینی کو بھی نہیں جانتے۔!“

”نہیں..... میں یہاں تنہا ہوتا ہوں..... تم دفتر کے رجسٹر سے معلوم کر سکتے ہو۔!“

”مسٹر رابی کو ان.....!“

”میں کچھ نہیں جانتا.....!“

”غلط کہہ رہے ہو.....! پوچھ گچھ کے بعد تم یہاں دوڑے آئے تھے اور سام ٹرینی یہیں سے موٹر سائیکل پر روانہ ہوا تھا۔!“

رابی تھوک نکل کر رہ گیا۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.....!“

رابی نے سر کو مخفی جنبش دی تھی۔ جیفر سن اُسے گھورتا رہ گیا۔

”اور تم کہہ رہے ہو کہ اپنے مقتول ساتھی کو جاننے تک نہیں۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

جیفر سن کچھ نہ بولا۔ اُس نے پھر گردن ڈال دی تھی۔ وہ ابھی تک فرش پر پڑا ہوا تھا۔ عمران

نے رابی سے سوال کیا۔ ”کیا یہ غلط ہے کہ تم میرے بارے میں انہیں بتانے آئے تھے۔“

”نہیں.....!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں نہیں جانتا یہ کون ہے.....!“ جیفر سن غرایا ”اس نے ہٹ میں داخل ہو کر چوری کرنے کی کوشش کی تھی میں نے پکڑ لیا۔!“

”اب تم خاموش رہو کلتیا کے بچے ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔!“ رابی چیخ کر بولا۔ پھر اُس نے عمران سے کہا ”ہاں مسٹر یہ درست ہے کہ میں نے انہیں اطلاع دی تھی کہ تم نے ان کی مادام کے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا یہ اُس عورت کو مادام کہتے ہیں لیکن میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔!“

”کب سے ان لوگوں کے لئے کام کر رہے ہو۔!“ عمران نے پوچھا۔

”تین سال سے..... لیکن یہاں دو ماہ پہلے آیا ہوں..... اس سے قبل برما میں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ان کا اصل بزنس کیا ہے..... دیے انہوں نے ساری دنیا میں شراب خانے کھول رکھے ہیں۔ یہاں سیامیز بار بھی انہوں نے خریدا ہے.....!“

جیفر سن سر اٹھائے اُسے خوں خوار نظروں سے دیکھتا رہا۔ اچانک عمران اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”کیا خیال ہے سام ٹرینی مادام کے عتاب کا شکار ہوا ہے.....! ظاہر ہے کہ وہ میری نظر میں

آگیا تھا۔ اگر یہ بات ہے تو اب تمہاری بھی خیر نہیں۔!“

”تم لوگ کچھ نہیں جانتے.....!“ جیفر سن نے کہا۔

”کیا نہیں جانتے۔!“

”ہم جرائم پیشہ نہیں ہیں۔!“

”میں جانتا ہوں کہ تم لوگ دنیا میں امن قائم کرنا چاہتے ہو اور اُس کام کے لئے فضا اکٹھا کرتے ہو۔ چوریوں، ڈاکوں اور اسمگلنگ سے اور بہت زیادہ دولت مند لوگوں کو بلیک میل بھی کرتے ہو۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں دنیا کے ترقی یافتہ ترین ممالک کو بھی پیچھے چھوڑ جانے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہو۔ کیا اب اُس دھاری دار آدمی کی لاش کے بارے میں بھی بتاؤں جو جنگل میں پڑی ملی تھی۔!“

جیفر سن حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا! ”تم یہاں کی پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے.... تم سو فیصد اُسی حرام زادے کے آدمی ہو۔!“

”یہ کس حرام زادے کا تذکرہ ہے....!“

”اُسی کا جس کے لئے تم کام کر رہے ہو۔ خود تم نے اس تدبیر سے سام ٹرینی کو ہٹ سے باہر نکلنے پر مجبور کیا اور گولی مار دی۔!“

عمران نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اُس کے سامنے فرش پر ڈال دیا اور بولا۔ ”لیفٹیننٹ جنرل کھلاتا ہوں اور فیڈرل سے میرا تعلق ہے.... نہیں دیکھو.... میرا شناخت نامہ اور اب تم اٹھ کر بستر پر بیٹھ سکتے ہو۔ کوئی حرکت کی اور مارے گئے۔ باہر میرے کئی ماتحت موجود ہیں۔!“

جیفر سن نے چپ چاپ تعمیل کی تھی اور شناخت نامہ دیکھ کر اُسے واپس کر دیا تھا۔

”اب اُس حرام زادے کے بارے میں بتاؤ۔!“

”وہ ہی میں سے ایک تھا۔ لیکن اُس نے مادام کے خلاف بغاوت کر دی ہے....!“

”کیا یہ سنگ ہی کا ذکر ہے....!“

”تت.... تم.... جانتے ہو....!“

”ہاں میں جانتا ہوں کہ سرنگی کا اصل نام سنگ ہی ہے۔!“

”تب تو تم لوگ بہت کچھ جانتے ہو....!“

”کیا اتنا شدید جھگڑا ہوا ہے کہ وہ تمہاری مادام کے خاص آدمیوں کو ٹھکانے لگائے دے رہا ہے۔!“

”یہی بات ہے.... جاپانی کو بھی اُسی نے مارا ہے....!“

”لیکن اُس کے ہاتھ کیوں کاٹ دیئے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی....!“

”وہ سنگ کو مار ڈالنے پر مامور کیا گیا تھا....!“

”اوہ.... تب تو مجھے تم لوگوں پر رحم کھانا چاہئے....!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا.... ”اور اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے۔!“

”جو دل چاہے کرو....!“ وہ بیزار سے بولا۔

”اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام اور پتے بھی بتاؤ۔ اسی طرح وہ بھی زندہ رہ سکیں گے۔ ورنہ سب مارے جائیں گے سنگ ہی کے ہاتھوں.... تم لوگوں کو اُسکی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔!“

”کچھ بھی ہو....!“ جیفر سن شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ ”میں اپنے ساتھیوں کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔! تم شوق سے مجھے گرفتار کر لو....!“

”خیر.... خیر.... یہ سب بعد میں دیکھیں گے۔ ابھی تو تمہاری جان بچانے کا مسئلہ درپیش ہے۔!“ عمران نے کہا۔

اس کے بعد عمران نے اُسے مادام کے بارے میں بہت کچھ بلایا جلایا تھا لیکن وہ اس کی قیام گاہ کا پتہ نہ بتا سکا۔!

”بھتنا کچھ مجھے معلوم تھا بتا چکا ہوں۔“ وہ بالآخر بولا۔ ”اگر مادام کی قیام گاہ کا پتہ معلوم بھی ہوتا تو ہر گز نہ بتاتا۔“

”آخاہ.... تو تم ڈیجھ اسکوئڈ کے سپاہی ہو۔!“

”مائی گارڈ! اس حد تک جانتے ہو۔ کہیں تم وہی تو نہیں ہو جس سے ہوشیار رہنے کی خاص طور پر ہدایت ملی تھی لیکن نہیں.... وہ نہیں ہو سکتے۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس اُسکی تصویر موجود ہے۔!“

”ذرا مجھے بھی تو دکھانا کون ہے....!“

جیفر سن نے میز سے پرس اٹھایا تھا اور عمران کی تصویر نکال کر اُسے تھما دی تھی۔!

عمران سر کو منحنی جنبش دیکر بولا ”میں نہیں جانتا کون ہے۔!“ اور تصویر اُسے واپس کر دی۔!



صفر اور نیو عمران کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن اب بھی میک آپ ہی میں تھے۔ صفر بدستور سنگی ”پچی“ تھا اور نیو بے تکلف جھیتجا.... یاد....!

”میں تو بے موت مارا گیا....!“ نیو بڑبڑایا۔

”کیوں.....! کیا بات ہے....؟“

”عالیہ بُری طرح میرے ذہن سے چٹ گئی ہے۔!“

”چٹ رہنے دو..... کیا فرق پڑتا ہے۔!“

”لیکن اب تم نے وہاں جانے کو بھی منع کر دیا ہے۔ کیا کروں گا۔!“

”میں نے خود نہیں منع کیا..... عمران صاحب کا فرمان ہے....!“

”ان کا نام تو فرمان ہی ہونا چاہئے تھا۔ عمران نہ جانے کیوں کہلاتے ہیں۔ لیکن یک یک

تہیں اُن کی تلاش کی کیوں سو جھی ہے....!“

”جو کام ہمارے ذمے تھا کر چکے۔ اب تلاش کر کے پوچھیں گے کہ آئندہ کیا کرتا ہے....!“

”ہم کیا کر چکے ہیں....؟“

”پوری عمارت اندر سے دیکھ لی۔!“

”عمارت تو میں نے تم سے پہلے ہی دیکھ لی تھی۔!“

”لیکن تم اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکے تھے جہاں پروفیسر کی تجربہ گاہ واقع ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”تمہ خانے.... میں نے پروفیسر کو تڑی دے کر تمہ خانے بھی دیکھ لئے اور عمران صاحب

دراصل یہی معلوم کرنا چاہتے تھے۔!“

”یار بس ختم کرو..... ہو گا کچھ.... میں ایک آدھ پگ برانڈی کا لینا چاہتا ہوں۔!“

”ایک پگ سے زیادہ نہیں۔!“

”تہا پیٹنے میں مزہ نہیں آتا..... تم بیڑ ہی لے لینا۔!“

”میری فکر نہ کرو۔!“

”یار کیا مصیبت ہے.... تم لوگ آخر مولوی کیوں ہو گئے ہو۔!“

”اللہ کا حکم....!“

”مت بور کرو....!“

”اسی کو غنیمت جانو کہ مجھے تمہاری شراب نوشی پر اعتراض نہیں ہے۔!“

”بڑے اُن کلچرڈ لوگ ہو۔!“

”شراب سے اجتناب ہمارے کلچر کا لازمی جزو تھا۔ مقصد یہ تھا کہ نیند کے علاوہ ہمارا ایک لمحہ

بھی بے خبری میں نہ گزرے۔!“

”اب اخلاقیات پر بور کرو گے....!“

”بیزار ہو اخلاقیات سے....!“

”حد سے زیادہ....!“

”لیکن اگر تمہارے والد صاحب بھی اخلاقیات سے متنفر ہوتے تو تمہارے کاغذات میں

ولدیت کا خانہ ”نامعلوم“ سے مزین نظر آتا.... سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کہیں اخلاقیات طرہ

امتیاز کیوں ہوتی ہے اور کہیں ایک فضول سی چیز کیوں بن جاتی ہے۔!“

”بس بس.... یہ موضوع ختم.... کوئی اور بات کرو۔!“

”کبھی میں بھی پیتا تھا.... لیکن اب توبہ کر لی ہے.... اور بتاؤں کیسے.... ایک بار عمران

صاحب نے سور کا گوشت سامنے رکھ دیا تھا.... میں بگڑ گیا.... کہنے لگے کیا حرج ہے.... دونوں

حرام ہیں۔ اگر وہ سرور بخشی ہے تو یہ بے حد لذیذ اور طاقت ور ہوتا ہے.... ذرا کچھ کر تو دیکھو۔“

”کس جنجال میں آپھنسا ہوں۔!“ نیو پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

”نہیں چلو.... پی لو کہیں بیٹھ کر....!“

”تمہارے سامنے پی کر اسے مزید حرام نہیں کر سکتا....!“

”بس اندازہ ہوا کہ ابھی بالکل خالی نہیں ہوئے۔ سدھر جاؤ گے انشاء اللہ۔!“

نیو کچھ نہ بولا۔ عجب طرح کے تاثرات نظر آرہے تھے اُسکی آنکھوں میں۔ ”بور ہو گئے۔!“

صفدر اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا! ”اب کبھی کچھ نہ سنو گے میری زبان سے.. معاف کر دو!“

”نہیں یار.... یہ بات نہیں ہے.... ہاں تو آخر انہیں کہاں تلاش کریں گے....!“

اچانک ایک میلے کپیلے آدمی نے اُنکا راستہ روک لیا اور صفدر سے پوچھا ”آپ داور بخش ہیں!“

”ہاں کیوں....؟“ صفدر کے لہجے میں حیرت تھی۔!

”جی یہ پیکٹ آپ کے لئے ایک آدمی نے دیا ہے....!“

”کیا ہے اس میں....!“

”میں کیا جانوں صاحب....!“

”کہاں ہے..... وہ آدمی....!“

”اُس قبوہ خانے میں بیٹھا ہوا ہے....!“

پہلے میں اُس آدمی کو دیکھ لوں.... پھر پیکٹ لوں گا....!“

”آپ کی مرضی صاحب....!“

وہ دونوں اُس کے ساتھ قبوہ خانے میں آئے تھے۔ اور پھر وہ آدمی بوکھلائے ہوئے انداز میں

چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔

”اب تو نہیں ہے جناب.... ذرا کی ذرا دیر میں غائب ہو گیا.... اس کام کے پانچ روپے

دیئے تھے مجھے....!“

”دیئے ہوں گے.... اب تم ہی یہ پیکٹ کھول کر مجھے دکھاؤ کہ اس میں کیا ہے۔ مجھ سے

بھی پانچ روپے لے لینا....!“

”کھولے دیتے ہیں صاحب....!“ وہ خوش ہو کر بولا۔ پیکٹ سے ایک چھوٹی سی شیشی برآمد

ہوئی تھی جس میں سیاہی مائل گاڑا سیال بھرا ہوا تھا۔ اور اُس کے ساتھ ایک پرچہ بھی تھا۔ صفر

نے پرچہ لے کر اُس کی تہیں کھولیں۔ تحریر تھی....!

”عمران! صفر کے بیان کی صداقت اور میری نیک نیتی ظاہر کرنے کے

لئے یہ سیال کافی ہے! تمہارے دوست کے درد کی دوا.... درد کی جگہ پر

اس کی مالش کر کے آدھے گھنٹے تک ہوا لگنے دو... درد رفع ہو جائے گا!“

صفر نے پرچہ جب میں ڈال لیا.... نیو تحریر نہیں پڑھ سکا تھا۔ شیشی کو احتیاط سے دوبارہ

پیک کیا اور احتیاط سے کوٹ کی جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”تم نے مزید پانچ روپے کمائے!“

وہ آدمی روپے لے کر چل دیا۔ نیو حیرت سے جلدی جلدی پلکیں جھپکا تا رہا۔

”کیا قصہ ہے....!“ اُس نے بے صبری سے پوچھا۔

”یہ واقعی قابل ترین سیاسی بابا تھا۔ کل اچانک ایک جگہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا

تمہاری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں اڑتی ہیں۔ سر چکراتا ہے.... آج کی بات کل یاد آتی

ہے اور کل کی پرسوں.... اچھا بابا جا کل تجھے دوا مل جائے گی.... اور آج یہ دیکھو....!“

”کیوں بیوقوف بنارہے ہو.... شیشی میں کیا ہے....؟“

”دوا.... یقین کرو....!“

”نہیں بتانا چاہتے تو اب نہیں پوچھوں گا!“

صفر خود ہی الجھن میں پڑا ہوا تھا۔ کس دوست کی بات ہے اور کیسا درد، ویسے یہ تو ظاہر ہی تھا۔

کہ پیکٹ اُس نوٹ کے ساتھ تحریر سیاہی نے بھجوا دیا ہو گا۔

”سوال بدستور برقرار ہے....!“ نیو تھوڑی دیر بعد بولا۔

”کیسا سوال....؟“ صفر چونک پڑا۔

”ہم انہیں کہاں تلاش کریں....!“

”اُوہ....! وہیں چل رہے ہیں۔ ایمر جنسی کی صورت میں ایک عمارت کے مینوں سے رابطہ

قائم کرنے کو کہا تھا۔!“

وہ تاراپور کا مٹیچ پینچے....! صفر نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا.... اندر سے ایک آدمی فوجی

وردی میں ملبوس باہر آیا تھا۔

”دور بخش..... ڈھمپ سے ملنا چاہتا ہے....!“ صفر اُس کے قریب پہنچ کر اتنی آہستگی

سے بولا کہ نیو تک آواز نہ پہنچ سکی۔!

”اندر تشریف لے چلے۔!“ وہ آدمی پیچھے ہٹا ہوا بولا۔ صفر نے نیو کو اپنے ساتھ آنے کا

اشارہ کیا تھا۔!

دونوں کو ایک سادہ سے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر فوجی وردی والا اندر چلا گیا تھا۔ نیو سر

جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہی شخص واپس آیا تھا اور ایک پرچہ صفر کو تھما دیا تھا۔ جس پر تحریر تھا! ”بارہ

نچ کر بیس منٹ پر.... گلبار ہوٹل.... کمرہ نمبر بائیس....!“

صفر نے پرچہ تہہ کر کے جیب میں رکھا اور اُس کا شکریہ ادا کر کے اٹھ گیا.... سڑک پر

پہنچ کر اُس نے نیو سے کہا ”اب تم تنہا تفریح کر سکتے ہو....!“

”کیا مطلب....!“

”مجھے عمران صاحب سے تنہا ملنا ہے۔! یہی ہدایت ملی ہے....!“

”نانا....!“ نیو ہاتھ ہلاتا ہوا لکھت دوسری طرف گھوم گیا.... صفر اُسے تیز رفتاری سے

”ہاں..... کسی وجہ سے جھگڑا کر بیٹھی ہے سنگ سے اور سنگ نے اُس کے کئی خاص آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے.....!“

”تو گویا... وہ چاہتی ہے کہ سنگ پر ایک طرف سے آپ دباؤ ڈالیں اور دوسری طرف سے وہ خود!“

”یہی بات ہے.....!“ عمران پُر تشویش لہجے میں بولا۔

”آپ کا کون دوست کس درد میں مبتلا ہے.....!“

”تھریسیا ہی کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تم اُسے نہیں جانتے..... اگر اُس کے درد کا درماں

ہو گیا تو تصدیق ہو جائے گی کہ تھریسیا مجھے غم دینے کے چکر میں نہیں ہے.....!“

”اب ہم دونوں کیا کریں.....!“

”بس پروفیسر کی بیوی سے عشق نہ کر بیٹھنا۔ اس کے علاوہ جو دل چاہے کرو۔!“

”نیو تو شاید پڑ گیا ہے اس چکر میں.....!“

”میری طرف سے وارننگ دے دینا..... اور اب سنگ کی تلاش جاری رکھو.....!“

”اسی حلے میں.....!“

”کوئی حرج نہیں ہے اور قیام بھی انٹرنیشنل ہی میں رہے گا۔!“

”پھر کسی ضرورت کے تحت یہیں ملاقات کروں۔!“

”نہیں..... تاراپور کالج سے رابطہ قائم کئے بغیر تم مجھ سے نہیں مل سکو گے۔ کیونکہ یہ میرا

مستقل ٹھکانہ نہیں ہے۔ بس اب جاؤ۔!“

”سنگ سے متعلق لائن بھی تو بتائیے.....!“

”ہانگی اسٹریٹ میں سیامیز بار ہے۔ وہاں ایک بارنڈر ہے..... رابی کو ان اُس پر نظر رکھو۔

ہو سکتا ہے سنگ کسی وقت اُس سے رابطہ قائم کرے۔!“

پھر اُس نے رابی کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا تھا۔! میں نے اُسے حراست

میں نہیں لیا۔ صرف جیفرسن حراست میں ہے۔!“

”بہت بہتر.....! میں دیکھوں گا.....!“ صفدر نے کہا۔



فیاض حسب معمول بڑی تندہی سے دوڑ لگا رہا تھا۔ ہٹ کے قریب ہی ایک سطح جگہ تلاش

مخالف سمت میں جاتے دیکھتا رہا..... پھر اُس نے ایک ٹیکسی رکوائی تھی اور گلبار کی طرف روانہ ہو گیا تھا..... معینہ وقت میں ابھی چالیس منٹ باقی تھے پندرہ منٹ میں گلبار پہنچ گیا۔ اور اُس کے ڈائینگ ہال میں بیٹھ کر کافی پیتا رہا۔

ٹھیک بارہ بجکر بیس منٹ پر اُس نے کمرہ نمبر بائیس کے دروازے پر دستک دی تھی.....!

”کون ہے.....؟“ اندر سے عمران کی آواز آئی۔

”بارہ بجکر بیس منٹ.....!“ صفدر نے کہا۔

دروازہ کھلا اور عمران پیچھے ہٹا ہوا بولا۔ ”آئیے چچا جان.....! ویسے آپ نے اسی میک آپ

میں تشریف لا کر حماقت فرمائی ہے.....!“

صفدر کے داخلے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے اُس کی طرف مڑا تھا۔

”مجھے یقین ہے کہ آپ کی نگرانی ہو رہی ہوگی.....!“

”وہ کھل کر سامنے آگئی ہے..... اسی لئے میں نے میک آپ کو نظر انداز کر دیا ہے اُس کا پیغام

لایا ہوں آپ کے لئے۔!“

”بیٹھ جاؤ..... اور سناؤ پیغام.....!“

صفدر نے بالتفصیل اپنی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہوئے تھریسیا کا پیغام دہرایا تھا۔ عمران منہ

چلا کر رہ گیا۔ پھر صفدر نے وہ پیکٹ بھی اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ چکر میری سمجھ میں

نہیں آیا۔!“

لیکن عمران ”چکر“ سے متعلق اظہار خیال کرنے کی بجائے بولا! ”تو وہ مصالحت ہی پر آمادہ ہے!“

”کیا آپ کو وہ میں سچائی نظر آتی ہے.....!“

”ہاں.....! حالات ایسے ہی ہیں کہ اس پر یقین کیا جاسکتا ہے..... کیا تمہیں وہ فضائی ہنگامہ یاد

نہیں۔ ایک دشمن کو ٹھکانے لگانے کے لئے اُس نے مصالحت کر لی تھی.....!“

”ہاں یاد تو ہے.....!“

”بس تو پھر یہ سمجھ لو کہ وہ چوکھی لڑنے کی بجائے وقتی طور پر مجھ سے مصالحت کر لینے ہی

میں عافیت سمجھے گی.....!“

”کیا یہ ایسی ہی کوئی چویشن ہے.....!“

”کیا مطلب.....!“ فیاض آنکھیں نکال کر بولا۔ لیکن لہجہ کچھ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔
 ”میں ثابت کر دوں گا کہ دھوکے میں دھاریوں کی منتقلی محض ایک سائنسی شعبہ تھا۔!“
 ”یعنی تمہاری کسی تدبیر سے یہ تین دھاریاں بھی مٹ جائیں گی۔!“
 ”میرا یہی خیال ہے..... تم لیٹو تو.....!“
 ”اگر نہ غائب ہوئیں تو.....!“
 ”گردن اڑا دینا۔!“

فیاض نے طوعاً و کرہاً عمران کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ عمران نے سیال کی مالش شروع کی۔
 ”سیال تو ویسا ہی معلوم ہوتا ہے!“ فیاض آہستہ سے بڑبڑایا تھا اور آنکھیں بند کر لی تھیں۔
 ”ہائے..... کیا معصومیت ہے تمہارے چہرے پر..... جیسے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہو.....
 لیکن خدا را پیدائش کا اعلان نہ شروع کر دینا.....!“ عمران دانت پر دانت جما کر بولا۔
 فیاض کچھ نہ بولا۔

اور پھر آدھے گھنٹے بعد کبھی اپنے سینے پر نظر ڈالتا تھا اور کبھی عمران کی شکل نکلے لگتا تھا۔
 ”یہ..... یہ..... کک..... کمال ہے.....!“ بس اتنا ہی زبان سے نکل سکا۔
 ”لیکن میرے لئے بڑا خجال ہے سو پر فیاض.....!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا، پھر چند لمحوں کچھ سوچتے رہنے کے بعد کہا تھا۔ ”بس اب تم چپ چاپ سردار گڈھ سے کھسک جاؤ..... فتح محمد خان محکمہ خارجہ کا در دوسر بن گیا ہے.....!“
 ”کیا مطلب.....!“

”محکمہ خارجہ کی تحویل میں ہے! تمہارے محکمے کی دخل اندازی قطعی پسند نہیں کی جائے گی۔!“
 ”لیکن میں کیوں یہاں سے چلا جاؤں.....؟“
 ”اچھی بات ہے اگر اب کوئی اور درگت بنی تو میں کسی قسم کی بھی مدد نہ کر سکوں گا۔!“
 ”میں یہاں چھٹیاں گزارنے آیا تھا۔!“
 ”اب کہیں اور جا کر گزار لو.....!“
 ”تم سیر لیں ہو.....!“

”یار فیاض! بات مت بڑھاؤ۔ جو کہہ رہا ہوں کرو..... آج ہی چلے جاؤ تو بہتر ہے.....!“

کر لی تھی۔ وہیں چکر لگایا کرتا تھا اگر کوئی دور سے دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ شاید اُس کے سر پر ”سینچر“
 سوار ہو گیا ہے..... ہر چند کہ یہ ایک سنسان جگہ تھی۔ لیکن فیاض اسی خیال سے ادھر ادھر دیکھے
 بغیر اپنے شغل کو جاری رکھتا تھا کہ کہیں کسی شریف آدمی سے آنکھیں چار نہ ہو جائیں۔ اس وقت
 بھی یہی کیفیت تھی۔ اچانک کسی طرف سے ایک مترنم سی نسوانی آواز آئی۔
 ”بس کرو..... بس کرو میرے لال..... کہیں ہاتھ منہ نہ توڑ بیٹھنا.....!“

فیاض جھٹکے کے ساتھ رُک گیا اور خجالت آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا.....
 بایاں گال بُری طرح پھڑکے جا رہا تھا..... وہ ہانپتا اور اطراف میں نظریں دوڑاتا رہا۔ لیکن کوئی بھی
 نہ دکھائی دیا۔ ساعت کا واہمہ سمجھ کر شانوں کو جنبش دی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایسا قہقہہ
 سنائی دیا جس سے اُس کی ہڈیاں ہمیشہ سے سلگتی آئی تھیں۔
 اور پھر قہقہہ لگانے والا سامنے آگیا۔

”میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا.....!“ فیاض دانت پیس کر اُس کی طرف جھپٹا۔ لیکن وہ ایک
 طرف ہٹ کر بولا ”صبر..... صبر..... کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ویسے یہ بہت
 بُری بات ہے کہ تمہیں مامتا کے بول بھی کڑوے لگتے ہیں۔!“
 ”تمہیں شرم نہیں آتی.....!“ فیاض ہانپتا ہوا بولا۔

”شرم تو آتی ہے لیکن میں نے اُسے منہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ کہ منہ لگی ڈومنی گائے تال بے تال!“
 ”نہیں.....! میں اس معاملے میں بہت سینٹی مینٹل ہو رہا ہوں۔ آئندہ خیال رکھنا اتنے
 پرانے تعلقات کی بھی پرواہ نہ ہوگی مجھے.....!“

”اب کسی آئندہ“ کا امکان نہیں کہ مجھے تمہارے درد کی دوا مل گئی ہے۔ ہٹ میں چلو۔!“
 ”جو کچھ کہنا ہے یہیں کہہ دو.....!“

”کہنا نہیں..... کرنا ہے..... لیکن اگر یہیں کرنا شروع کر دیا تو دور سے دیکھنے والے نہ جانے
 کیا سمجھ بیٹھیں۔!“ وہ اُسے چکارتا ہوا ہٹ میں لایا تھا..... اور پھر بولا تھا ”اب مجھ سے بھی وہی
 کرا لوجو تھریا سے کر لیا تھا۔!“

”کیا بکواس کر رہے ہو.....!“ فیاض پیر پیر کر دھاڑا۔

”قمیض اتار دو..... شابش..... اور بستر پر چپ لیٹ جاؤ.....!“

”جیسی تمہاری مرضی.....!“ فیاض نے کاندھے ڈال دیئے۔



سنگ اور اُس کا لیفٹیننٹ راجن.... سیامیز بار میں داخل ہوئے دونوں میک اپ میں تھے۔ سنگ ایک کمر خیمہ بوڑھے کے روپ میں اپنے جواں سال لیفٹیننٹ کے ساتھ گویا گھنٹا ہوا چل رہا تھا۔ دونوں نے ایک گوشے کی خالی میز پر قبضہ کیا۔ اور پھر راجن اٹھ کر کاؤنٹر پر آیا اور اسکاچ کی پوری بوتل اور سوڈے کے سائین کا آرڈر ملیں کیا۔

اس وقت رابی کو ان ہی کاؤنٹر پر تھا اُس نے بڑے ادب سے کہا ”ہم اسکاچ نہیں فراہم کر سکیں گے جناب....! پورے سردار گڈھ میں کہیں بھی نہیں ہے۔!“

”پانچ کریٹوں کا سودا کرو گے....!“ راجن نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا.... رابی نے اُسے غور سے دیکھا تھا اور سر ہلا کر بولا تھا ”نہیں جناب! یہاں غیر قانونی سودے نہیں ہوتے!“

”میں راماکالے کا آدمی ہوں.... تمہارے پاس نے کل ہی ہم سے جم بیم بوربن کے تین کریٹ خریدے ہیں۔!“

”پاس جانے مسٹر....!“ میں کوئٹر سے آگے کی بات نہیں جانتا۔“

”سائمن صاحب سے ملاؤ مجھے....!“

”پاس موجود نہیں ہے....!“

”کالنے کو پیسوں کی ضرورت ہے....! بتاؤ سائمن صاحب کہاں ملیں گے....!“

”میں نہیں جانتا....!“ رابی کو ان نے مضطربانہ انداز میں کہا! شاید اُس نے کسی خطرے کی بو سونگھ لی تھی اور بائیں جانب والے دروازے کی طرف بار بار کنکھیوں سے دیکھنے لگتا تھا۔

”میرا کیا ہے....!“ راجن نے شانوں کو جنبش دی ”گاہک بہت ہیں....! کالنے نے کہا تھا پہلے سیامیز میں پوچھ لینا....!“

”میں کچھ نہیں جانتا....!“ رابی نے سر جھٹک کر کہا اور دوسرے گاہکوں کی طرف متوجہ ہو گیا.... راجن میز کی طرف پلٹ آیا.... اور آہستہ آہستہ سنگ کو اپنی اور رابی کی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔

”وہ اوپر اپنے آفس میں موجود ہے....!“ سنگ نے کہا ”میں صرف رابی کا رد عمل دیکھنا چاہتا

تھا۔ وہ کنکھیوں سے زینوں والے دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ بس اب آؤ چلیں.... اوپر پہنچنا مشکل نہ ہو گا۔!“

وہ دونوں باہر نکلے تھے۔ راجن سنگ سے کئی قدم آگے تھا۔ دفعتاً کوئی سخت سی چیز سنگ کے بائیں پہلو سے جھپی اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔ لیکن اس موقع پر بھی اُس کی کمر سیدھی نہ ہوئی۔ اسی طرح جھکا کھڑا رہا۔ کنکھیوں سے بائیں جانب کھڑے ہوئے آدمی کو دیکھا جس کے اوپری دانت نچلے ہونٹ پر چھائے ہوئے تھے۔!

”یہ ریوالور کی نال ہے.... جو میرے کوٹ کی جیب میں تشریف فرما ہے....!“ اُس آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ”ذرا دیر کے لئے اپنے ساتھی کو نال دو....!“

”جیسا حکم بھیجے....!“ سنگ زہریلے لہجے میں بولا۔ پھر اونچی آواز میں راجن سے کہا تھا کہ وہ فی الحال ٹھکانے پر واپس جائے۔ اس نے ارادہ بدل دیا ہے۔ راجن نے مڑ کر حیرت سے اُسے دیکھا تھا۔!

”جاؤ....!“ سنگ ہاتھ ہلا کر بولا اور راجن تیزی سے آگے بڑھ گیا۔!

”چلو اب کہاں چلے ہو....!“ سنگ بولا۔ ”لیکن اس بار میں نہیں بیٹھوں گا۔!“

”مجھے علم ہے کہ کیوں نہیں بیٹھو گے۔ سامنے والا کیفے کیسا رہے گا۔!“

”اس علاقے میں نہیں....!“

”میرے پاس وقت کم ہے.... اور اس وقت میں تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی نہیں ڈال سکتا....!“

”آخر کیوں بھیجتے....! جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جہاں تمہارے ریوالور کی نال ہٹی ملنے اپنے ہاتھ دکھائے....!“

”میں ایک دشواری میں پڑ گیا ہوں۔ اس لئے تمہاری گرفتاری سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“

”اگر یہ بات ہے تو ہٹالور ریوالور کی نال.... میں بھی ایسا بودا نہیں ہوں کہ اپنے الفاظ سے پھر جاؤں گا....!“

”اور تم مجھے بھی اچھی طرح جانتے ہو۔!“ اُس نے کہا اور سنگ کے پہلو پر پڑنے والا دباؤ ختم ہو گیا۔ اب دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔!

قریباً دو فرلانگ چلنے کے بعد سنگ نے ایک قبوہ خانے کی طرف اشارہ کر کے کہا ”یہ جگہ

”وہ جو گول ہے....!“

”وہی.... وہی.... اُس کا مالک پروفیسر ضخیم اشرف.... وہ بھی تنظیم میں میرے ہی ریک کا آدمی ہے....!“

”لیکن وہ تو شاید ماہر نفسیات ہے۔ میں نے اُس کا نام کہیں سنا تھا۔!“

”اول درجے کا فراڈ ہے.... اُس کا موضوع کیمسٹری ہے نفسیات نہیں۔!“

”اچھا تو پھر....!“

”پھر کیا بتاؤں....! میں نے تو آج تک اُس عمارت میں قدم بھی نہیں رکھا.... سب اپنی اپنی فیلڈ سے سروکار رکھتے ہیں۔!“

”آخر تمہارے ذمے کیا کام تھا....!“

”محض نگرانی اور پروفیسر کے کام میں آسانیاں پیدا کرنا۔ اس کی بیوی تو انا آدمیوں کو پھانسی ہے اور اُن کے بلڈ گروپ کا پتہ لگاتی ہے۔ ایک مخصوص گروپ کے حامل ہی اس تجربے سے گذر سکتے ہیں۔!“

”لیکن فتح محمد خاں تو جنگل میں غائب ہوا تھا۔!“

”اُس دوران میں راہ بھٹکے ہوئے شکاری بھی پکڑے جا رہے تھے۔ فتح محمد خان کے ساتھ کئی پکڑے گئے تھے۔ لیکن کار آمد بلڈ گروپ والا وہی ثابت ہوا تھا۔!“

”بی گروپ.... ایچ آر فیکٹر گئیٹو....!“

”متیو ہاشی نے بتایا ہو گا....!“ سنگ نے خشک لہجے میں کہا ”خالص کتیا ثابت ہوئی۔!“

”کیا خیال ہے.... تھریسیا فانوس ہی میں ہو گی۔!“

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا.... ویسے میرا خیال ہے کہ وہ اپنی دانست میں کسی ایسی جگہ ہرگز نہیں پائی جائے گی جس کی طرف میرا دھیان جاسکے۔!“

”تو اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم پروفیسر اشرف ہے....!“

”ہاں وہی ہے۔ لیکن میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ اُس کی مرضی کے بغیر اُس عمارت کے

کسی حصے کو ہاتھ بھی نہ لگانا....! ورنہ برقی موت نصیب ہو گی....!“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اُس کی لاعلمی میں وہاں کسی کا داخلہ ناممکن ہے۔!“

”بڑی مناسب رہے گی۔!“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!“

دونوں قبوہ خانے میں داخل ہوئے اور سنگ ایک خالی گوشے کی طرف بڑھتا چلا گیا.... بیڑہ جانے کے بعد سنگ بولا۔ ”بڑی خبیث شکل بنا رکھی ہے تم نے لیکن آنکھوں سے پہچانے جاتے ہو۔“

”اور مجھے دیکھو کہ میں نے کمان میں تیر تلاش کر لیا۔!“

”تمہاری صلاحیتوں کا میں ایک عرصہ سے معترف ہوں۔ اب اصل بکواس شروع کرو....!“ سنگ نے کھر کھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

”خالا سے کیوں اُن بن ہو گئی ہے۔!“

”کیا مطلب....!“

”جیسے تم چچا.... ویسے وہ خالا....!“

”خیلہ کہو.... اُسے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“

”بڑی عجیب بات ہے....!“

”پہل اُس نے کی ہے....!“

”تم دونوں جہنم میں جاؤ.... مجھے تو اُس دھاری دار آدمی سے غرض ہے جو اب بھی زندہ ہے اور میری ہی تحویل میں ہے۔ تم نے تو کیو کو مار ڈالا.... سام ٹرینی کا خاتمہ کیا.... اور اب سامین کے چکر میں ہو.... مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں....!“

”اوہ.... تو وہ زندہ ہے....! ہو گا.... اب مجھے اُس سے کوئی سروکار نہیں لیکن تم مجھ سے کیا چاہتے ہو....!“

”اس کے علاوہ اور کیا چاہوں گا کہ فتح محمد خاں اپنی اصلی حالت پر آجائے۔!“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کیسے اصلی حالت پر آئے گا۔!“

”پھر کون جانتا ہے....!“

”جس نے اُس کی ہیئت تبدیلی کی ہے....!“

”اسی کی نشان دہی کرو.... میں نپٹ لوں گا....!“

”یہاں ایک مشہور عمارت ہے فانوس....!“

”ہاں میں یہی کہہ رہا ہوں.....!“

”تم بھی نہیں داخل ہو سکتے!“

”اگر یہ دشواری نہ ہوتی تو کبھی کا تھریسیا کی تلاش میں وہاں جا چکا ہوتا۔!“

”جب تو پھر وہ وہیں ہوگی..... ایسے محفوظ قلعے کو کون نظر انداز کرے گا۔!“

”شائد تم ٹھیک کہہ رہے ہو..... وہ وہیں ہوگی.....!“ سنگ نے آہستہ سے کہا۔

”اگر ہم دونوں مل کر کوشش کریں..... تو.....!“

”کوئی کوشش بھی کارگر نہیں ہو سکتی۔ فانوس کا اصل برقی نظام پروفیسر کا ذاتی ہے.....!

اُس کا شہر کے بجلی گھر سے کوئی تعلق نہیں۔ محض دکھاوے کے لئے باضابطہ لائین بھی حاصل

کر رکھی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اُس لائین کو ناکارہ بنا دیا جائے تب بھی عمارت میں داخلہ

ممکن نہ ہو گا۔!“

”تب تو واقعی ناممکن ہی ہے.....!“

”لیکن اگر تم چاہو تو اُس کی بیوی کے توسط سے اُس پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔!“

سنگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ”تمہارا کام اسی طرح ہو سکتا ہے کہ پروفیسر تمہارے قبضے

میں آجائے.....!“

”میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ اب تم میری طرف سے قبوے کی ایک

پیالی پیو اور چلتے پھرتے نظر آؤ جب تک نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاؤ گے یہیں بیٹھا رہو گا۔!“

”اگر کسی نے تعاقب کیا تو مارا جائے گا.....!“ سنگ نے نتھنے پھلائے۔

”چچا چاہے جتنا حرامی ہو۔ بھتیجا واقعی فراخ دل ہے۔!“

”کوئی بہت ہی بڑا حرامی پن تمہارے اس رویے میں پوشیدہ ہے.....!“

”سوچنے کے لئے مواد بھی لے جا رہے ہو.....!“

”میں اس کے علاوہ آج کل اور کچھ نہیں سوچ رہا کہ تھریسیا میری گرفت میں آجائے۔!“

”اور پھر جہاں اُس نے مسکرا کر تمہاری طرف دیکھا نا چنا شروع کر دو گے دم کے بل.....!“

”دنیا کی واحد عورت ہوگی جس کا پیٹ چاک کر کے آنتیں باہر نکال دوں گا۔!“

”اور چا تو پیٹ ہی میں بھول آتا.....!“

”اے بس..... بکواس بند کر.....!“ سنگ نے کہا اور اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

اوپری دانت نچلے ہونٹوں کو ہولے ہولے سہلاتے رہے۔



دوسری صبح عمران نے سیامیز کے مالک سائمن بارڈ کے قتل کی خبر بھی اخبار میں پڑھ لی۔ یہ

ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔ عمران کے اندازے کے مطابق سنگ صرف تھریسیا کے مخصوص خدام

کو ٹھکانے لگا رہا تھا۔ بحیثیت لیفٹیننٹ جنرل عمران نے ہوی سائیڈ کے آفسروں سے رابطہ قائم

کر کے مقتول سائمن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ اُس کی شہریت کے کاغذات

جعلی ثابت ہوئے تھے۔ اسی طرح توکیو اور سام ٹریٹی بھی غیر قانونی طور پر ملک میں داخلے کے

مرتبہ پائے گئے تھے۔ جیفرسن قید میں تھا لیکن اُس نے اپنی زبان بند کر لی تھی۔ اور کاغذات بھی

نہیں پیش کر سکا تھا۔ ویسے بھی عمران نے اُسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ زیر لینڈ کا نام اگر اُس کی

زبان پر آیا تو پھر اُس کی گلو خلاصی ناممکن ہوگی..... سنگ ہی پر قابو پانے کے بعد وہ اُس کی رہائی کی

بھی کوئی تدبیر کرے گا..... یہ سب کچھ اُس نے اس موقع پر کیا تھا کہ شائد وہ تھریسیا کے سلسلے

میں اُس کی زبان کھولا سکے..... لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوئی تھی اور اُس معاملے کو جہاں

تہاں چھوڑ دیا تھا..... ہیڈ کوارٹر سے اُس نے انٹرنیشنل کارخ کیا تھا جہاں صفدر اور نیمو مقیم

تھے..... دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی اُس نے مصنوعی دانت کا چھپر نکال کر جیب میں

ڈال لیا تھا۔ نیمو نے دروازہ کھولا اور اُسے دیکھتے ہی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔!

”صفدر کہاں ہے.....؟“ عمران نے دروازہ بند کر کے پوچھا۔

”جتا نہیں.... صبح ہی سے غائب ہے..... بہت اچھا کیا کہ آپ خود ہی آگئے ورنہ صفدر نے مجھے

قطعی نہیں بتایا کہ تاراپور کانچ سے رجوع کرنے کے بعد آپ سے ملاقات کس طرح ہوتی ہے۔!“

”خیریت.....!“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا ”میری یاد کیوں ستار ہی تھی.....!“

”عالیہ آپ سے ملنا چاہتی ہے.....!“

”چھالیہ تو میں کھاتا ہی نہیں.....!“ عمران نے مایوسی سے کہا۔

”عالیہ..... عالیہ..... پروفیسر فخم اشرف کی بیوی.....!“

”اُوہ..... اچھا..... مگر کیوں.....؟ وہ مجھے کیا جانے.....!“

”بیچ جاؤں گا.....!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔ اور عمران نے ریسیور ہک سے لٹکا دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔! سنگ اُس کے اس میک اپ سے بھی واقف ہو چکا تھا۔ اس لئے اُسے خدشہ تھا کہ کہیں اُس کا کوئی آدمی اُس کی نگرانی نہ کر رہا ہو۔ بہر حال شبہ رفع کرنے کے لئے اُس نے ایسی تدابیر اختیار کی تھیں جن سے تعاقب کا علم ہو جاتا۔ بہر حال اس وقت تو اس کا اندیشہ غلط ہی ثابت ہوا تھا۔ کوئی بھی ایسا نظر نہ آیا جس پر تعاقب کرنے والے کا شبہ کر سکتا۔ ٹھیک تین بجے گلبار کے فیملی کیمین نمبر سات میں داخل ہوا اور اس وقت ریڈی میڈ میک اپ میں بھی نہیں تھا۔ چہرے پر حماقتوں کے ڈوگرے برس رہے تھے۔ عالیہ کیمین میں موجود تھی۔ اُسے دیکھ کر اٹھ گئی اور خاموش کھڑی بنور دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی ”کیسے یقین کر لوں کہ تم بے حد خطرناک آدمی ہو.....!“

”سک..... کون کہتا ہے.....؟“ عمران بوکھلا کر بولا۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ وہ ہاتھ ہلا کر بولی..... اور عمران اس طرح بیٹھ گیا جیسے خدشہ ہو کہ ذرا سا بھی ڈھیلا پڑا تو کرسی نیچے سے نکل جائے گی۔

”یقین نہیں آتا کہ وہ..... تم سے خائف ہوگی..... تم سے.....!“

”سک..... کون.....!“ وہ ہونٹوں کی طرح اپنا سر ٹٹوتا ہوا بولا۔

”ٹی..... تھری..... بی.....!“

”ارے وہ.....!“ عمران سر جھٹک کر بولا ”آئی تھریسیا!“

”بس یقین آگیا..... جو نظر آتے ہو حقیقتاً وہ نہیں ہو.....!“

”جیو نگم.....!“ عمران چیونگم کا پیکٹ اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ جو شکریے کے ساتھ قبول کر لیا گیا تھا۔ اور وہ اب بھی اُسے بڑی توجہ اور دل چسپی سے دیکھے جا رہی تھی۔ آخر بولی ”عجیب اتفاق ہے۔ تمہی سے مڈ بھیڑ ہو گئی تھی۔!“

”میری اور اُس کی روحانی اٹھاپنک رہتی ہے.....!“

”جانتے ہو..... وہ تم سے کیوں مصالحت پر آمادہ ہو گئی ہے۔!“

”مصالحت.....!“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”وہ اور مجھ سے مصالحت.....!“

”یہ میں نہیں جانتا..... اُس نے کہا تھا عمران سے کہنا پہلے مجھ سے مل لیں۔ میں نے پوچھا تھا کس سے پہلے لیکن اُس نے جواب دینے کی بجائے کہا کہ مجھے اس سے سروکار نہ ہونا چاہیے..... بس اُس کا پیغام انہی الفاظ میں آپ تک پہنچا دیا جائے..... سو میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوا۔!“

”نہیں بتایا کہ ملنے کی کیا صورت ہوگی۔!“

”ایک فون نمبر دیا تھا جس پر کسی وقت بھی اُس سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔!“ عمران نے نمبر نوٹ کرتے ہوئے پوچھا! ”کیا صفر کو اس کا علم ہے.....!“

”ہرگز نہیں..... اس کے لئے اُس نے سختی سے منع کر دیا تھا۔!“

”ٹھیک ہے..... اُس سے تذکرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں.....! اور سناؤ اس دوران میں کتنی لڑکیاں پسند آئیں۔!“

”ڈیوٹی پر لڑکیاں پسند نہیں کرتا.....!“ نیو نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ ”ویسے ایک

گزارش ہے کہ عالیہ سے ہوشیار رہئے گا۔ غیر متوقع طور پر بے تکلف ہو جاتی ہے۔!“

”کیا تم شرمندگی اٹھا چکے ہو۔!“

”مجھے تو اُس کے صحیح الدماغ ہی ہونے میں شبہ ہے۔!“ نیو جھینپ کر بولا۔

”خیر..... خیر..... ہم ایک مہم سر کرنے نکلے ہیں..... اور پروفیسر کی بیوی اس مہم کا ایک اہم مرحلہ معلوم ہوتی ہے۔!“

نیو کچھ نہ بولا۔ عمران نے کہا ”صفر سے کہہ دینا کہ اُسے جس کام پر لگایا تھا اُسے ترک

کر کے فی الحال آرام کرے.....!“

اس کے بعد وہ کمرے سے نکلا چلا آیا تھا۔ راہ داری سنسان تھی۔ اُس نے پھر مصنوعی دانتوں کا خول چڑھا لیا۔ اور ہوٹل سے باہر نکل کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کا رخ کیا تھا۔ فون پر عالیہ کے دیئے ہوئے نمبر ڈائل کئے دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی تھی ”ڈاکٹر عالیہ اشرف۔!“

”پیاز کا آڑھتی.....!“

”اوہ..... تم ہو.....! ابھی اُس سے ملے تو نہیں۔!“

”تمہارا پیغام ملتے ہی ارادہ ملتوی کر دیا۔!“

”بہت اچھا کیا..... گل بار کے فیملی کیمین نمبر سات میں..... ٹھیک تین بجے.....!“

”بہتر ہے کہ تم اس پر یقین نہ کرو....!“

”بات ہی سمجھ میں نہیں آئی.... پھر یقین اور بے یقینی کا کیا سوال....؟“

”اُس کا ایک کارکن اُس سے برگشتہ ہو کر اُس کے خاص آدمیوں کو قتل کر رہا ہے اور خود اُس

کی تلاش میں بھی ہے....!“

”اچھا....!“ عمران نے حیرت سے کہا ”تو یہ جو ادھر اتنے قتل ہوئے ہیں۔!“

”اُسی کا ہاتھ ہے اُن میں.... بہر حال شاید وہ تم سے اسی لئے مصالحت پر آمادہ ہو گئی ہے کہ

تم فی الحال اُس کے پیچھے نہ پڑو....!“

”لیکن تم اُس سے کیوں برگشتہ ہو گئی ہو۔!“

”مجھے اُس سے شدید نفرت ہے کیونکہ وہ ہمیں پالتو کتوں کی طرح ٹریٹ کرتی ہے۔!“

”پروفیسر کا کیا رویہ ہے....!“

”اُن کا بس چلے تو اُس کے تلوے چاٹ کر دکھ دیں۔!“

”کیا وہ فانوس ہی میں ہے۔!“

”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی.... کیونکہ فانوس کے رازوں سے پوری طرح میں بھی

آگاہ نہیں ہوں۔ البتہ اُس کی آواز وہاں ضرور سنی جاتی ہے۔!“

”ہائیں.... تمہیں شوہر کے کسی راز کا علم نہیں....! کیسی بیوی ہو....!“

”بس ایسی ہی بیوی ہوں....! پروفیسر کی سیکریٹری تھی۔ کسی طرح مجھے علم ہو گیا کہ

پروفیسر غیر ملکیوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔ لہذا میں نے انہیں بلیک میل کرنا شروع کیا.... میں

خود کوئی بہت اچھی تھوڑا ہی ہوں.... پروفیسر کی بے پناہ دولت پر میری نظر تھی۔ بہر حال

پروفیسر کو بلیک میل کر کے اُن سے شادی کر لی اور مسلسل کوشش کرتی رہی کہ وہ تنظیم سے الگ

ہو جائیں لیکن اُس پر تو بھوت سوار ہے۔ وہ اسے بہت بڑی بات سمجھتے ہیں کہ سائنس کے میدان

میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ لوگوں سے اُن کا تعلق ہو گیا ہے۔! بہر حال مجبوری یہ ہے کہ میں

پروفیسر کو چھوڑ نہیں سکتی۔ اس لئے خود بھی الجھ گئی ہوں۔ اگر تم کسی طرح اُس عورت پر قابو پا جاؤ

تو.... تو کتنا اچھا ہو.... لیکن تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا پڑے گا کہ بعد میں تم مجھے اور پروفیسر کو

بھی قانون کے حوالے نہیں کر دو گے....!“

”تمہیں میرے بارے میں اتنی تفصیل سے کس نے بتایا ہے۔!“

”پروفیسر نے.... اور پروفیسر کی معلومات کا ذریعہ خود تھریا ہے....!“

”تو پھر اب تم ہی بتاؤ کہ میں اُس پر کس طرح قابو پا سکتا ہوں۔!“

”یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے.... میں کیا بتاؤں۔!“

”میں نے سنا ہے کہ پروفیسر کی مرضی کے بغیر کوئی فانوس میں داخل نہیں ہو سکتا۔!“

”تم نے ٹھیک سنا ہے....!“

”تب تو تھریا وہاں ہو گئی۔ برگشتہ ہو جانے والے کارکن کی وجہ سے وہ قیام کے لئے ایسی ہی

جگہ کو ترجیح دے گی جہاں وہ نہ پہنچ سکے۔!“

”میں بھی یہی سوچتی رہی ہوں....!“

”لیکن اُسے تلاش نہیں کر سکیں....!“

”نہیں.... میں صرف یہ جانتی ہوں کہ فرش کے نیچے تہہ خانے ہیں اور میں وہاں تک پہنچ

سکتی ہوں.... لیکن چھت پر نہیں پہنچ سکتی.... چھتوں پر کیا ہے میں نہیں جانتی۔ عمارت باہر

سے گلوب کی طرح گول ہے۔ اُس گولائی اور چھتوں کے درمیانی خلاء میں کیا ہے....! میں نے

پروفیسر سے پوچھا تھا لیکن اُس کا جواب ہے کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔!“

”اگر میں کسی طرح اُس عمارت میں داخل ہو سکوں....!“

”میں تم سے یہی کہنا چاہتی تھی.... پروفیسر کی لاعلمی میں تمہارا داخلہ ممکن ہے اگر میں

چاہوں.... چھپائے بھی رکھ سکتی ہوں۔!“

”ملازمین کتنے ہیں جو عمارت کے اندر رہتے ہیں....!“

”گیارہ....!“

”ٹھیک ہے.... تو پھر لاؤ.... ہاتھ پر ہاتھ مارو.... میں تیار ہوں....!“ عمران اُس کی

طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا تھا۔



سنگ کا نائب راجن اُسے حیرت سے دیکھے جا رہا تھا کیونکہ وہ معجزاتی طور پر بدل گیا تھا۔

راجن کو اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا اس لئے کہ وہ بدلے پتلے سنگ ہی سے ایک قوی ہیکل

پٹھان میں تبدیل ہو گیا تھا۔ لیکن آخر جسمانی طور پر بھی وہ اتنا خیم شیم کیسے نظر آنے لگا تھا۔

سنگ اُس کا حلیہ دیکھ کر ہنس پڑا اور بولا۔ ”محض چہرے کا گٹ آب کر لینے میں کیا رکھا ہے۔ سرکس کے مسخرے بھی کر لیتے ہیں۔ اس فن کی معراج تو دراصل یہی ہے جس میں تم مجھے دیکھ رہے ہو۔“

”میری سمجھ سے باہر ہے جناب....!“

سنگ نے قمیض اتار دی اور بولا۔ ”یہ وہی میٹرل ہے جس سے خلاء بازوں کا لباس تیار کیا جاتا ہے لیکن اُس لباس میں تناسب نہیں ہوتا۔ اس میں تناسب کا خیال رکھا گیا ہے۔ اگر اسے جسم پر منڈھ لینے کے بعد اوپر سے معمولی لباس پہن لیا جائے تو نیچے والا لباس جسامت بن جاتا ہے۔“

اُس نے پھر قمیض پہن لی تھی۔ لیکن راجن کی حیرت کم نہ ہوئی۔

”اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے جسم پر منڈھ لینے کے بعد میں الیکٹرک شاک سے بھی محفوظ رہ سکوں گا۔“ سنگ نے کہا ”فانوس میں پیش آنے والی اہم ترین پرابلم کا حل....!“

”لیکن آپ وہاں داخل کیسے ہوں گے۔“

”ہارڈی لے جائے گا.... میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ میرے قابو میں آگیا ہے....!“

”لیکن وہ تو سفید فام ہے.... تھریسیا کو سفید فاموں پر بڑا اعتماد ہے۔“

”بہترے لوگ اُس کی سخت گیری سے نالاں ہیں۔ ہارڈی بھی انہی میں سے ایک ہے۔ میری ہی طرح وہ بھی عورت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن تھریسیا اُس پر کڑی نظر رکھتی ہے۔ اور میں پچھلے دو دنوں سے اُسے عیش کر رہا ہوں۔“

”لیکن وہ آپ کو فانوس میں کیسے لے جائے گا۔“

”کچھ سامان ایک جگہ سے فانوس میں منتقل کرتا ہے۔ دوسرے بار برداروں کے ساتھ وہ مجھے بھی لے جائے گا.... اور پھر دوسروں کو رخصت کر کے مجھے وہیں کہیں چھپا دے گا۔“

”اچھی طرح سوچ لیجئے گا جناب کہیں دھوکا نہ ہو۔ یہ سفید فام سور لومڑی کی اولاد ہوتے ہیں۔“

”بے فکر رہو.... میں چہروں پر اندر کا حال پڑھ لینے.... کا ماہر ہوں.... وہ دھوکا نہیں

دے گا۔ یہ اور بات ہے کہ میں خود اپنی لائسنس کی بناء پر چوٹ کھا جاؤں۔“

”میں نہیں سمجھا....!“

”میں نے وہ عمارت اندر سے نہیں دیکھی....! اور ہارڈی بھی اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ویسے اُس نے مجھے چھپانے کے لئے ایک جگہ تلاش کر لی ہے....!“

”خطرناک کام ہے....! اندھی چال....!“

”دوسری بات! وہ مجھے اس میک اپ میں سنگ ہی کی حیثیت سے نہیں جانتا میں نے اُس سے کہا ہے کہ میرے ایک آدمی کو کسی طرح فانوس پہنچا دے.... میں تو اس کے لئے صمد خان ہوں.... ایک مزدور....!“

”یہ بہت اچھا کیا آپ نے....!“

”اور میری عدم موجودگی میں تم.... پانچ نمبر والوں کو تلاش کرتے رہنا.... اور جو بھی ہاتھ لگے اُسے ختم کر دینا....!“

”بہت بہتر جناب....! آپ نے دیکھ ہی لیا کہ میں نے سام ٹرینی کو کیسے مارا تھا۔“

”شائد.... یقین کرو کہ اس مہم کے بعد تم یہاں کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہو گے۔“

”ایک بار پھر عرض کروں گا کہ راجن کے لئے آپ کی ذات ہی کافی ہے....! میں بچپن ہی

سے عقل مندی اور طاقت کا پجاری رہا ہوں۔“

”اب ذرا ایک بوتل کھولو....!“

”پھر وہ دونوں پیٹے بیٹھ گئے تھے اور سنگ مختلف قسم کی عورتوں کے بارے میں اپنے تجربات بیان کرنے لگا تھا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد وہ باہر نکلا اور ایک طرف چل پڑا.... شائد دو ڈھائی میل پیدل چلنے کے بعد مشینری کے اسپیر پارٹس کے ایک گودام کے سامنے رُکا تھا۔ غالباً یہیں سے اُسے کچھ سامان فانوس میں پہنچانا تھا.... سامان ٹرک پر بار کیا جا رہا تھا۔

روانگی کے وقت سنگ بھی دو مزدوروں کے ساتھ ٹرک کے پچھلے حصے میں بیٹھ گیا.... اُس سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

فانوس کی کمپانڈ میں ہارڈی ٹرک کی آمد کا منتظر تھا۔ ٹرک سے سامان اُترنے لگا.... ہارڈی کی نظر خصوصیت سے سنگ پر تھی اور وہ بہت زیادہ زور دیکھائی دے رہا تھا۔ سنگ اُس کے

”اسی طرح ڈاکٹر اشرف نے بھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ اُن سے کیوں ملنا چاہتا ہے!“

”خدا جانے وہ اُن سے ملی بھی یا نہیں! فون نمبر تو میں نے دے دیا تھا!“

”اس چکر میں نہ پڑو.... وہ اپنے بارے میں کبھی کسی کو کچھ نہیں بتاتے اور جب ان کا دل چاہتا ہے پہلے سے طے شدہ پلان کو بھی سرے سے رد کر کے کچھ اور کر گزرتے ہیں۔ اب یہی دیکھ لو.... پہلے یہ اسکیم تھی کہ تم اُن کے میک اُب میں ضخیم اشرف سے ملو گے۔ لیکن پھر اچانک چچا بھتیجے والی اسکیم بن گئی!“

”مقصد ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا!“

”مقصد کا علم صرف ایکس نو کو ہوتا ہے یا پھر بعض حالات کے تحت وہ عمران صاحب کو بھی آگاہ کر دیتا ہے۔ لیکن بات عمران صاحب سے آگے نہیں بڑھتی!“

نیو کچھ نہ بولا۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی تھی۔ صفدر نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے پروفیسر ضخیم اشرف کی آواز آئی تھی ”ملاقات ہوئی....؟“

”نہیں پروفیسر!“ صفدر بولا۔

”مجھے یقین نہیں ہے کہ تم نے پہلا پیغام اُس تک پہنچایا دیا ہو!“

”بھلا میں جھوٹ کیوں بولنے لگا!“

”تمہاری اپنی کوئی مصلحت ہو گی!“

”میں اُن کی ماتحتی میں کام کرتا ہوں۔ پروفیسر....! اُن کے سلسلے میں میری اپنی کوئی مصلحت نہیں ہو سکتی!“

”خیر....! فی الحال ایک بہت ہی اہم مسئلہ درپیش ہے....! فون پر اُس سے متعلق گفتگو نہیں کی جاسکتی۔! اس لئے تم دونوں یہیں آ جاؤ۔!“

”اچھی بات ہے.... میں منٹ کے اندر ہی پہنچ جائیں گے۔!“ صفدر نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

”کہاں پہنچ جائیں گے....؟“ نیو نے پوچھا۔

”فانوس....! پروفیسر نے ہم دونوں کو بلایا ہے۔ کسی اہم مسئلے پر بالمشافہ گفتگو کرے گا۔!“

”سوچ لو.... کہیں چوٹ نہ ہو جائے۔!“

قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا! ”یہ کیا کر رہے ہو.... خود کو سنبھالو.... ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔!“

”وہ.... وہ.... خود کیوں نہیں آیا....!“ ہارڈی ہکلا یا۔

”وہ خود نہیں آ سکتا....! اپنی جسامت کو نہیں چھپا سکتا۔ خواہ کچھ کر ڈالے ہر حال میں پہچان لیا جائے گا۔!“

”تنت.... تم کیا کر دگے....!“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو.... کسی طرح اندر پہنچا کر چھپنے کی جگہ دکھا دو....!“

”اچھا.... اچھا....!“

دوسرے مزدور سامان اٹھا کر اندر جا رہے تھے۔ سنگ نے بھی کچھ اٹھایا۔ اور اُن کے پیچھے چلتا ہوا عمارت میں داخل ہوا.... جہاں سامان رکھنا تھا۔ وہاں ہارڈی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور سنگ نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ عمارت کے کسی بھی فرد کی توجہ اُن کی طرف نہیں ہے۔ یہ کمرہ غالباً گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ پہلے ہی سے خاصا کٹھ کباڑ یہاں موجود تھا۔

آخری پھیرے کے بعد جب مزدور باہر نکل رہے تھے۔ سنگ ایک طرف رکھے ہوئے کریئوں کی اوٹ میں ہو گیا.... ہارڈی دوسرے مزدوروں کو رخصت کر کے پھر گودام میں داخل ہوا اور متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سنگ کریئوں کے پیچھے سے نکلا تھا۔ ہارڈی نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا۔!



تین دن سے عمران کا کہیں پتا نہ تھا۔ تاراپور کا بیچ والے بھی اُس کی نشان دہی نہیں کر سکتے تھے۔ صفدر کو اُس سے مل بیٹھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ ضخیم اشرف نے فون پر تھریسا سے ہونے والی گفتگو کی یاد دہانی کراتے ہوئے اطلاع دی تھی کہ عمران نے ابھی تک اُس سے رابطہ قائم نہیں کیا۔

صفدر اور نیو انٹرنیشنل والے کمرے میں بیٹھے یہی سوچ رہے تھے کہ عمران کو کہاں تلاش کیا جائے۔

”آخر ضخیم اشرف عمران صاحب سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔!“ نیو نے کہا۔

”اُس کی بیوی کیوں ملنا چاہتی تھی۔!“

”اُس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا۔!“

”فکر نہ کرو.... سب ٹھیک ہے۔! میں اپنی ذمہ داری پر تمہیں لے جاؤں گا۔!“

”اور دونوں کی موت کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔!“

”عمران صاحب پر....!“ صفدر جھنجھلا کر بولا۔

نیو طوعاً و کرہاٹھا تھا اور اُس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُن کی ٹیکسی فائوس کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

پروفیسر تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ شاید اُس نے پہلے ہی اُن سے متعلق ملازمین کو ہدایات دے دی تھیں۔

”بیٹھ جاؤ....!“ پروفیسر نے سامنے والی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”دونوں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی....!“ صفدر نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ ”جبکہ بات

صرف تین افراد کے درمیان تھی۔ آپ نے بھی سنا تھا۔!“

نیو نے حیرت سے صفدر کی طرف دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔!

”اب مجھے جو حکم ملا ہے اُس کے مطابق یہی ہونا تھا۔!“

”لیکن ایک بات پھر واضح کر دوں کہ اگر عمران صاحب نے آپ سے رابطہ قائم نہیں کیا تو

اس میں میرا کیا قصور....!“

”تمہیں کون قصور وار ٹھہرا رہا ہے۔! مادام تم سے مزید گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔!“

”کیا بہ نفس نفیس موجود ہیں۔!“

”میں نہیں جانتا....! جس طرح اُس دن گفتگو ہوئی تھی۔ آج بھی ہو جائے گی۔!“

”تو یہ بھی ساتھ جائیں گے....!“ صفدر نے نیو کی طرف مڑ کر پوچھا۔

جواب اثبات میں ملا تھا۔ صفدر نے کہا۔ ”اور اگر میں اس سے انکار کر دوں تو۔!“

”کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہو گا وہی جو مادام چاہیں گی۔!“

”یہ کیا بکواس ہے....؟“ نیو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔! پھر دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ سن

سا ہو کر رہ گیا۔! ایک سفید فام آدمی اسٹین گن لئے کھڑا نظر آیا۔ نال انہی کی طرف اٹھی ہوئی

تھی۔ نیو پھر بیٹھ گیا اور قہر آلود نظروں سے پروفیسر کو گھورنے لگا۔!

”براماننے کی ضرورت نہیں۔!“ پروفیسر نے نرم لہجے میں کہا۔ ”اُس قوت کے آگے میں

بھی اتنا ہی بے بس ہوں جتنے تم ہو۔!“

”یہ کس قوت کی بات ہو رہی ہے۔!“ نیو نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں صفدر سے پوچھا۔!

”ابھی دیکھ ہی لو گے....!“ صفدر بیزار سی بولا! وہ سوچ رہا تھا کہ اس بار سچ بچھس ہی

گئے۔ نیو کے مشورے پر عمل کرنا چاہئے تھا۔

ویسے اُن لوگوں کے پچھلے رویے کی بناء پر سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اتنی سی بات پر اسٹین گن

نکل آئے گی! اُس نے بغور اُس سفید فام آدمی کا جائزہ لیا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی۔ خاصا

چوکنا لگ رہا تھا۔ کچھ کر گزرنے کا بھی امکان نظر نہ آیا۔

”اور اب تم دونوں اُس دیوار پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاؤ....!“ پروفیسر نے کہا ”جامہ

تلاشی لی جائیگی....!“

”ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے....!“ صفدر بیزار سی بولا۔

”قلم تراش چاقو بھی وہاں نہ لے جا سکو گے۔ چلو جلدی کرو....!“

پھر سفید فام آدمی انہیں کور کئے کھڑا رہا تھا اور پروفیسر نے جامہ تلاشی لی تھی۔ صفدر کے

بیان کے مطابق وہ سچ سچ ”خالی ہاتھ“ تھے....!

”ٹھیک ہے....!“ پروفیسر طویل سانس لے کر بولا۔ ”اب اُس دروازے سے گذر چلو۔!“

صفدر نے ایک بار پھر خود کو وہیں پایا جہاں سے اُس تہہ خانے میں داخل ہوا تھا۔! سفید فام

اسٹین گن سنبھالے اُن کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ نیو نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھا اور تھوک

نگل کر رہ گیا۔!

زندگی میں پہلی بار اس قسم کے حالات سے گذر رہا تھا۔

تہہ خانے میں پہنچ کر وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔ اسلحہ بردار سفید فام آدمی

اوپر ہی رہ گیا تھا۔ ساتھ نہیں آیا تھا۔!

پروفیسر نے تیزی سے شیشے کے ایک کسین میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ اور وہیں

سے بولا۔ ”یہ مت سمجھنا کہ یہاں تم بے بس نہیں ہو۔!“

اُس کی آواز مائیکروفون سے آئی تھی۔ وہ کہتا رہا ”اگر یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو بے بسی کی

موت مرد گے۔ لہذا جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔!“

”مجھے کون روک سکے گا! میں نے چاہا تھا کہ تمہارے ساتھی کو نظر انداز کر دوں لیکن عمران کے رویے نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔“

”لاحاصل.....!“ صفدر سر ہلا کر بولا ”تمہاری دھمکی عمران صاحب تک نہیں پہنچ سکے گی! میرے علاوہ اور کوئی اُن تک یہ بات نہیں پہنچا سکتا!“

”وہ کہاں ہے.....؟“

”میں نہیں جانتا..... لیکن کسی نہ کسی طرح تلاش کر لوں گا!“

”اب میں خود ہی تلاش کر لوں گی۔ تم آرام کرو.....!“ تھریسیا نے کہا پھر خاموشی چھا گئی! تھوڑی دیر بعد شیشے کے کیبن سے پروفیسر کی آواز آئی۔ ”اب میری سنو! تم دونوں چپ چاپ سامنے والی کرسیوں پر بیٹھ جاؤ۔!“

”کیوں دماغ خراب ہوا ہے۔ ایک پٹنی میں دم نکل جائے گا!“ نیو اے گھونسنہ دکھا کر بولا۔

”اُس سے مت الجھو۔!“ صفدر آہستہ سے بولا۔ ”جو کہہ رہا ہے فی الحال وہی کرو۔!“

”یعنی گردن کنوا دوں خواہ خواہ..... پتا نہیں کیسا چکر ہے..... وہ عورت کون تھی اور کس تجربے کی بات کر رہی تھی۔!“

”پہلے بیٹھ جاؤ..... پھر بتاؤں گا۔!“

نیو طوعا و کرہا کرسیوں کی طرف بڑھا۔ دونوں قریب قریب بیٹھ گئے لیکن پھر نیو کے حلق سے بے ہنگم سی آواز نکلی تھی۔! دونوں کو کرسیوں نے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ بل بھی نہیں سکتے تھے۔ پتا نہیں کرسیوں کے کن اطراف سے دائرے کی شکل کی سلاخیں نکلی تھیں اور ان کے گرد حلقہ کر لیا تھا۔

”بالکل ہی پھنسوا دیا نا آخر.....!“ نیو بھنا کر بولا۔

”اُس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ جتنی دیر بھی زندہ رہ سکو غنیمت ہے۔!“

”بڑے میاں.....! میں تمہیں تو پیس ہی ڈالوں گا۔ عہد کرتا ہوں۔!“ نیو پروفیسر کی طرف دیکھ کر غرایا۔ لیکن وہ اُس کی طرف توجہ دیے بغیر کیبن سے نکلا اور لفٹ کے ذریعے اوپر چلا گیا۔

”یار میں تمہیں اتنا بدھو نہیں سمجھتا تھا۔!“ نیو نے صفدر کی طرف سر گھما کر کہا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ سختی سے ہونٹ بھیجنے لگے تھے!

نیو نے منھیاں بھیچیں تھیں اور صفدر آہستہ سے بولا تھا۔ ”وہ ٹھیک کہہ رہا ہے تن بہ تقدیر چپ چاپ کھڑے رہو۔ اب تو آہی پھنسے ہیں۔ ویسے یہ سمجھ لو جب تک عمران صاحب ان کے ہاتھ نہیں لگتے یہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ دماغ کو ٹھنڈا رکھو ہو سکتا ہے اب ہماری حیثیت پر غمالیوں جیسی ہو۔!“

”تمہارا خیال درست ہے صفدر.....!“ دفعتاً تھریسیا کی آواز تہہ خانے میں گونجی۔ ”تمہاری سرگوشی بھی مجھ تک پہنچ رہی ہے۔ کیا تم نے میرا پیغام اُس تک پہنچا دیا تھا.....؟“

”اور وہ پیکٹ بھی حوالے کر دیا تھا!“ صفدر بولا..... نیو کچھ اور بھی زیادہ حیرت زدہ نظر آنے لگا تھا۔ لیکن خاموش ہی رہا۔

”اس بار اُسکی چالاکی کسی کام نہیں آسکے گی۔ میں نے بڑے خلوص سے دوستی کا ہاتھ بڑھ لیا تھا!“

”سوال تو یہ ہے کہ اگر وہ تم سے نہیں ملے تو اس میں ہمارا کیا تصور ہے۔!“

”کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔! اب تو تم بطور یہ غمال یہاں رہو گے۔ اگر اس عمارت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو یہ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ اڑ جائے گی۔!“

”لیکن عمران صاحب کو اس کی خبر کس طرح ہوگی.....! کیونکہ رابطے کا ذریعہ یعنی میں تو یہ غمال بنا لیا گیا ہوں۔“

”اب اس سے کسی اور طرح رابطہ قائم کیا جائے گا اور جب تک وہ مجھ سے مل نہیں لیتا، تم دونوں خود کو قیدی تصور کرو۔“

”چلو ٹھیک ہے۔!“ صفدر طویل سانس لے کر بولا۔ ”وہ بھی سچ بچ اتنے احمق نہیں ہیں کہ اس عمارت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔!“

”میں مطمئن نہیں ہوں۔! وہ نیم دیوانہ ہے۔!“

کوئی کچھ نہ بولا۔ نیو کی حالت عجیب تھی۔ اُس کی تو سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔!

”دوسری بات۔!“ تھریسیا کی آواز پھر تہہ خانے میں گونجی۔ ”تمہارا یہ ساتھی اپنے بلند گروپ کی وجہ سے میرے تجربے کے لئے موزوں ہے۔!“

”تم ایسا نہیں کر سکتیں۔!“ صفدر بے ساختہ بولا۔

ہوئے تھے اور منہ پر نیپ چپکا ہوا تھا۔ اُس کے قریب ہی صفدر اور نیو آنکھیں بند کئے پڑے تھے۔
شائد اُن پر بیہوشی طاری تھی۔!

”یہ.... یہ کیا ہے....!“ پروفیسر کی زبان سے بدقت نکل سکا۔!
”جناب کی بیگم صاحبہ ان قیدیوں کو چپکے سے باہر نکالے دے رہی تھیں.... میں نے سوچا کہ یہ تو بہت بُری بات ہے۔!“ پٹھان بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”کیوں عالیہ....؟“ پروفیسر بوکھلا کر بولا۔ لیکن عالیہ صرف پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔
”وہ جواب نہیں دے سکتی.... لیکن تم میری سنو....!“ پٹھان چاقو کو جنبش دے کر بولا
”نیچے تو تہہ خانے ہیں۔ لیکن ان چھتوں کے اوپر کیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ چھتوں سے اوپری گولائی کے مرکز کا فاصلہ کم از کم تیس فٹ ضرور ہوگا۔! اس تیس فٹ کے خلاء میں کیا ہے....؟“
پروفیسر تھوک نگل کر رہ گیا۔ اور پٹھان نے چاقو کی نوک اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اوپر جانے کا راستہ بتاؤ۔!“

”اوپر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔!“
چاقو کی نوک دو سوت کے قریب گردن میں اتر گئی۔ اور پروفیسر بلبللا کر بولا تھا ”بتاتا ہوں....!“ چاقو کی نوک گردن سے ہٹ گئی۔ لیکن پروفیسر لڑکھڑا کر گر پڑا تھا۔
”اٹھو....!“ وہ پیرنچ کر بولا۔

”تم نے میرے جسم سے خون نکال کر اچھا نہیں کیا۔ یہ کمزوری ہے مجھ میں۔!“
”اُبے اٹھ....!“ اُس نے پروفیسر کی گردن تھام کر اٹھا دیا۔ لیکن اُس کے پاؤں زمین پر نہ ٹک سکے۔ پورا جسم ہی ربڑ کی طرح کھلجکا کر رہ گیا۔!

”مم.... میری.... بات سن لو.... معمولی سازخم بھی مجھے مفلوج کر دیتا ہے۔ اب تم مجھے اٹھا کر لے چلو.... میں راستہ بتا دوں گا لیکن عالیہ پر رحم کرو۔ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا میں راستہ بتا دوں گا مگر مادام اُد پر نہیں ہیں۔!“

پٹھان نے اُسے دونوں ہاتھوں پر اٹھاتے ہوئے کہا تھا ”تمام توانا دھیرا ہے.... تم راستہ کیا دکھاؤ گے....!“

”سوچ آں کرتے چلنا۔!“

کچھ دیر بعد دونوں پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی اور پھر وہ گہری نیند میں ڈوب گئے تھے۔!



پروفیسر اپنی خواب گاہ میں بے خبر سو رہا تھا۔ پتا نہیں کیسے اچانک آنکھ کھل گئی۔ اور خلاف معمول اندھیرا دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ گہری نیلی روشنی میں سونے کا عادی تھا۔ آخر اندھیرا کیسے ہو گیا؟
بستر سے نیچے پیر اُتارے ہی تھے کہ کسی نے تختی سے نہ صرف اُس کا منہ دبا بلکہ اُسے بھی اٹھا کر کمر پر لا دیا۔ گرفت ایسی ہی سخت تھی کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نامعلوم آدمی کچھ دیر تک اُسے کمر پر لا دے چلتا رہا پھر ایک جگہ اُتار تا ہوا آہستہ سے بولا۔ اگر شور مچایا تو گلا گھونٹ دوں گا۔!“
پروفیسر اندھیرے میں کھڑا ہانپتا رہا۔ پھر اچانک روشنی ہوئی تھی اور ایک کیم شیم پٹھان سامنے کھڑا نظر آیا تھا۔ اور اُس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا چاقو دیکھ کر تو پروفیسر کی کھٹکھی بندھ گئی۔ وہ اس وقت عمارت کے اُس کمرے میں کھڑا ہوا تھا جسے گودام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

”تخت.... تم کون ہو.... اور کیا چاہتے ہو....؟“ اُس نے بدقت تمام خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔!

”میں ملک الموت ہوں....!“ وہ چاقو کا پھل اُس کے چہرے کے قریب نچا کر بولا۔ ”اور تم سے تھریسا کیا پتہ پوچھ رہا ہوں....!“
”مم.... میں نہیں جانتا....!“

”بکواس بند کرو.... دوپہر کو وہ تہہ خانے میں بول رہی تھی۔!“
”ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے لیکن وہ اس عمارت میں نہیں ہیں۔ اور میں قطعی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں۔ تہہ خانے میں ایک ٹرانس میٹرن کی آواز کیچ کر کے مائیکروفون کو منتقل کر دیتا ہے۔!“
”اور وہ تمہارے جوابات بھی سنتی ہے۔!“

”اسی ٹرانس میٹر کے توسط سے۔!“ پروفیسر ہانپتا ہوا بولا ”لیکن تم اندر کیسے داخل ہوئے۔!“
”تم صرف میرے سوالات کے جواب دو گے.... چلو.... آگے بڑھو.... اُدھر چلو اُن کریٹوں کے پیچھے.... چلو.... ورنہ چاقو کا پھل بازو میں اُتار دوں گا۔!“

پروفیسر لڑکھڑاتی چال سے آگے بڑھا تھا۔ اور کریٹوں کے پیچھے پہنچا تو نیچے کی سانس نیچے اور اوپر کی اوپر رہ گئی۔ اُس کی بیوی فرش پر دو زانو بیٹھی نظر آئی تھی۔ ہاتھ پشت سے بندھے

چاقو دکھا کر تہہ خانے میں لے گیا تھا۔ وہاں سے ان دونوں کو نکالا۔ اور یہاں لا کر بیہوش کر دیا۔“
 ”جنہم میں جائے.... اب تم چل کر اُسی کے چاقو سے اُس کی ناک اور کان کاٹو....!“
 ”لیکن.... تم.... لیکن تم....!“

”مفلوج نہیں ہوا تھا۔“ پروفیسر ہنس کر بولا۔ ”میرا ذہن سوتے وقت بھی بیدار رہتا ہے۔
 لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ اندر کیسے پہنچ سکا۔“
 ”میں بتاتی ہوں....! میں نے اُسے اُن مزدوروں میں دیکھا تھا جو ہارڈی کے لائے ہوئے
 سامان کے ساتھ آئے تھے۔!“

”اوہ.... تو ہارڈی بھی غدار نکلا.... خیر چلو.... اُسے بھی دیکھیں گے....!“
 ”کیا وہ عورت سچ مچ یہاں نہیں ہے....!“ عالیہ نے آہستہ سے پوچھا۔
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... مادام ایک مافوق الفطرت ہستی معلوم ہوتی ہیں.... وہ جب
 چاہیں یہاں پہنچ بھی سکتی ہیں۔ لیکن یہ تمہارا وہم ہے کہ وہ یہاں موجود ہیں۔!“
 وہ اُس کو اُسی کمرے میں لایا تھا جہاں پٹھان کو ناگفتہ بہ حالت میں چھوڑ گیا تھا۔
 ”ارے مردود تو یہاں کیا کر رہا ہے....!“ پروفیسر کمرے میں قدم رکھتے ہی دھاڑا.... اُسے
 اپنا ایک ملازم اُس سوئچ بورڈ کے قریب کھڑا نظر آیا تھا۔ جس کے پیش بٹن کو دباتے ہی اُس کے
 بیان کے مطابق پٹھان آزاد ہو جاتا۔!

”جی یہ کہہ رہا تھا.... ذرا وہ بٹن دبا دو....!“ ملازم نے پٹھان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔
 ”میں پوچھ رہا ہوں تو کیسے یہاں آیا....؟“
 ”جی یہ اللہ میاں سے دعا کر رہا ہو گا کہ کوئی ادھر آجائے۔“ نوکر نے بڑی سادگی سے کہا۔ اور
 عالیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ پروفیسر نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر ملازم سے بولا ”جانگل یہاں سے!“
 ”جی بٹن تو دبا دوں.... تاکہ سالے کی جان چھوٹے۔!“
 ”گولی مار دوں گا.... ہٹ وہاں سے....!“
 ”جاؤ بیٹا مزے کرو....!“ ملازم نے پٹھان سے کہا اور سوئچ بورڈ کے پاس سے ہٹ کر
 پروفیسر کے قریب آکھڑا ہوا۔

”شر فو کے بچے....!“ پروفیسر ملازم پر چیخا ”تو اب تک یہیں کھڑا ہے۔!“

”میں اس کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔! البتہ نارچ استعمال کروں گا....!“ اُس نے کہا اور
 پروفیسر کو پھر فرش پر ڈال دیا اور جیب سے چھوٹی سی نارچ نکالی۔
 ”پہلے عالیہ کے ہاتھ کھول دو....!“ پروفیسر بولا۔

”جو اس مت کرو.... ورنہ اُسے یہیں تمہارے سامنے ذبح کر دوں گا۔!“
 پروفیسر کراہ کر رہ گیا۔ اُس نے اُسے دونوں ہاتھوں پر اٹھایا تھا۔ ایک ہاتھ میں نارچ بھی سنبھال
 رکھی تھی۔ کئی کمرے سے گذرنے کے بعد پروفیسر نے اُسے ایک بڑے کمرے میں رکنے کو کہا تھا۔
 ”یہیں ہے راستہ.... روشنی کر دو....!“

”ہرگز نہیں.... راستہ بھی نارچ کی روشنی میں ہی دیکھوں گا۔!“ اُس نے پروفیسر کو فرش پر
 ڈالتے ہوئے کہا۔ اور پھر نارچ کی روشنی کا دائرہ کمرے میں پکڑنے لگا۔
 ”وہ سوئچ بورڈ ہے....!“ پروفیسر بولا ”پش سوئچ دبانے سے لفٹ نیچے آئے گی اور اُس کا
 دروازہ کھل جائے گا۔ پھر لفٹ کے اندر والا سوئچ اُسے اوپر لے جائے گا۔!“
 پٹھان آگے بڑھ کر نارچ کی روشنی میں سوئچ بورڈ کا جائزہ لینے لگا۔
 ”خدا کے لئے عالیہ پر رحم کرو....!“ پروفیسر کہا۔

”کر دیا جائے گا۔ فی الحال خاموش رہو۔!“ کہتے ہوئے پٹھان نے پش بٹن پر انگلی رکھ دی۔
 دوسرے ہی لمحے میں اُس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تھی۔ وہ تو کمر تک فرش میں دھنسن گیا
 تھا۔ فرش پر دونوں ہاتھوں کا زور دے کر اوپر اٹھنے کی کوشش کر ڈالی۔ لیکن پیر وہاں سے جنبش
 بھی نہ کر سکے جس جگہ جانکے تھے۔! ایسا لگتا تھا جیسے اُس کی پنڈلیاں آہنی بنیوں کی گرفت میں آگئی
 ہوں دفعتاً پروفیسر کا قہقہہ کمرے میں گونجا تھا اور روشنی ہو گئی تھی۔ وہ سامنے والی دیوار پر لگے
 ہوئے دوسرے سوئچ بورڈ کے قریب کھڑا نظر آیا۔!

”وہ پش بٹن جو تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے اس سوئچ بورڈ پر ہے۔ اور مجھے
 افسوس ہے کہ تمہارے ہاتھ یہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔!“ پروفیسر نے بے حد سرد لہجے میں
 کہا تھا۔ اور واپسی کے لئے دروازے کی طرف مڑ گیا تھا۔!

وہاں سے تیر کی طرح گودام میں آیا.... اور عالیہ کے ہاتھ کھولنے لگا۔ وہ اُسے حیرت سے
 دیکھے جا رہی تھی۔ جیسے ہی منہ پر سے ٹیپ ہٹا دی گئی! ”وہ غبیث جھوٹا ہے.... مجھے جگایا تھا اور

گھورے جا رہی تھی۔!

”یہ میرا ملازم شرفو ہے مادام....! اور یہ چوٹا نہ جانے کیسے عمارت میں داخل ہوا تھا اور آپ کو تلاش کر رہا تھا۔!“ پروفیسر نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔

”دونوں چوٹے مجھے تلاش کر رہے تھے پروفیسر....!“ تھریسیا نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔
”شرفو میرا ملازم ہے مادام....!“

”یہ شرفو نہیں عمران ہے پروفیسر! تمہارا شرفو نہ جانے کہاں ہو گا اور دوسرا چوٹا سنگ ہے۔!“
”نہیں....!“ پروفیسر اچھل پڑا۔ ”سنگ اتنا بھاری بھر کم۔!“

”پورے جسم کے گٹ آپ میں ہے۔ ہارڈی اس سے ساز باز کر کے اسے یہاں لایا تھا۔ وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا۔ اور عمران کو تم دیکھ ہی رہے ہو اپنے ایک ملازم کے روپ میں۔!“
”کیوں بچا....! پھنس گئے نا آخر....!“ شرفو پٹھان کو آنکھ مار کر بولا۔

سنگ کچھ نہ بولا۔ وہ تھریسیا کی بجائے عالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ نہ صرف دیکھ رہا تھا بلکہ مسکرا کر کئی بار آنکھ بھی مار چکا تھا۔

”یہ تم دونوں کی آخری رات ہے....!“ تھریسیا سخت لہجے میں بولی۔

”اگر بیگم اشرف مجھ پر کرم فرمائیں تو میں اس آخری رات کو زندگی کی حسین ترین رات میں بھی تبدیل کر سکتا ہوں۔!“ سنگ نے کہا اور عالیہ اُسے گالیاں دینے لگی۔!

”پروفیسر اسے لے جاؤ یہاں سے....!“ تھریسیا نے سرد لہجے میں کہا۔
”چلو.... چلو....!“ پروفیسر بوکھلا کر بولا۔

”میں نہیں جاؤں گی....!“

”کیا تجھے زندگی عزیز نہیں ہے۔!“ تھریسیا اُس کی طرف مڑ کر گھورتی ہوئی بولی۔

”نہیں تم ہر گز نہ جانا۔!“ عمران نے کہا ”تم بھی اسی کی طرح ایک طاقتور عورت ہو بلکہ میرا خیال ہے کہ بعض معاملات میں اس سے کہیں زیادہ اونچی بھی ہو۔!“

”تم خاموش رہو۔!“ تھریسیا عمران پر اُلٹ پڑی۔!

”مرنے سے پہلے جی بھر کے بول تو لینے دو۔!“

”تم مرو گے نہیں، بلکہ میرے ساتھ جاؤ گے۔!“

”جی ذرا دیکھ رہا ہوں اسے....!“ شرفو کہہ کر زور سے چھینکا تھا ”ہات تیرے نزلے کی ایسی تیشی لگا پڑ لیا ہے.... سارے نے....!“

”اچھا ٹھیک ہے!“ پروفیسر کچھ یاد کر کے بولا! ”تو اس خبیث کے دونوں ہاتھ باندھ دے۔!“
”ہاتھ بندھوا کر کیا کیجئے گا۔ پھنسا ہوا ہے سالا....!“

”بیگم صاحبہ اس کے کان کاٹیں گی.... دونوں کان.... اُسی کے چاقو سے....!“

”ارے باپ رے....!“ شرفو پیٹ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ ادھر پٹھان نے قریب پڑی ہوئی نارچ اٹھائی اور سامنے والی دیوار کے سوچ بورڈ پر کھینچ ماری۔ وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھی تھی۔ پش سوچ دبا تھا.... اور وہ فرش پر ہاتھ ٹیک کر اُس خلا سے باہر آگیا تھا جس میں پھنسا ہوا تھا۔ فرش پھر برابر ہو گیا۔ خلا سے باہر آتے ہی اُس نے چاقو کھول لیا تھا۔ جس کی کرکراہٹ کمرے میں گونجی تھی۔!

”قیہ کر کے رکھ دوں گا سب کا....!“ اُس نے پروفیسر پر چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ شرفو جھپٹ کر بیچ میں آگیا۔ عالیہ اور پروفیسر بوکھلا کر دیوار سے جا گئے تھے۔!

اور اب پٹھان پتھر بے بدل بدل کر شرفو پر حملے کر رہا تھا اور شرفو نہ صرف اُس کے وار خالی دے رہا تھا بلکہ ہنس ہنس کر اُس کا مضحکہ بھی اڑاتا جا رہا تھا۔!

”آبے واہ.... یہ کیا داؤ تھا.... ڈاڑھی کا تیکا تو سنبھال لے بھئی.... یہ بھی کوئی بات ہوئی.... شامش اب چاقو پھینک کر مار.... شاید اسی طرح تیری مراد بر آئے۔!“

لیکن پٹھان بالکل خاموش تھا۔ البتہ اُس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں حلقوں سے ڈبلی پڑی تھیں۔ اور وہ بڑے انہماک سے حملے کر رہا تھا۔

اچانک داخلے کا دروازہ کھلا تھا.... اور آواز آئی تھی ”بس کھیل ختم.... تم دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔!“

پٹھان کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ پڑا اور شرفو بھی جہاں تھا وہیں رہ گیا۔!

سامنے تھریسیا کھڑی نظر آئی۔ اُس کی دونوں جانب دو سفید قام آدمی اسٹین گنیں لے

کھڑے تھے۔! شرفو اور پٹھان کے ہاتھ اٹھ گئے۔

”اوہ.... مادام.... مادام!“ پروفیسر گلوگیر آواز میں بولا۔ اور ادب سے جھکتا چلا گیا البتہ عالیہ اُسے کینہ تو ز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ تھریسیا پروفیسر کی طرف توجہ دے بغیر پٹھان اور شرفو کو

”ابھی تو کہہ رہی تھیں کہ آخری رات ہے۔!“
 ”یہاں.... اس سرزمین پر.... اور سنگ تم سنو.... تمہاری زندگی مشروط ہے۔!“
 ”بکو اس کئے جاؤ۔!“

”اگر تم وہ سارے کاغذات میرے حوالے کر دو.... تو تم بھی زندہ رہ سکتے ہو۔!“
 ”یہ یوقف عورت.... کیا تو سمجھتی ہے....!“

”بابا اب ملاحظہ ہو شیار۔!“ عمران حلق پھاڑ کر دھاڑا ”مادام کی شان میں گستاخی نہیں برداشت کر سکتا۔! صرف تمہاری ماں یوقف تھی جس نے....!“
 ”خاموش....!“ سنگ مٹھیاں بھیج کر چیخا۔!

عمران نے ٹامی گنوں کی پرواہ کئے بغیر سنگ پر چھلانگ لگائی اور دونوں گتھے ہوئے فرش پر چلے آئے۔! تھریسیا کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ اُس نے انہیں الگ کرنے کی کوشش نہ کی۔ خاموش کھڑی دیکھتی رہی۔!
 ”اسی دوران میں کچھ سوچ لو بچپا.... دو دواٹھین گئیں ہیں۔!“ عمران آہستہ سے سنگ کے کان میں بولا تھا۔!

سنگ کچھ نہ بولا۔ لیکن اب اُس کے انداز میں حقیقتاً جارحانہ پن باقی نہیں رہا تھا۔!
 ”چاقو اٹھا کر مجھ پر وار کرو....!“ سنگ نے عمران کے کان میں کہا۔!
 لہذا اب فرش پر پڑے ہوئے چاقو کیلئے دونوں کے درمیان جدوجہد کا یہرسل ہونے لگا تھا۔!
 دوسری طرف پروفیسر عالیہ کو دھکیلتا ہوا دروازے کی طرف لے جا رہا تھا جیسے ہی قریب پہنچے دروازہ کھلا اور دونوں باہر نکل گئے۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔

چاقو عمران ہی کے ہاتھ لگا تھا۔ جسے اُس نے سنگ کے سینے میں گھونپ دینے کی کوشش کی تھی۔ سنگ نے چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا.... پھر اُسے تھریسیا کی طرف موڑ کر جھکادیا ہی تھا کہ چاقو عمران کے ہاتھ سے چھوٹ کر اچھلا اور تھریسیا کے شانے پر پیوست ہو گیا۔!
 وہ زور سے چیخی تھی۔ اُس کے دونوں ساتھی بوکھلا گئے۔

سنگ نے عمران کو چھوڑ کر اُن میں سے ایک پر چھلانگ لگائی اور اُسے دبوچ کر بیٹھ گیا۔!
 دوسرے نے اٹھین گن سیدھی ہی کی تھی کہ اُس کے پہلو پر عمران کی ٹکر پڑی۔!

کئی فائر ہوئے تھے.... لیکن ساری گولیاں دیوار پر پڑی تھیں اور پھر اٹھین گن اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ تھریسیا اٹھ کر کمرے سے نکلی چلی گئی۔ چاقو بدستور اُس کے شانے میں پیوست تھا۔ اور وہ بُری طرح کراہے جا رہی تھی۔!

سنگ اپنے شکار کو چھوڑ کر اُس کے پیچھے لپکا....! شکار بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ شاید سنگ نے اُس گلا گھونٹ دیا تھا۔! تھریسیا نکلی جا رہی تھی۔ ادھر عمران کا حریف نہ بیہوش ہو رہا تھا اور نہ مر رہا تھا۔! آخر ایک بار اُس کے بال گرفت میں آگئے اور عمران نے اُس کے سر کو فرش پر پٹخا شروع کر دیا۔

اس طرح وہ بھی کمرے سے باہر نکلنے کے قابل ہو سکا تھا۔ لیکن دونوں نے اٹھین گنیں کمرے میں نہیں چھوڑی تھیں۔ سنگ ایک کمرے میں پروفیسر سے الجھا ہوا نظر آیا۔ گریبان پکڑے جھٹکے دے دے کر اوپر کاراستہ پوچھ رہا تھا۔!

عمران نے آگے بڑھ کر اٹھین گن پروفیسر کی کھوپڑی سے لگا دی اور بولا۔ ”تمہارا مغزو دھکنی ہوئی روٹی کی طرح اڑ جائے گا.... اگر تم نے اوپر جانے کا راستہ نہ بتایا۔!“

اور پھر پروفیسر نے کاندھے ڈال دیئے۔ اوپر جانے والی لفٹ تک انہیں لایا تھا۔ عمران نے اُسے بھی ساتھ ہی رکھا اور وہ اوپر پہنچے.... لیکن شاید تھریسیا اب ہاتھ نہیں آسکتی تھی.... ایک چھوٹا فے گراز فرش سے بلند ہو رہا تھا۔! عمران نے ٹامی گن سے اُس پر فائر کئے۔ لیکن گولیاں اچٹ کر ادھر ادھر جا پڑیں۔ ایک تو خود اُس کے ہی لگی ہوئی اگر اچھل کر ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا۔ فے گراز آٹھ فٹ بلند ہو چکا تھا۔ اچانک سنگ نے اُس کے نیچے پہنچ کر چھلانگ لگائی اور اُس کا ایک پایہ پکڑ لیا۔

چھت ایک بڑے سے دائرے کی شکل میں کھل گئی تھی۔ فے گراز اُس سے گذر چلا گیا....! اور پھر اُس کے اوپر اٹھنے کی رفتار حیرت انگیز طور پر بڑھ گئی تھی۔!

سنگ بدستور پایہ تھامے لٹکا ہوا تھا۔!

”آبے او بچپا.... مجھے کیا اس خطبی پر چھوڑے جا رہا ہے۔!“ عمران دونوں ہاتھوں سے سر پیٹ

چیخا....!

اچانک پروفیسر چیخا..... ”بھاگو..... عمارت تباہ ہو جائے گی..... ہم سب مرجائیں گے۔!“ اور پھر اُس نے لفٹ کی طرف بھاگنا چاہا تھا۔ لیکن عمران نے پیچھے سے اُسکے کوٹ کا کلر پکڑ لیا۔ ”ارے مرجائیں گے.....!“ پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخا۔ ”پرواہ نہیں.....! پہلے معاملے کی بات ہو جائے پھر نیچے چلیں گے۔!“ ”وہ اُسی پر بیٹھے بیٹھے ایک بٹن دبائے گی اور عمارت دھماکے سے اڑ جائے گی.....“ لاسکی سے تعلق ہے یہاں لگے ہوئے ڈائنامائٹس کا.....!“ ”کچھ بھی ہو.....! یہ بتاؤ کہ تم اُس دھاری دار آدمی کو اُس کی اصلی ہیئت میں واپس لے جاسکو گے یا نہیں۔!“

”ہاں..... ہاں ہو جائے گا بھاگو..... خدا کے لئے..... میں اُسے ٹھیک کر دوں گا۔!“ ”بس تو چلو..... عمارت بھی نہیں اڑے گی..... اطمینان سے چلو.....“ تھریسیا نے جودھکی میرے پاس روانہ کی تھی اُس کی بناء پر میں نے عمارت میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ڈائنامائٹ تلاش کئے تھے اور انہیں ناکارہ کر دیا تھا۔!“ ”کہیں ایک آدھ رہ ہی نہ گیا ہو۔!“ ”کتنے تھے.....؟“ ”پانچ عدد.....!“ ”ٹھیک ہے..... سب بیکار ہو چکے ہیں۔!“

وہ نیچے آئے تھے۔ ایک کمرے میں صفدر اور نیو اور عالیہ ملے۔ عمران نے پروفیسر کو کرسی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا ”اب یہ بتاؤ کہ اُن لوگوں کی ہیئت کیوں بدلی گئی تھی۔!“ ”مم..... میں نہیں جانتا..... یقین کرو..... وہ کہیں اور استعمال کئے جاتے.....“ یہاں کے لئے نہیں تھے اتنا ہی علم ہے مجھ کو.....!“ ”دفعۃً عالیہ بولی ”تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے یا نہیں.....!“

”ہاں..... اچھی طرح..... اسی لئے ابھی تک پولیس کو پروفیسر کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ لیکن اب یہ میری تحویل میں رہیں گے..... میں ان کی طرف سے کسی بڑے اخبار میں ایک مضمون شائع کراؤں گا جس میں دعویٰ کیا جائے گا کہ پروفیسر دھاریوں کے راز سے

واقف ہو گئے ہیں اور اگر اب کہیں ویسا کوئی آدمی ملے تو اُسے ان کے پاس پہنچا دیا جائے.....“ یہ اُسے اُس کی اصلی حالت پر لے آئیں گے۔!“ ”زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔!“

”تخت..... تو..... کیا تم نے.....!“ پروفیسر عالیہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر رہ گیا۔ ”ہاں میں ہی انہیں یہاں لائی تھی اور اگر اب تم نے اُس عورت کا نام لیا تو میں خود ہی تمہیں شوٹ کر دوں گی۔!“ ”میری گلو خلاصی تو اب موت ہی کر سکے گی میں اُن سے تعاون نہیں کروں گا تو وہ خود ہی مجھے شوٹ کر دیں گے۔!“

”وہم ہے تمہارا..... کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا تمہاری طرف..... کیا تمہیں اس سے انکار ہے کہ تھریسیا مجھ سے خائف تھی۔!“ ”سنگ سے خائف تھی۔!“ ”یہ بھی غلط ہے سنگ سے خائف ہوتی تو اُسے چھیڑتی ہی نہیں..... وہ مجھ سے وقتی مصالحت محض اس لئے کرنا چاہتی تھی کہ اطمینان سے سنگ کی طرف توجہ دے سکے۔!“ ”تم آخر ہو کیا بلا۔!“

”میرے باپ کے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔!“ عمران نے مغموں لہجے میں کہا۔ پھر وہ سب خاموشی سے ایک ایک کی شکل تکتے رہے تھے۔!

﴿ختم شد﴾

لاش گاتی رہی

(مکمل ناول)

بکرے کے گوشت پر فی سیر کے حساب سے مبلغ دو روپے کا اضافہ پھر ہو گیا ہے اب بتائیے میں کیا کروں۔ ”مردانہ ادب“ تخلیق کرتا ہوں اس لئے دال دالے پر تو گزارہ نہیں کر سکتا۔ ورنہ آپ ہی فرمائیں گے کہ پھر ڈھیلے پڑ رہے ہو۔ لہذا آپ کی تنخواہ بڑھی ہو یا نہ بڑھی ہو مجھے اجازت دیجئے کہ قصاب کے فیصلے کے آگے سر جھکا دوں اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب آپ سوا دو روپے کی چوٹ سہنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یعنی دو روپے قصاب کی نذر کرنے کے علاوہ ایک چونی ادھر بھی ”رسید“ کر دیں۔ اپنے فیصلے سے آگاہ فرمائیے کہ آپ ہی میرے قلم کی قوت کا سرچشمہ ہیں۔ میری ترقی اور خوشحالی میں ضرور حصہ لیجئے۔ خواہ آپ کو تھوڑی سی تکلیف ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ بعض استحصال پسند اس کی مخالفت بھی کریں گے۔ لیکن آخر فتح میری ہی ہوگی (پچھلی چونی یاد کیجئے) عید الاضحیٰ اور قربانی کی بات نہیں کروں گا۔ جس کے گوشت کی لاگت تمیں روپے سیر سے لے کر پچاس روپے سیر تک آتی ہے۔ تمیں روپے سیر والے میں نری ہڈیاں ہوتی ہیں اور پچاس روپے سیر والے میں کسی قدر گوشت بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ ”نصیب اپنا اپنا“ گوشت کے سلسلے میں قربانی کا بھی ذکر کرنا پڑا۔ کیونکہ عید الاضحیٰ کی آمد آمد ہے ورنہ چنداں ضرورت نہ تھی۔ سال میں ایک ہی بار تو قربان ہونا پڑتا ہے۔ آپ مجھے روزانہ ”قربانی“ سے نجات دلائیے کہ اس کا ثواب صرف قصاب کو پہنچتا ہے (قصاب زندہ باد)۔

آپ کہیں گے کہ پھر پیشرس میں گوشت بچ کر رکھ دیا ہے۔ لہذا کیوں نہ ایک آدھ خط بھی دیکھ لیا جائے..... اور سنئے..... یہ ہوئی ہے۔ ادھر بھی اس قسم کے خطوط آنے لگے۔ ایک صاحب رقم طراز ہیں۔

”جناب عالی! میں بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں۔ میری عمر پچیس سال ہے لیکن ابھی تک ڈاڑھی مونچھیں نہیں نکلیں میں نے ایک خط..... ڈائجسٹ“ والوں کو بھی لکھا تھا۔ لیکن وہ صرف لڑکیوں کی بیماریاں چھاپتے ہیں۔ میری بیماری نہیں چھاپی۔ آپ ہی کوئی علاج بتائیے۔“

بھائی صاحب! آپ نے وضاحت نہیں فرمائی کہ ”..... ڈائجسٹ“ والوں کا علاج بتاؤں یا آپ کی بیماری کا۔ اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی صاحب اپنی تاریخ پیدائش روانہ کر کے قسمت کا حال نہ پوچھ بیٹھیں۔ ”نفسیاتی مسائل“ تو خیر آتے ہی رہتے ہیں اور میں ان کا قطعی نوٹس نہیں لیتا۔ کیونکہ ”نفسیات“ ہمارے یہاں وبائی شکل اختیار کر گئی ہے! ایک دن ترکاری والے نے کہا آج بیگن لے جائیے۔ کبھی نہیں لیتے۔ میں نے کہا دیکھنے میں اچھے نہیں لگتے۔ کھائے کیسے جائیں گے۔ ترے بولا کوئی نفسیاتی گرہ معلوم ہوتی ہے اور میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ شاید آپ بھی سوچ رہے ہیں کہ آخر میں گرانی کے سلسلے میں صرف ”قصاب“ ہی کو کیوں لے بیٹھتا ہوں۔ کہیں واقعی کوئی نفسیاتی گرہ تو نہیں ہے۔ سوچا کیجئے۔ سوچنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اُدھ! یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ ”لاش گاتی رہی۔“

والسلام

ابن صفحہ

۲۰ نومبر ۱۹۷۶ء



دو سو گز کے پلاٹوں پر بنی ہوئی عمارات کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا اور یہ عمارتیں ”کوٹھیاں“ کہلاتی تھیں.... دراصل سڑکوں پر صدالگانے والے بھکاریوں نے انہیں ”کوٹھیاں“ ہونے کا شرف بخشا تھا۔

”کوٹھیوں والو خدا بھلا کرے گا۔“

”کوٹھی والو....! اللہ تمہارے رزق میں برکت دے گا۔ سوال پورا کر دو مسکین کا....!“

”کوٹھی آباد رہے داتا تیری....!“

اور ان مکانات میں رہنے والے بچ بچ انہیں کوٹھیاں ہی سمجھنے لگے تھے۔ کوئی کسی کو گھاس نہیں ڈالتا تھا۔ پڑوسی کے نام تک سے آگاہی نہیں تھی کسی کو۔ ایک دوسرے کو اجنبیوں کی طرح دیکھتے ہوئے گذر جاتے تھے۔ کوئی کسی کو سلام تک نہیں کرتا تھا کہ کہیں وہ اُسے اپنے سے کم تر نہ سمجھنے لگے۔ اگر کبھی کسی تقریب میں ان کو ٹھیوں کی خواتین آپس میں مل بیٹھتیں تو کچھ اس قسم کی باتیں ہوتیں۔!

”ہمارے صاحب صرف ملازم ہی نہیں ہیں میونسپل کارپوریشن کے۔ ایکسپورٹ اپورٹ کا بزنس بھی ہے ہمارا۔!“

”اے بہن....! تنخواہ میں کیا ہوتا ہے آج کل اگر دس ہزار روپیہ ماہوار کوٹلے کی دلالی میں نہ کمائیں تو کام نہ چلے۔!“

کبھی نبل پر دہلا لگانے کی کوشش کرتیں.... اور باہر ان کے ”صاحب“ لوگ بیٹھے اس قسم کی باتیں کرتے رہتے جیسے موجودہ وزارتیں انہی کے دم سے قائم ہوں۔ اونچی آوازوں میں وزراء کے نام اس طرح لے جاتے جیسے ابھی ابھی انہی کے پاس سے اٹھ کر آئے ہوں۔!

”میں نے تو صاف کہہ دیا وزیر صحت سے کہ اگر میرے بھتیجے کو میڈیکل کالج میں داخلہ نہ ملا تو اگلے الیکشن میں سمجھ بوجھ لیا جائے گا!“

”بھلا بتائیے شوٹنگ پر مٹ کی فیس پچیس روپے سے بڑھا کر سو روپے کر دی ہے کھری کھری سنائیں تو چیف منسٹر بولے! بھائی خفا کیوں ہوتے ہو میری زمینوں پر شکار کھیل لیا کرو!“

ادھر بھی نہلے پر دہلا ہی لگتا اور جنہیں بولنا نہیں آتا تھا مگر ایک ایک کی شکل نکلتے اور اُن کا احساس کمتری شدید سے شدید تر ہوتا رہتا۔ پھر اگر اُن میں سے بھی کوئی جی کڑا کر لیتا تو ”پدرم سلطان بود“ کی محفل گرم ہو جاتی.... کسی کا دادا کوئی ایسا دالان تعمیر کراتا ہے جس کا ایک سرا قطب شمالی میں ہوتا ہے اور دوسرا قطب جنوبی میں.... اور کسی کے نانا جان اتنے لمبے بالنس کے مالک ہوتے کہ جب چاہتے اُسے بادلوں میں چلا کر پانی برسا لیا کرتے۔ کسی کے چچا بیدل ہی شیر کے شکار پر روانہ ہو جاتے اور کوئی کہتا۔

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور

وہ صبا رفتار شانی اصطبل کی آبرو

تو یہ تھیں دو سو گز والی کوٹھیاں اور یہ تھے اُن کے مکین نچلے متوسط طبقے کے کرایہ داروں کی تو جان جاتی تھی ان کو ٹھیوں پر.... آدھا پیٹ کھا کر گذارہ کر لینا منظور.... لیکن پانچ سو روپے ماہوار کرائے کی ان کو ٹھیوں ہی میں رہنا چاہتے تھے۔ بعض کو ٹھیاں دو حصوں میں منقسم ہو تیں اور ہر حصے کا کرایہ تین سو سے کم نہ ہوتا۔ اس طرح اُن کے پانچ کی بجائے چھ سو بننے اور ایک ہی کو ٹھی میں دو کرائے دار آباد ہو جاتے.... آباد ہوتے یا معلق یہ کرایہ داروں کا اپنا معاملہ تھا۔ بس کسی طرح ساؤتھ ناظم آباد کے باشندے کہلانے لگتے تھے۔ جہاں مطب یہ تھا کہ اپنی دانست میں ذی حیثیت قرار پا گئے!

رخسانہ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ تعلیم ختم کرتے ہی اُسے ایک تجارتی فرم میں ملازمت مل گئی تھی۔ لہذا اب وہ اسی گز کے پلاٹوں والی بستی میں نہیں رہنا چاہتی تھی حالانکہ یہ اُس کا ذاتی مکان تھا۔ دراصل اُسے دفتر والوں کو یہ بتاتے ہوئے شرم آتی تھی کہ وہ کہاں رہتی ہے!

اُسے یقین تھا کہ جب وہ فخریہ انداز میں انہیں یہ بتائے گی کہ ساؤتھ ناظم آباد کی کسی کو ٹھی میں رہتی ہے تو کوئی بھی ”آدھی یا پوری“ کا سوال نہیں اٹھائے گا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ اُس کی بیوہ ماں نے اُس ”آدھی“ کو ٹھی میں اسی گز پر بنے ہوئے مکان سے زیادہ گھٹن محسوس کی ہو!

اس آدھی کو ٹھی میں صرف دو کمرے تھے اور اندرونی صحن دو حصوں میں تقسیم ہو کر برائے

نام رہ گیا تھا۔ کوٹھی کا دوسرا آدھا حصہ پہلے ہی سے آباد تھا۔ پتا نہیں کون تھے اور کس قسم کے لوگ تھے۔ صحن کو تقسیم کرنے والی دیوار ساڑھے چھ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی اور اسی دیوار کو دیکھ کر بڑی بی کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ ماں بیٹی تنہا تھیں کوئی مرد ساتھ نہیں تھا۔

باپ کے انتقال کے بعد رخسانہ نے کچھ ٹیوشن کئے تھے۔ جن سے تعلیم کے اخراجات پورے ہوتے تھے اور ماں سلائی کر کے دوسری ضروریات پوری کرتی تھی۔ یوں کسی نہ کسی طرح اُس نے بی کام امتیازی حیثیت سے پاس کیا تھا اور کامرس کے شعبے کے صدر کی سفارش پر جلدی ہی ملازمت بھی حاصل کر لی تھی۔ بڑی فرم تھی اور ایک غیر ملکی کمپنی کے اشتراک سے قائم کی گئی تھی لہذا ترقی کے امکانات بہت واضح تھے۔ ماں بہت خوش تھی لیکن یہ خوشی اُسی وقت تک قائم رہی جب تک اُس آدھی کو ٹھی میں قدم نہیں رکھا تھا۔ اپنے محلے کی بات اور تھی سب جان پہچان کے لوگ تھے۔ اس لئے شوہر کی موت کے بعد بھی اُس نے زیادہ بے اطمینانی محسوس نہیں کی تھی۔ سبھی ان دونوں کا خاص طور پر خیال رکھنے لگے تھے۔ محلے کے آوارہ لونڈے تک ان کے معاملے میں محتاط ہو گئے تھے۔ پڑوس کی عورتیں دن رات گھر میں آتی جاتی رہتیں لیکن اس بستی میں قدم رکھتے ہی اُسے محسوس ہوا تھا جیسے یہاں کوئی کسی کا پرسان حال ہی نہ ہو.... نہ سڑک پر بچوں کا شور تھا اور نہ خوناچے والوں کی مانوس آوازیں سرشام ہی ایسا سنا چھا گیا جیسے آدھی رات گزر گئی ہو۔

وہ خاصی دیر تک اس گھٹن کو سہتی رہی تھی پھر بیٹی سے بولی تھی۔

”یہ تم نے کہاں لا پھنسیا۔ مجھ سے تو اس قبرستان میں ہر گز نہ رہا جائے گا!“

رخسانہ ہنس پڑی اور بولی۔ ”تھوڑے ہی دنوں میں عادی ہو جائیں گے.... شائستہ لوگوں کی بستیاں ایسی ہی پُر سکون ہوتی ہیں!“

ماں چپ ہو رہی.... کہتی بھی کیا اس کی تو عمر ہی ناشائستہ لوگوں کی بستیوں میں گذری تھی۔ شائستہ لوگوں کا اُسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔

دفعۃً اُسے کچھ یاد آگیا اور وہ رخسانہ کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تم نے تو کہا تھا کہ مالک مکان ایک سال کا کرایہ یکمشت طلب کر رہا ہے۔ پھر یکایک تمہیں یہ مکان کیسے مل گیا۔ ہمارے پاس تو چھتیس سو روپے نہیں تھے!“

”اس پر تو مجھے بھی حیرت ہے امی.... پہلے اُس نے سال بھر کا کرایہ پیشگی طلب کیا تھا پھر تین دن بعد خود ہی میرے دفتر پہنچ کر کہا تھا کہ صرف ایک ماہ کا کرایہ پیشگی چلے گا!“

”لیکن تم نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا.... میں سمجھی شائد تم نے کہیں سے قرض لے کر ادا ہیگی کر دی ہے۔!“

”میں نے اس لئے ذکر نہیں کیا تھا کہ تم خواہ مخواہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاؤ گی۔!“

”وہ تو ہو ہی گئی ہوں.... کیا مالک مکان دوسرے حصے میں خود رہتا ہے۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مائی.... وہ تو ڈیڑھ ہزار گز کے پلاٹ پر رہتے ہیں۔!“

”آخر تم نے اُسے منظور کیسے کر لیا۔!“

”وہ بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں کہنے لگے پیسوں کی کوئی بات نہیں مجھے تو شریف اور قابل اعتماد کرایہ دار چاہئے۔!“

”تم نے بہت بُرا کیا رخسانہ.... مجھے تو بتا دیا ہوتا.... تم نے صرف تعلیم حاصل کی ہے... تمہیں دنیا کا تجربہ نہیں ہے۔!“

رخسانہ اس طرح متفکر نظر آنے لگی جیسے وہ خود بھی پہلے ہی سے یہی سب کچھ سوچتی رہی ہو اور ماں کی زبان سے بھی انہی خدشات کا ذکر سن کر تشویش میں اضافہ ہو گیا ہو۔!

”خیر....!“ ماں کچھ دیر بعد طویل سانس لے کر بولی۔ ”اب اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہارا باپ بڑا غیر مت مند تھا۔!“

”تم مطمئن رہو مائی.... بے غیرتی پر موت کو ترجیح دوں گی۔!“

بات وقتی طور پر ختم ہو گئی تھی۔ لیکن ذہنوں میں خلش برقرار رہی۔ آٹھ بجے کے قریب اطلاعی کھنٹی کی آواز سنائے میں گونجی تھی اور دونوں اچھل پڑی تھیں۔

حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں پھر ماں نے آہستہ سے کہا ”یہاں کون آیا ہے؟“

گھنٹی پھر بجی تھی.... رخسانہ اٹھی لیکن ماں نے ہاتھ پکڑ لیا۔

”ٹھہرو.... نہ جانے کون ہو.... یہاں تو آدھی رات ہو گئی ہے۔!“

”دیکھنا تو پڑے گا کہ ہے کون....؟“

”ٹھہرو.... میں بھی چلتی ہوں.... پہلے پوچھ لینا کون ہے.... پھر کھولنا دروازہ....!“

”اُف فوہ امی.... اگر اسی طرح ڈرتے رہے تو پھر رہ چکے یہاں۔!“ رخسانہ جھنجھلا گئی۔ وہ دونوں دروازے تک آئی تھیں اور رخسانہ نے اونچی آواز میں پوچھا تھا۔ ”کون ہے....؟“

”طاہر.... آپ کا سیکشن منیجر....!“ بیرونی برآمدے سے آواز آئی اور رخسانہ کے ہاتھ پیر

پھول گئے۔ آواز پہچان لی تھی اُس نے.... بوکھلا کر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔!

”تشریف لائیے.... تشریف لائیے....!“ بدحواسی میں بولی۔

طاہر تنہا نہیں تھا اُس کے ساتھ ایک سفید فام غیر ملکی عورت بھی تھی جس کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال رہی ہو گی۔ تازک تازک سے خدوخال تھے اور آنکھیں گہری نیلی اور سوچ میں ڈوبی ہوئی سی تھیں۔

”امی یہ میرے سیکشن منیجر طاہر صاحب ہیں۔!“ وہ جلدی سے بولی لیکن اُس کی نظریں طاہر کی ساتھی ہی پر جمی رہیں۔!

”آداب....!“ طاہر نے بڑے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا ”ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ دراصل ایک معاملے میں معذرت بھی کرنی تھی اور ایک درخواست بھی۔!“

”کوئی بات نہیں....! آئیے....!“

وہ انہیں اُس کمرے میں لے آئی جسے نشست کا کمرہ بنایا تھا.... وہ دونوں بیٹھ گئے اور ماں بیٹی ہمہ تن سوال بنی رہیں۔!

”سب سے پہلے میں آپ سے معافی مانگوں گا مس رخسانہ....!“ طاہر بولا۔

”جی میں نہیں سمجھی۔!“

”آپ کی لاعلمی میں تین ہزار چھ سو روپے میں نے مالک مکان کو ادا کر دیئے تھے اور اُسے تاکید کر دی تھی کہ آپ کو یہ نہ بتائے۔!“

”آپ نے ایسا کیوں کیا....!“ رخسانہ بے ساختہ بولی۔

”ابھی بتاتا ہوں.... پہلے آپ لوگ میری کہانی شروع سے سُن لیں۔!“

ماں کی آنکھوں میں ناگواری کا تاثر صاف دیکھا جاسکتا تھا۔ طاہر نے بھی اسے محسوس کیا تھا۔ اس لئے ماں ہی کی طرف دیکھ کر بولا۔

”مجھے غلط نہ سمجھئے....! آپ میری ماں ہیں اور مس رخسانہ کو بہن سمجھتا ہوں۔!“

”شکریہ....! لیکن میں نے کب آپ کو غلط سمجھا۔!“ ماں کھل اٹھی اور رخسانہ کے چہرے پر بھی مسرت کی لہریں دوڑ گئیں۔!

”چونکہ یہ سب کچھ آپ لوگوں کی لاعلمی میں ہوا ہے اس لئے شکوک و شبہات کا پیدا ہونا بھی فطری امر ہے۔ بہر حال یہ خاتون میری بیوی ہیں.... نسلِ افرا نشی ہیں.... ربیکا خاندانی نام

ہے.... اسلامی نام رقیہ ہے۔!“

”ماشاء اللہ....!“ ماں نے محبت آمیز نظروں سے غیر ملکی عورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔
”پچھلے سال جب میں یورپ میں تھا ان سے شادی کی تھی۔ پہلے یہ مسلمان ہوئی تھیں پھر نکاح ہوا تھا لیکن میرے خاندان والوں کو اس کا علم نہیں! میں انہیں فرانس ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ اب یہ آئی ہیں.... خاندان والوں کو اس کا اب بھی علم نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ نہ میں والدین کو دکھ پہنچانا چاہتا ہوں اور نہ رقیہ کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔!“

”واقعی بڑی مشکل میں ہیں آپ۔!“ ماں نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔
”بہر حال.... یہ شادی اس بناء پر ہوئی تھی کہ یہ پہلے ہی سے اسلام سے متاثر تھیں.... ان کے خیالات نے مجھے متاثر کیا۔!“

”بڑے ثواب کا کام کیا ہے آپ نے....!“ ماں سر ہلا کر بولی۔
”اور اب میری خواہش ہے کہ انہیں باقاعدہ طور پر نماز سکھائی اور مسلمان عورتوں کی طرح زندگی بسر کرنے کی تربیت دی جائے.... رازداری بھی چاہتا ہوں.... مس رخصانہ کی شائستگی اور رکھ رکھاؤ دیکھ کر اندازہ ہوا تھا کہ بہت اچھے ہاتھوں سے پروان چڑھی ہیں.... لہذا مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا.... میری خواہش ہے کہ آپ رقیہ کی تربیت کریں۔!“
ماں کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ اس نے فخریہ انداز میں رخصانہ کی طرف دیکھا اور پھر طاہر سے بولی۔ ”مگر بیٹے! مجھے انگریزی نہیں آتی میں کیسے تربیت دے سکوں گی۔!“

”رخصانہ آپ کی مدد کریں گی.... اور پھر رقیہ میں ایک صلاحیت ایسی ہے کہ آپ کو زیادہ دشواری نہیں ہوگی۔ فرانسیسی مادری زبان ہے.... انگریزی بھی بول سکتی ہیں اور کسی زبان میں جو کچھ بھی رٹا دیا جائے.... بہت جلد یاد ہو جاتا ہے۔ لہجے اور تلفظ سمیت دیکھنے میں کلمہ پڑھو اتا ہوں۔ بالکل آپ ہی کے سے انداز میں پڑھیں گی۔!“

طاہر نے بیوی سے کلمہ پڑھنے کو کہا تھا اور اُس کے بیان کی تصدیق ہو گئی تھی۔
”کمال ہے....!“ رخصانہ بولی ”قطعی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کسی یورپین نے عربی کے الفاظ دوہرائے ہیں۔!“

”بہت جلد یاد کر لیتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر پوری نمازیں سیکھ لیں گی۔!“

”مگر بیٹے....! یہاں اس چھوٹے سے گھر میں یہ کیسے رہیں گی۔!“

”یہ تو جھوپڑی میں بھی رہ سکتی ہیں اور پھر انہیں ہمارا رہن سہن بھی تو سیکھنا ہے۔ میرے خاندان میں انگریزوں کی ادھوری نقالی ہوتی ہے۔ لہذا تربیت کے لئے متوسط درجے ہی کے کسی گھرانے کا انتخاب کرنا تھا مجھے۔!“

”اگر یہ بات ہے میاں تو ہم ہر طرح حاضر ہیں۔ خدمت میں کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔!“
”خدمت.... آپ کریں گی!“ طاہر نے حیرت سے کہا۔ ”ارے آپ کو تو انہیں یہ سکھانا ہے کہ بڑوں کی خدمت مسلمان کس طرح کرتے ہیں۔ انہیں رخصانہ سے بڑا درجہ ہرگز نہ دیجئے گا۔!“

”میں انہیں ایک مسلمان عورت بنانے کی پوری کوشش کروں گی۔!“

”ہمارے لئے باعث مسرت ہو گا جناب....!“ رخصانہ بولی۔

”جناب نہیں....!“ طاہر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آج سے صرف بھائی جان....!“
ماں بیٹی کے چہرے کھلے پڑے تھے۔ پھر یہ طے پایا گیا تھا کہ ربیکا رقیہ انہی کے ساتھ رہے گی اور طاہر کبھی کبھی وہاں آتا جاتا رہے گا۔



صرف پولیس ہی حرکت میں نہیں آئی تھی بلکہ سر سلطان کے محکمے کے لئے بھی خاصا دروازہ سر مہیا ہو گیا تھا۔ ایک غیر ملکی سفیر کی بیٹی ہلد اکار لوس اچانک غائب ہو گئی تھی۔ تین دن سے اُس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بات پولیس ہی تک محدود رہتی اگر سر سلطان کا محکمہ پہلے ہی سے ہلد اکار لوس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ بعض غیر معمولی مصروفیات کی بناء پر ایکس ٹو کچھ عرصہ پہلے سے اُس کی نگرانی کرتا رہا تھا کہ اچانک ایک دن سفیر کی طرف سے اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی گئی۔ قبل اس کے سر سلطان کا محکمہ ہلد اکار لوس کے خلاف کوئی باضابطہ کارروائی کرتا یہ افتاد پڑ گئی۔ ”اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت اب بھی نہیں ہے تمہارے پاس....!“ سر سلطان عمران سے کہہ رہے تھے۔!

”اُس کے باوجود بھی وہ اس طرح غائب ہو گئی کہ خود سفیر نے ہم پر اُس کی بازیابی کی ذمہ

داری عائد کر دی ہے۔ ایسی چالاکی کی کوئی دوسری مثال آپ کے پاس ہو تو مطلع فرمائیے۔“

”میں کب کہہ رہا ہوں کہ تم اس کے سلسلے میں غلطی پر تھے۔“

”تو پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت فراہم کرنے میں تم نے دیر لگادی! وہ ہوشیار ہو گئی اور ہم

باضابطہ طور پر اُسے تلاش کر رہے ہیں۔“

”بس تو اب اس بات کو بھول جانا چاہئے کہ ہم پہلے ہی سے اُس کی نگرانی کراتے رہے تھے۔

اس طرح غموں کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو جائے گا۔“

”پھر بکواس شروع کر دی تم نے....!“

”فی الحال بکواس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔“

”اگر وہ نہ ملی تو ہم مزید دشواریوں میں پڑیں گے۔“

”مزید دشواریوں میں پڑ چکے ہیں جناب...! کیا آپ نے سفیر کی رپورٹ کی نقل بغور

نہیں پڑھی۔ اُس نے حوالہ دیا ہے کہ اُس کی بیٹی نے ایک دن پہلے اُسے بتایا تھا کہ کچھ نامعلوم افراد

اس کا تعاقب کرتے ہیں۔“

”اوہ....! میں نے اُس حصے کو غور سے نہیں دیکھا تھا۔“

”جی ہاں....! اب یہ بیچارہ اپنی مسکین صورت کی وجہ سے ضرور مارا جائے گا دیکھ لیجئے گا کہ وہ

کل اُن نامعلوم افراد میں سے ایک عدد کا حلیہ یاد کر کے پولیس کو ضرور مطلع کر دے گا۔“

”یعنی تمہارا حلیہ....!“

”جناب عالی....! عمران نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی اور چند لمبے خاموش رہ کر

بولاً ”پروردگار نے شکل ہی ایسی بنائی ہے۔“

”او نہہ! اس کی کیا فکر ہے۔“

”آپ کو نہ ہو گی لیکن کیپٹن فیاض میرا جینا حرام کر دے گا۔! کیونکہ اس کے سر پر میرے

والد صاحب کا سایہ ہے۔“

سر سلطان بڑا سامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔

”اب اجازت دیجئے....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”ٹھہرو....!“ سر سلطان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ عمران پھر بیٹھ گیا۔

”اب کیا کرو گے....؟“

”جو آپ فرمائیں....!“

”تم نے اُس آدمی کو کیوں نظر انداز کر دیا ہے جس کے ساتھ ہلدا کو دیکھ کر تم اس کے خلاف

شکوک و شبہات میں مبتلا ہوئے تھے۔“

”اُسے تو نظر انداز کرنا ہی پڑے گا۔“

”کیوں....؟“ سر سلطان اُسے گھورتے ہوئے بولے۔

”بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے....!“

”اسی لئے میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں وہ اُسی کے مشورے ہی پر تو روپوش نہیں ہوئی۔“

”اگر یہ نظریہ قائم کر لیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ بڑے باپ کا بیٹا اُس کے ہاتھوں

بیوقوف نہیں بن رہا بلکہ دیدہ و دانستہ ملوث ہوا ہے۔“

”کوئی پہلو محض اس لئے کیوں نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ ایک بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ کیا

تمہیں اُس پولیس افسر کا بیٹا یاد نہیں جو ہرنی کرتا ہوا پکڑا گیا تھا۔“

”تو آپ یہ چاہتے ہیں کہ رحمان صاحب کا بیٹا ہیرا پھیری میں مارا جائے۔“

”فضول باتیں نہ کرو....!“

”اچھی بات ہے جناب....! میں دیکھوں گا۔“

وہاں سے روانگی سے پہلے اُس نے فون پر بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے

جواب ملنے پر بولا۔ ”اچھ۔ کے۔!“

”رپورٹ مل گئی ہے جناب....!“ بلیک زیرو کی آواز آئی۔ ”آخری بار وہ پرنس کی رقاہ

میمی فاؤلر کے ساتھ دیکھی گئی تھی اور حقیقتاً وہیں سے وہ مفقود الحضر بھی ہوئی تھی۔ اُسے میمی کے

ساتھ پرنس میں داخل ہوتے دیکھا گیا تھا۔ لیکن پھر وہ پرنس سے واپس نہیں آئی۔“

”اور میمی بدستور وہیں موجود ہے۔“

”جی ہاں.... وہ وہاں چھ ماہ کے کنٹریکٹ پر ہے! پرنس ہی کے کمرہ نمبر بارہ میں مقیم بھی

ہے۔“

”ٹھیک ہے....!“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر طویل سانس لے کر سر سلطان

کی طرف مڑا۔

”پھر وہی بڑے باپ کا بیٹا۔!“

”کیا مطلب.....!“

”پرنس ہوٹل اُسی کا تو ہے نا.....!“

”اچھا تو پھر.....!“

”آخری بار وہ وہاں کی راقصہ میسی فاؤلر کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔ اس کے ساتھ پرنس ہوٹل میں داخل ہوئی اور وہیں سے غائب بھی ہو گئی۔“

”نگرائی کرانے والوں نے اُسے ہوٹل سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا۔!“

”تو پھر وہ اب بھی وہیں ہوگی۔!“

”خدا ہی جانے..... اچھا پھر اب اجازت دیجئے۔!“

”ایک منٹ.....!“ سر سلطان ہاتھ اٹھا کر بولے۔ ”فی الحال سردار سے براہ راست گفتگو

مت کرنا۔!“

”میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ بڑے باپ کا بیٹا ہے۔!“

”یہ بات نہیں ہے۔!“

”پھر کیا بات ہے جناب عالی.....!“ عمران نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”ابھی کچھ ہی دن ہوئے ایک ڈنر پارٹی میں تمہارے باپ سے اُس کی جھڑپ ہو چکی ہے۔!“

”میں اپنے باپ کا بیٹا بن کر اُس سے گفتگو نہیں کروں گا۔!“

”میں نے آگاہ کر دیا..... تم جانو.....!“

”میں جو کچھ بھی کرتا ہوں اپنی ذمہ داری پر کرتا ہوں۔!“ عمران نے کہا تھا اور اٹھ کر باہر

نکل آیا تھا۔

تھوڑی ہی دور چلا ہو گا کہ پھر کسی خیال کے تحت ایک جگہ گاڑی روکی.....! انجن بند کیا اور اس طرح پشت گاہ سے نکل گیا جیسے کچھ دیروں میں ٹھہرے گا۔! ڈیش بورڈ کے خانے سے اخبار نکالا اور دیکھنے لگا۔ لیکن حقیقتاً اپنی بائیں جانب گئراں تھا۔ دور سے دیکھنے والوں کو ایسا ہی لگتا جیسے اخبار میں منہک ہو۔!

تھوڑی دیر بعد اُس نے اخبار ایک طرف ڈال کر دوبارہ انجن اشارت کیا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔ اُس کے چہرے سے ایسی ہی طمانیت کا اظہار ہو رہا تھا جیسے حصول مقصد میں کامیابی ہوئی

ہو۔ اب اُس کی گاڑی نیلے رنگ کی ایک چھوٹی فیٹ کے پیچھے تھی..... کچھ دور چلنے کے بعد وہ فیٹ ایک ڈرگ اسٹور کے سامنے رکی اور ڈرائیونگ سیٹ سے ایک لڑکی اتر کر ڈرگ اسٹور میں چلی گئی۔

عمران نے اپنی گاڑی کسی قدر آگے بڑھا کر اس طرح روکی کہ ڈرگ اسٹور کے اندر بھی لڑکی پر نظر رکھ سکتا۔! لڑکی فون پر نمبر ڈائل کر رہی تھی۔! اُس نے ایک منٹ تک کسی سے بات کی تھی اور ریسپورڈر رکھ کر اپنی گاڑی کی طرف پلٹ ہی رہی تھی کہ عمران سے نظریں چار ہو گئیں۔ جھپٹکے کے ساتھ رک گئی۔ چہرے کا رنگ اڑنے لگا تھا جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو لیکن جلد ہی سنبھل گئی تھی۔

فٹ پاتھ پر اتری آئی اور مسکراتی ہوئی عمران کی گاڑی کی طرف بڑھی۔

”ہلو..... مسٹر عمران.....!“ قریب پہنچ کر بولی۔ ”یہاں کیا ہو رہا ہے۔!“

”آپ کا انتظار.....!“ عمران نے بڑی سادگی سے کہا۔

”کیا آپ میرے پیچھے پھرتے رہتے ہیں۔!“

”نہیں تو..... ادھر سے گزر رہا تھا آپ کو گاڑی سے اتر کر اندر جاتے دیکھا۔ رک گیا۔!“

”لیکن کیوں.....؟“

”بس یونہی..... اب کہیں چل کر بیٹھیں گے..... آگے کیفے میز ان ہے۔!“

”زبردستی.....!“ وہ اٹھلائی۔

”سر سلطان کی سیکریٹری سے فلرٹ کرنا میری ہابی ہے مس نوشاد..... آپ ابھی نئی ہیں۔

آپ کو علم نہیں۔!“

”آپ بھی فلرٹ کر لیتے ہیں۔!“

”کوشش کرتا ہوں.....!“

”فلرٹ کرنے والے خود ہی اُس کو فلرٹ نہیں کہتے۔!“

”میں کہہ دیتا ہوں..... کیا فرق پڑتا ہے۔!“

”اچھا تو کیفے میز ان ہی سہی..... اترے گاڑی سے ٹہلتے ہوئے چلیں گے۔ لیکن نہیں.....

ذرا ٹھہریئے..... میں پھر ایک کال کروں گی۔ اپنی اُس سیمپلی کو مطلع کر دوں کہ تھوڑی دیر بعد پہنچ سکوں گی۔!“

”ضرور.... ضرور....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

وہ پھر ڈرگ سٹور میں داخل ہوئی اور فون پر کسی سے گفتگو کر کے دوبارہ پلٹ آئی۔ عمران گاڑی سے اترتا ہوا بولا ”کیا میری وجہ سے کوئی پائینٹمنٹ کینسل کرنا پڑا ہے....؟“

”ظاہر ہے.... جسے اپنے پیچنے کی اطلاع دی تھی اُس سے کہنا پڑا کہ فی الحال نہیں آرہی!“

”تب تو مجھ سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔!“

”نہیں کوئی بات نہیں میں آپ کو فلٹ کرنے کا موقع ضرور دوں گی۔!“

دونوں کیفے میز ان کی طرف چل پڑے۔

”کیا چھٹی لے کر جا رہی تھیں۔!“ عمران نے پوچھا۔

”ظاہر ہے....! اسکول تو ہے نہیں کہ چپ چاپ کھسک گئے....! اور دوسرے دن ڈانٹ

پھینکا رہی۔!“

”میں بھی کلاس سے بہت بھاگتا تھا۔!“

وہ کیفے میں داخل ہوئے اور ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے۔

”یہاں مینڈک کی ناگنوں کا اسٹیو بہت عمدہ ہوتا ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”گھناؤنی باتیں ہیں مسٹر عمران.... کیا آپ اسی طرح فلٹ کرتے ہیں۔!“

”بکری کے سری پائے بھی اکثر فلٹ میں کام آتے ہیں۔!“

”میرا خیال ہے کہ آپ کی پچھلی سات پشتوں میں بھی کبھی کسی نے کسی سے فلٹ نہ کیا ہو گا۔!“

”ابھی مجھے اس کی اطلاع نہیں مل سکی.... مینو دیکھئے....!“

”آپ صرف یہ بتا دیجئے کہ آپ کیوں ر کے تھے میرے لئے.... پہلے تو کبھی ایسا نہیں

ہوا....!“

”پچھلے ہی ہفتے تو میں نے آپ کو غور سے دیکھا ہے۔!“

”فضول بات....!“ وہ نراسمانہ بنا کر بولی۔

”میں ہی کچھ منگواؤں....!“

اُس نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ عمران نے قریب

کھڑے ہوئے ویٹر کو آرڈر دیا تھا۔ وہ چلا گیا اور عمران میز پر انگلیوں سے طبلہ بجانے لگا اور اس

طرح غائب غلا ہو گیا جیسے اپنے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہ گیا ہو۔!

”مسٹر عمران....!“ دفعتاً وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔!“

”آئیں کیا مطلب....؟“ وہ چونک پڑا۔

”آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔!“

”چائے پلانے اور آپ جو کچھ کھانا چاہیں۔!“

”میں باس سے شکایت کروں گی۔!“

”کیا فائدہ.... وہ میرے باس تو ہیں نہیں کہ مجھ سے جواب طلب کریں گے۔!“

”یہ بھی ٹھیک ہے....! پھر آپ دفتر کیوں آتے ہیں....؟“

”یہ دیکھنے کے لئے کہ پرسنل اسٹنٹ وہی پرانی والی ہے یا بدل گئی ہے۔!“

”میں پرسنل اسٹنٹ نہیں ہوں....!“

”شائد انہوں نے ابھی تک میری طرح غور سے نہیں دیکھا۔!“

”لوگ آپ کو بیوقوف سمجھتے ہیں.... لیکن میں نہیں سمجھتی۔!“

”بہت بہت شکریہ....! چائے کے بعد انبالہ والوں کی رس ملائی بھی کھلاؤں گا۔!“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔!“

”پھر کیا مطلب تھا۔!“

”آپ جو کچھ نظر آتے ہیں وہ نہیں ہیں۔!“

”اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“ وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

”تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ کس قسم کی آگ سے کھیل رہی ہو۔!“

”یہ کیا بات ہوئی....؟“

”تم اچھی طرح سمجھتی ہو۔!“

”کک.... کیا.... سمجھتی ہوں....!“

”کس کو اطلاع دی تھی فون پر کہ میں سر سلطان سے ملنے آیا تھا۔!“

”جھوٹ ہے....! میں نے کسی.... کسی کو....!“ وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو کر ہانپنے لگی۔!

”میں جانتا ہوں کہ تم ایک بوڑھے اور ناپسندیدہ باپ کا واحد بہنہ ہو.... تمہیں سوچ سمجھ کر

زندگی بسر کرنی چاہئے۔!“

”مسٹر عمران....!“ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
 ”وہ شخص ابن الوقت ہے جس کے جھانے میں تم آگئی ہو.... ورجنوں کی زندگیاں برباد کر چکا ہے۔!“

”مسٹر عمران پلیز....!“

”سر سلطان کو ابھی تک اس کا علم نہیں ہو سکا کہ اُن کے دفتر کی باتیں باہر کس طرح پہنچتی ہیں۔!“

”مم.... میں کچھ نہیں جانتی۔!“

عمران شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا وہ بہت زیادہ زروس نظر آنے لگی تھی۔
 ”جو کام تم سے لیا جا رہا ہے اُس کے لئے تم موزوں نہیں ہو۔!“ وہ بالآخر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

چند لمحے خاموش رہ کر سوال کیا۔ ”کیا دوسری بار تم نے اُسے مطلع کر دیا ہے کہ میرے ساتھ میزبان جاری ہو۔!“

نوشاد نے غیر ارادی طور پر سر کو مثبت جنبش دی اور پھر اس غلطی کا احساس ہوتے ہی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔

”تو تم نے اپنی موت کے پروانے پر خود ہی دستخط کر دیئے۔!“

”کیا مطلب....؟“ وہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

”بڑے باپ کا بیٹا اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا۔! اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ جو ذمہ داری تم نے اپنے سر لی ہے اُس کی اہل نہیں ہو۔ اگر تم میری ہی نگرانی پر لگائی گئی تھیں تو اس وقت مجھے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا چاہئے تھا اور اگر مجھ سے مل بیٹھی تھیں تو اسے آگاہ نہ کرتیں۔ اب تمہاری زندگی خطرے میں ہے وہ سمجھ جائے گا کہ میں نے تمہاری چوری پکڑ لی ہے۔!“

”سمجھ.... پھر اب کیا ہو گا۔!“

”تھوڑی ہی دیر میں کوئی نہ کوئی ہم دونوں پر نظر رکھنے کے لئے یہاں پہنچ جائے گا یا ہو سکتا ہے اب تک پہنچ ہی گیا ہو۔!“

وہ خاموش رہی.... اتنے میں ویٹر طلب کی ہوئی اشیاء لے آیا تھا۔ لیکن وہ گم سم بیٹھی رہی۔
 ”ایسا بھی نہ کرو کہ نگرانی کرنے والے ہوشیار ہو جائیں۔!“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”کچھ کھانا شروع کر دو۔!“

”مم.... میری سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”بے فکر ہو.... تمہاری اس غلطی کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔!“
 اُس نے ایک پیسٹری اٹھائی تھی اور اس طرح کھانے لگی تھی جیسے مار مار کر کھلائی جا رہی ہو۔
 عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میں تمہیں دو ماہ کی چھٹی مع تخواہ دلا سکتا ہوں.... اپنے باپ کو لے کر گاؤں چلی جاؤ۔!“
 ”لیکن.... لیکن....!“

”ہاں ہاں کہو.... کیا کہنا چاہتی ہو۔!“

”آپ میرے لئے یہ سب کیوں کریں گے۔!“

”کیونکہ تم ایک سیدھی سادھی لڑکی ہو۔ تمہارا ضمیر ابھی اتنا مردہ نہیں ہوا ہے کہ سیدھی راہ دکھائی جانے کے باوجود بھی بھٹکتی رہو۔!“

اُس نے سر جھکالیا۔ شاید جذبات کی کشش میں مبتلا ہو گئی تھی۔

چائے ختم کر کے عمران نے کہا۔ ”اب تم باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی بجائے میری گاڑی میں بیٹھنا۔!“

”کک.... کیوں....؟“

”یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ اُس نے کسی کو ہماری نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے یا نہیں۔!“
 عمران کا خیال غلط نہیں ثابت ہوا تھا۔ گاڑی تھوڑی ہی دور چلی ہوگی کہ ایک موٹر سائیکل نمایاں طور پر تعاقب کرتی ہوئی نظر آئی تھی۔

”مجھ پر نظر رکھنے کے علاوہ اور کیا ہدایات ملی تھیں۔!“ عمران نے ڈی شیلڈ پر نظر جمائے ہوئے لڑکی سے سوال کیا۔!

”مجھے صرف آپ اور سر سلطان کے مابین ہونے والی گفتگو سننی ہوتی تھی۔!“

”کب سے یہ سلسلہ جاری ہے....؟“

”گزشتہ بارہ یوم سے....!“

”تم کس طرح ہماری گفتگو سنتی تھیں۔!“

”اُس نے مجھے ایک چھوٹا سا الیکٹرونک بگ اور اُس کا ریسور دیا تھا۔ الیکٹرونک بگ اب بھی سر سلطان کی میز کے نیچے پوشیدہ ہو گا۔ ریسور میرے پاس موجود ہے۔!“

”یہ چیزیں اُس نے تمہیں براہ راست نہ دی ہوں گی۔!“

”نہیں براہ راست دی تھیں اور اُن کا استعمال بھی بتایا تھا۔!“

”یقین کرو.... وہ تمہیں ضرور مار ڈالے گا.... اگر تم نے میرے مشوروں پر عمل نہ کیا۔!“

وہ تھوک نکل کر بولی ”گاؤں میں تو بالکل ہی غیر محفوظ رہوں گی.. اُسے میرے گاؤں کا علم ہے۔!“

”تب تو وہاں جانا فضول ہے۔ خیر کچھ اور سوچتے ہیں۔ کیا معاوضہ دے رہا ہے ان خدمات

کا....!“

”کچھ بھی نہیں۔!“

”بہت بھولی ہو.... شاید تم سے بھی شادی کر لینے کا وعدہ کیا ہو۔!“

اُس نے بوکھلا کر عمران کے چہرے کی طرف نظر اٹھائی تھی اور عمران بولا تھا۔ ”قابو میں نہ

آنے والی لڑکیوں کو اسی طرح رام کرتا ہے۔!“

”میں کیا کروں....!“ اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”فی الحال جان بچانے کی کوشش کرو.... یہاں بھی تمہارے لئے کسی محفوظ جگہ پر رہائش کا

انتظام ہو سکتا ہے۔ لیکن تمہیں اُس وقت تک نظر بندوں کی سی زندگی بسر کرنی پڑے گی جب تک

میں کہوں۔!“

وہ خاموش رہی.... عقب نما آئینے میں اب بھی وہ موٹر سائیکل دکھائی دے رہی تھی جس

نے کیفے میزان کے قریب سے گاڑی کا تعاقب شروع کیا تھا۔

”ہمارا تعاقب جاری ہے....!“ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن تم مڑ کر پیچھے نہ دیکھنا۔!“

”مم.... میرا سر چکر رہا ہے.... غشی طاری ہو رہی ہے۔!“

”خود کو سنبھالو اور بے فکر ہو جاؤ.... وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ تعاقب کرنے

والے کو اس کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ اُسے اپنی رپورٹ دے سکے اور تم اپنے تائینا باپ سمیت

کسی محفوظ مقام پر پہنچا دی جاؤ گی۔!“



ریکارڈ یارقیہ نے تو پرانے مسلمانوں کے بھی چھکے چھڑا کر رکھ دیئے تھے۔ بات بات پر الجھتی تھی۔ اس وقت پردے کی بحث چھڑی ہوئی تھی۔

”تم لوگ گمراہ ہو گئے ہو۔!“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”میں تو اب ہر گز بے پردہ باہر نہیں نکلوں گی۔ ظاہر کو مجبور کرو کہ میرے لئے برقعہ خرید لائے اور تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم بے پردہ کیوں ہو گئی ہو۔!“

”میں ایک آفس میں کام کرتی ہوں.... اور وہاں پردے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔!“ رخسانہ ہنس کر بولی۔

ماں کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو جوش مسرت سے اُس کا چہرہ دکنے لگا۔ ”رخسانہ سے بولی۔“ دیکھ اسے کہتے ہیں نور ایمان.... جسے بھی اوپر والا عطا کر دے.... صدقے تیری شان کریں گے.... ایک میم.... ایسی باتیں کر رہی ہے.... اور ہمارے دیدوں کا پانی مارتا جا رہا ہے۔!“

جب ریکا تک اُس کی بات پہنچی تو اُس نے کہا۔ ”تمہارے پُرانے لوگوں میں کسی قدر اسلام باقی ہے لیکن نئے لوگ۔!“

”نئے لوگ حالات سے مجبور ہیں۔!“ رخسانہ بولی۔ ”اب مجھے ہی دیکھو کوئی مرد کمانے والا نہیں ہے۔ تو پھر کیا ہم فاقے کریں اور مرجائیں۔!“

”تمہاری اسلامی حکومت عورتوں کے لئے کوئی الگ انتظام کیوں نہیں کرتی۔ تمہیں مردوں کے دوش بدوش لانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم لوگ تو تنگ آ گئے ہیں اس زندگی سے.... ہماری عورتیں اب صرف گھروں ہی کی ذمہ داریاں سنبھالنا چاہتی ہیں۔ گھروں تک محدود رہنا چاہتی ہیں۔!“

”بس کرو....!“ رخسانہ ہنس کر بولی۔ ”ہمیں بگاڑ کر اب خود گھروں میں بیٹھنا چاہتی ہو۔!“

”پتا نہیں خود ہم لوگ کیسے بگڑے تھے۔!“ ایک صدی پہلے ہمارے نچلے طبقوں کی عورتیں بھی گھروں تک محدود تھیں۔ آہا.... لیکن ٹھہرو.... پھر وہ شیطانی دور بھی تو آیا تھا جسے صنعتی

انقلاب کا دور کہا جاتا ہے۔ سرمایہ دار ابھرے تھے اور انہوں نے سارے وسائل کو اپنے قبضے میں

لے لیا تھا۔ متوسط طبقہ مفلوک الحالی میں مبتلا ہو گیا تھا اور اُس کی عورتیں گھروں سے باہر نکل آئی

”میں تم لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔!“

”ارے رقیہ بھابی کے لئے تو جان تک دی جاسکتی ہے۔!“

”چا نہیں تم بھائی بہن کیا باتیں کر رہے ہو.....!“ ریکا بول پڑی۔

”رخسانہ تمہیں دنیا کی عظیم ترین عورت ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔!“

”پچاس سال پہلے یہیں کی ہر عورت عظیم عورت رہی ہوگی۔ ویسے میں سمجھتی ہوں پردے

کی بات ہو رہی ہوگی یہ مجھ سے باہر چلنے کو کہتی ہیں اور میں کہتی ہوں کہ برقعے کے بغیر اب باہر نہیں نکلوں گی۔!“

”آجائے گا..... برقعہ بھی آجائے گا۔!“

”مجھے باہر نکلنے کا شوق نہیں ہے..... دن بھر ماں کا ہاتھ بٹاتی ہوں..... گھر کے کاموں میں

اس طرح حقیقی مسرت سے ہم کنار ہوتی ہوں۔!“

طاہر کچھ نہ بولا۔ رخسانہ نے ہنس کر کہا۔ ”مجھے تو اب کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ آفس سے

آکر چین سے لیٹ جاتی ہوں۔!“

”پھر تم کیوں چاہو گی کہ ایسی بھابی کہیں اور چلی جائے۔!“ طاہر مسکرا کر بولا۔

”یقین کیجئے ان کی جدائی کے تصور ہی سے دل خون ہو جاتا ہے۔!“

”کیا مجھ سے بھی چھین لینے کا ارادہ ہے۔!“

”بس اب تو ساتھ ہی رہنے کو دل چاہتا ہے۔!“

”ہاں ہم ساتھ ہی رہیں گے.....!“ رقیہ رخسانہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔



صفدر اور نیو موٹر سائیکل سوار کا تعاقب کر رہے تھے..... عمران نے ٹرانس میٹر کے ذریعہ

بلیک زیرو سے رابطہ قائم کر کے کچھ ہدایات دی تھیں اور بلیک زیرو نے انہیں صفدر اور نیو تک

پہنچا دیا تھا۔ وہ ایک گاڑی میں روانہ ہوئے تھے اور عمران سے رابطہ قائم کیا تھا۔ پھر براہ راست عمران

ہی سے..... انہیں ہدایات ملنے لگی تھیں اور بالآخر انہوں نے اُسے جالیا تھا۔ موٹر سائیکل پر بھی

نظر پڑی تھی اور نیو بے ساختہ چونک کر بولا تھا۔ ”یار مجھے تو یہ کوئی عورت معلوم ہوتی ہے۔!“

”ہو سکتا ہے.....!“

تھیں۔ ہم اس طرح بگڑے تھے اور اب یہی کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے..... تم سب بھی سرمایہ

داروں کی ترقیوں کے لئے کوشاں ہو۔!“

”ارے تم مذہب سے سیاست کی طرف آگئیں۔!“ رخسانہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

”میں پاگل ہو جاؤں گی۔ جن لوگوں میں پناہ لینے آئی تھی وہ پہلے ہی سے ہمارے ہی نقش

قدم پر چل رہے ہیں۔!“

”میں طاہر صاحب سے کہوں گی کہ وہ تمہارے لئے برقعہ خرید لائیں اپنے لئے بھی خریدوں

گی۔ لیکن دفتر تو بے پردہ ہی جانا پڑے گا۔ ورنہ سب لوگ مضحکہ اڑائیں گے۔!“

رات کو طاہر آیا تو رخسانہ نے اُسے آج دن بھر کی روداد سناتے ہوئے کہا۔ ”وہ کہتی ہیں کہ

میں برقعے کے بغیر باہر نہیں نکلوں گی۔!“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے.....!“ طاہر نے خوش ہو کر کہا۔ ”ویسے میں خود بھی نہیں چاہتا کہ

وہ ابھی باہر نکلے۔!“

”کیوں.....؟“ رخسانہ نے حیرت سے پوچھا۔

”میرے کسی مردود عزیز نے فرانس سے اُس کی تصویر میرے گھر والوں کو بھجوا دی ہے اور

وہ اُسے سارے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔!“

”کمال ہے.....! لیکن وہ اب کریں گے کیا.....؟“

”اگر اس تک اُن کی رسائی ہو گئی تو ہماری زندگی تلخ کر کے رکھ دیں گے۔!“

”آخر کب تک.....؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ اسے یہاں سے لے کر کہیں باہر ہی چلا جاؤں..... یہی کرنا پڑے گا

مجھے ورنہ یہاں زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔!“

”کتنی بُری بات ہے..... ارے رقیہ بھابی تو ہم سے بھی بہتر ہیں۔!“

”تمہارے خیالات معلوم کر کے خوشی ہوئی۔!“

”یقین کیجئے..... آپ خوش قسمت ہیں۔!“

”اب تم ہی بتاؤ کہ ایسی فطرت سے میں کیسے متاثر نہ ہوتا۔!“

”اچھی بات ہے..... تو آپ ابھی ہر گز برقعہ نہ لائیے گا۔ اسی بہانے وہ گھر ہی تک محدود

رہیں گی اور آپ کسی دشواری میں نہیں پڑیں گے۔!“

”مذاق نہیں.... اذرار فقا تیز کرو....!“

”نہیں اتنا ہی فاصلہ مناسب ہے۔!“

”بال سمیٹ کر خود کے نیچے چھپا لئے ہیں اور چمڑے کی جیکٹ کی بنا پر جسامت کسی قدر مردانہ لگ رہی ہے۔!“

”تمہیں عورتوں کے خواب آنے لگے ہیں۔!“

”پچاس پچاس روپے کی ہوتی ہے۔!“

”میں نے تمہارے خیال کی تردید تو نہیں کی۔!“

دفتر صندرنے ڈیش بورڈ کے خانے سے ٹرانس میٹر کار سیور نکالا اور عمران سے مخاطب ہوا۔ ”ہم اُس سے قریب پچاس گز کے فاصلے پر ہیں۔!“

”ٹھیک ہے.... یہی فاصلہ برقرار رکھو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”مزید کوئی ہدایت....!“

”میں اگلے چوراہے سے بائیں جانب مڑوں گا۔ پھر دو ڈھائی میل آگے جا کر اگر موقع دیکھو تو اُسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ خیال رہے کہ اُسے وہیں سے براہ راست سائیکو مینشن پہنچانا ہوگا۔!“

”بیہوش کرنا پڑے گا۔!“

”ظاہر ہے....!“ دوسری طرف سے آواز آئی ”ڈارٹ گن....!“

”بہت بہتر....!“ صندرنے ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

”یہ خوب رہی.... میاں عورت ہے اسے لکھ لو....!“ نیو نے کہا۔

”کیا فرق پڑتا ہے....!“

”ڈارٹ گن چلاؤ گے بیچاری پر....!“

”اگر تم کسی دوسرے طریقے سے بیہوش کر سکو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔!“ صندر طویل سانس لے کر بولا۔

گاڑیوں کی دوڑ جاری رہی.... اگلے چوراہے سے عمران نے اپنی گاڑی بائیں جانب موڑی تھی اور نیوا جھل پڑا تھا۔

”کمال ہے....!“ اُس نے صندر کے زانو پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”عمران صاحب کی گاڑی میں

بھی کوئی عورت ہے۔!“

”میں بھی تو کوئی عورت نہیں لگ رہا۔!“

”میں قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ بھی کوئی عورت ہی ہے۔!“

”بس ختم کرو.... ہوگی....!“

”ایک عورت ساتھ اور دوسری تعاقب کر رہی ہے۔!“

”کچھ ادھر ادھر گھروں میں بھی بیٹھی عمران ہی کے گیت گارہی ہوں گی۔ آخر تم اتنے حیرت زدہ کیوں ہو۔!“

”عورتوں کے معاملے میں بے حد بد ذوق آدمی ہے۔!“

صندر کچھ نہ بولا.... موٹر سائیکل بھی بائیں جانب مڑی تھی۔ صندر کی گاڑی کا رخ بھی ادھر ہی ہو گیا۔

”چکر کیا ہے....؟“ نیو نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”چکر بھی وہی حضرت جانیں۔!“

”یہ طریق کار بسا اوقات بڑی دشواریوں میں ڈال دیتا ہے۔!“

”ایکس ٹو کی پالیسی بدلو اسکو تو کوشش کر دیکھو.... ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔!“ صندر سر ہلا کر بولا۔

”یار بے حد خوں خوار آدمی ہوگا۔!“

”لیکن عمران صاحب کبھی کبھی اُس سے اپنی بات بھی منوالیتے ہیں۔!“

”مسخرے تو بادشاہوں کی دھجیاں بھی اڑا دیا کرتے تھے۔!“

”کیا بولتے رہنا ضروری ہے....!“ صندر نے خشک لہجے میں کہا۔

”خیر ختم کرو.... اب تو آگے پیچھے کوئی گاڑی بھی نہیں دکھائی دیتی قریب قریب سناٹا ہے۔!“

”ذرا صبر کرو....!“ صندرنے کہا اور پھر ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے سے نکال کر عمران کو متوجہ کیا۔

”ہلو! اُس نے ماؤ تھ پیس میں کہا۔ ”اب آپ اپنی گاڑی کی رفتار کم کر کے کچے میں اتار دیجئے۔!“

”ٹھیک ہے....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

موٹر سائیکل کی رفتار بھی کم ہوئی تھی۔ لیکن وہ کچے میں عمران کی گاڑی کے پیچھے نہ جاسکی

سیدھی نکلی چلی گئی.... صفدر نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھائی اور موٹر سائیکل کے برابر پہنچ گیا۔
وہ سچ مچ عورت ہی تھی....! جین اور جیکٹ میں ملبوس سر پر آہنی خود اس طرح منڈھا ہوا
تھا کہ بال چھپ گئے تھے۔! اُس نے سر گھما کر کینہ توڑ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔
ادھر صفدر نے اپنی گاڑی کو بائیں جانب دبانے شروع کیا۔ موٹر سائیکل سے فاصلہ بتدریج کم
ہوتا جا رہا تھا۔ جب صرف ایک فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو عورت چیخ کر بولی ”کیا ارادے ہیں....
موت تو نہیں آئی۔!“

پھر یک بیک اُس نے بریک لگایا تھا۔! صفدر بھی غافل نہیں تھا۔ اُس کی گاڑی کے بریک
بھی چڑچڑائے تھے۔!

عورت نے دونوں پیر سڑک پر نکادے تھے اور انہیں گھورے جارہی تھی۔ دفعتاً صفدر نے
ڈش بورڈ کے خانے سے ڈارٹ گن نکالی جو اعشاریہ تین دو کے پستول سے زیادہ بڑی نہیں تھی۔
”کک.... کیا مطلب....!“ وہ بائیں جانب جھکتی ہوئی ہکلائی۔

دوسرے ہی لمحے میں صفدر نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا تھا۔ ڈارٹ نکل کر عورت کے کان کے
قریب گردن میں بیوست ہو گئی۔

”یہ.... یہ.... یہ.... کک.... کیا....!“ عورت کی آنکھیں پھیل گئیں اور پھر ان کی
ہیت میں بے بصارتی کی جھلکیاں بھی ملنے لگیں۔!

نیو دروازہ کھول کر نیچے کودا اور قریب تھا کہ عورت موٹر سائیکل کی سیٹ سے پھسل جاتی
اُس نے جھپٹ کر اُسے سنبھال لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُن کی گاڑی کی پیچلی سیٹ پر غافل پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کو ایک
چادر میں اچھی طرح ڈھانپ دیا تھا۔ قبول صورت اور صحت مند عورت تھی۔ عمر پچیس کے لگ
بھگ رہی ہوگی۔ مقامی ہی معلوم ہوتی تھی۔ واپسی کے سفر میں صفدر خاصی تیز رفتاری کا مظاہرہ
کر رہا تھا۔ عمران کی گاڑی کہیں بھی نہ دکھائی دی۔

”پتا نہیں بیچاری کون ہے....! یہ بھی تو ممکن ہے عمران صاحب غلط فہمی میں مبتلا ہوں....
ایسے اتفاقات پیش آتے رہتے ہیں۔!“

”کیا تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہوا ہے....!“ صفدر نے سوال کیا۔

”نہیں....! مجھے حالات کا علم نہیں ہے۔!“

”تو پھر رائے زنی بھی نہ کرو....!“

”اُوہ....! میرا خیال ہے کہ پوری ٹیم میں اُن کے سب سے بڑے طرف دار تھی ہو۔!“

”اس لئے کہ میرے علاوہ شاید ہی کوئی انہیں اچھی طرح جانتا ہو۔!“

”اور میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ وہ بات بات پر تمہارا مضحکہ بھی نہیں اڑاتے ورنہ
شاید ہی کوئی بچا ہو۔!“

صفدر کچھ نہ بولا۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی اور وہ بلا آخر سائیکلو مینشن آ پہنچ۔
قریباً آدھے گھنٹے کے بعد اُس عورت نے آنکھیں کھولی تھیں چند لمحے چھت کی طرف
دیکھتی رہی تھی پھر گردن گھمائی اور ان دونوں پر نظر پڑتے ہی بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

وہ خاموش بیٹھی رہے اور وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ”آخر یہ سب کیا ہے.... تم لوگ کون
ہو.... اور کیا چاہتے ہو....؟“

”تم بتاؤ کہ تم کون ہو.... اور کیا چاہتی ہو....؟“ نیو نے اُسی کے سے لہجے میں سوال کیا۔

”پاگل معلوم ہوتے ہو....! کیا میں تم دونوں کو یہاں اٹھالائی ہوں۔!“

”ایسا مقدر کہاں اپنا....!“ نیو ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”واقعی ایسا مقدر نہیں ہو سکتا....! کیونکہ صورت ہی سے چھد لگ رہے ہو۔!“ اُس نے
ترسے کہا اور نیو دنگ رہ گیا۔

عورت کمزور اعصاب کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اول اول جو اضطراب اُس کے چہرے پر
نظر آیا تھا اب اس کا کہیں پتا نہ تھا۔!

صفدر نے نیو کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور مسکرا کر بولا۔ ”کوئی اور اس طرح اظہار
خیال کرتا تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے۔!“

”ارے تو تمہی کون سے بڑے گفام ہو....!“ عورت نے ہاتھ نچا کر کہا۔

”بس....!“ صفدر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم اس گاڑی کا تعاقب کیوں کر رہی تھیں۔!“

”تم سے مطلب....؟“

”نہیں....! مجھ سے غلطی ہوئی.... سوال اس طرح ہونا چاہئے....! تمہیں کس نے اس

کام پر مامور کیا تھا۔!“

”یہ بھی غلط ہے....!“ عقب سے عمران کی آواز آئی۔ ”یہ پوچھو کہ تمہیں پیدا ہوا جانے کا

مشورہ کس نے دیا تھا۔!

وہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ عورت چونک کر اُسے گھورنے لگی۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عمران کی شکل دیکھتے ہی شدت سے غصہ آگیا ہو۔! ”تو یہ تمہاری حرکت تھی بے ایمان۔۔۔!“ وہ دانت پیس کر بولی۔

عمران خاموش کھڑا رہا۔ ویسے پل بھر کے لئے اُس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔

”میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنے گرے ہوئے آدمی ثابت ہو گے۔!“

اب صفدر اور نیو نے بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمران کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ عورت کے لہجے سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں کے درمیان پرانی شناسائی ہو۔! عمران خاموش ہی رہا۔ عورت کڑک کر بولی۔ ”بتاؤ وہ کتنا کون ہے جسے ساتھ لئے گھوم رہے تھے۔!“

”کتنا نہیں۔۔۔ لڑکی ہے۔۔۔!“ عمران بولا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ بے غیرتی کی۔۔۔ تم نے میری زندگی برباد کر دی۔!“

”جج۔۔۔ جج۔۔۔!“ عمران کی آنکھیں نکل پڑیں۔

”کیا وہ سب کچھ فریب تھا۔ وہ خوبصورت باتیں۔۔۔ وہ زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ۔!“

”ارے باپ رے۔۔۔!“ عمران دونوں ہاتھوں سے پیٹ تھام کر رہ گیا۔!

صفدر اور نیو معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

”بولو۔۔۔ خاموش کیوں ہو گئے۔۔۔!“ وہ بے حد جذباتی انداز میں کہتی رہی۔ ”تم تو کہا کرتے

تھے جب سے تمہیں دیکھا ہے کوئی صورت نظر پہ چڑھتی ہی نہیں۔۔۔ پھر وہ کون ہے جسے تم

ساتھ لئے پھرتے ہو۔۔۔ بولو۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ان دونوں غنڈوں

سے میرے ساتھ یہ برتاؤ کراؤ گے۔!“

”غنڈوں۔!“ عمران کے ہونٹ دائرے کی شکل میں سکڑ کر رہ گئے اور وہ اُن دونوں کو

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔

اُدھر وہ دونوں بھی جواب طلب نظروں سے عمران کو دیکھے جا رہے تھے۔

”تم خاموش کیوں ہو۔۔۔ میری بات کا جواب دو۔!“

”محترمہ۔۔۔ محترمہ۔۔۔ شاید یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔۔۔!“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔
”وغا باز۔۔۔!“ وہ دانت پیس کر بولی۔ ”یہ تم کہہ رہے ہو۔۔۔ تم۔۔۔ جس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔۔۔ جھوٹے وعدے کر کے لوٹ لیا۔!“

”ٹھہریئے۔۔۔!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔۔۔ ڈائری دیکھنی پڑے گی۔۔۔ کیا آپ کو وہ تاریخ یاد ہے جب ہم پہلی بار ملے تھے۔!“

”ارے مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے صدیاں بیت گئی ہوں تمہارے ساتھ۔!“
”محسوسات کی بات نہ کیجئے۔۔۔!“ یہ سائینس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے! زندگی کی تیز رفتاری میں شکلیں تو یاد نہیں رہتیں نام کسے یاد رہیں گے۔۔۔ نام اور تاریخ پلیز۔۔۔!“
”فریبی۔۔۔ مکار۔۔۔!“

”میں پہلے ڈائری دیکھ لوں پھر ایسے حتمی فیصلے صادر فرمائیے گا۔!“ عمران نے خشک لہجے میں کہا۔
”مجھے جانے دو۔۔۔!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ بیٹھ جائیے۔۔۔ آپ نے مجھ پر فریبی ہونے کا الزام لگایا ہے۔!“ عمران نے کہا اور صفدر سے بولا۔ ”ذرا میری ڈائری تو اٹھالانا۔۔۔!“

”کک۔۔۔ کون سی ڈائری۔۔۔!“

”کوئی پچاس ڈائریاں ہیں میرے پاس۔۔۔!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”جاؤ اسی سال والی ڈائری چاہئے جس پر جولیا نافنر دائر تحریر ہے۔!“

صفدر نے سر کو جنبش دی سمجھ گیا تھا کہ وہ جولیا کو بلوانا چاہتا ہے۔۔۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔۔۔ نیو بھی اٹھا تھا۔

”جی نہیں۔۔۔!“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”آپ تشریف رکھئے۔۔۔ اس آواز و نظم کے بعد بھی آپ مجھے یہاں تنہا چھوڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔!“

نیو کھیانی سی ہنسی کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”ہنسے نہیں۔۔۔ عبرت پکڑیئے۔۔۔!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”اگر مجمع زیادہ ہو جائے تو نام تک یاد نہیں رہتے۔!“

”آخر تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔۔۔!“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”ڈائری آجانے دیجئے۔۔۔ پھر آپ سے بات کروں گا۔!“

وہ مزید کچھ کہنے والی تھی کہ جو لیا کرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے پیچھے صغیر تھا۔

”اس عورت کو جانتی ہو....!“ عمران نے جولیا سے پوچھا۔

”کیوں نہیں....! یہ پرنس ہوٹل کی پریزیڈنٹ آفسر دیکھا ہے۔!“

”تو.... نام تو ہوا دیکھا....! اب یہ بتاؤ کہ میری اس سے پہلے ملاقات کب ہوئی تھی؟“

”میں بتاؤں....؟“ جولیا غرائی۔

”ہاں ہاں.... اس کا دعویٰ ہے کہ میں نے اس سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔!“

”شادی کا وعدہ.... اور تم....!“ جولیا نے استہزائیہ سا قہقہہ لگایا۔

”مک.... کیوں....؟“ عمران ہلکایا۔

”ہو سکتا ہے کر لیا ہو وعدہ.... لیکن ابھی تم شادی کے قابل کہاں ہوئے ہو۔!“

”ساتم نے....!“ عمران نے خوش ہو کر دیکھا سے پوچھا۔

”لیکن.... یہ تو نہیں تھی گاڑی میں....!“ دیکھا اس بار انگلیں ہی میں بولی۔

”ڈائری ساتھ نہیں لئے پھر تا.... یہ بیہوش رکھی رہتی ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”کیا مطلب....؟“ جولیا نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

”مطلب بعد میں بتاؤں گا.... فی الحال یہ مسئلہ درپیش ہے کہ یہ کس کے کہنے سے میرا

تغائب کر رہی تھی۔!“

”تم اب بھی وہی بکواس کئے جاؤ گے ظالم آدمی۔!“ دیکھانے کسی قدر دردناک لہجے میں کہا۔

”شٹ اپ....!“ عمران کا لہجہ یکھت بدل گیا۔

”اوہ.... تو اب دھونس بجاؤ گے....!“ دیکھانے بھی آنکھیں نکالیں۔

”اس وہم میں نہ رہنا کہ اب تمہارا باس انور سردار تمہارے لئے کچھ کر سکے گا۔ میری مملکت

میں کسی کی بھی نہیں چلتی۔!“

”باس کا نام کیوں لے رہے ہو۔!“

”اس لئے کہ تم محض دکھاوے کی پریزیڈنٹ آفسر ہو۔!“

”ایسی بیوقوفی کی باتیں میں نے پہلے کبھی نہیں سنی۔!“

”تب تو تمہارا یہ دعویٰ باطل ہے کہ تم اسے پہلے ہی جانتی ہو....!“ جولیا نے خشک لہجے میں

کہا۔ ”بیوقوفی کی باتوں کے علاوہ رکھا کیا ہے اس بیچارے کے پاس۔!“

”مجھے جانے دو....!“ دیکھا پھر اٹھی۔

”ہلد اکار لوس کہاں ہے....؟“ عمران اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”میں کسی ہلد اکار لوس کو نہیں جانتی۔!“

”ہو سکتا ہے نہ جانتی ہو۔ لیکن تمہیں انور سردار ہی نے میرا تعاقب کرنے کا حکم دیا تھا۔!“

”باس حکم دیتا ہے اور ملازم تعمیل کرتے ہیں۔!“

”شادی کا وعدہ یاد دلانا ہی شاید تعمیل حکم کا دوسرا نام ہے۔!“

”وہ تو میں نے بات بتائی تھی۔!“

”تو تمہیں اعتراف ہے کہ انور سردار....!“

”ہاں.... ہاں مجھے اعتراف ہے۔ میں اُس وقت سے تمہاری نگرانی کر رہی ہوں جب سے تم

نے ان کی مجبورہ مس نوشاد کے ساتھ گھومنا شروع کیا ہے۔ بے حد شکی مزاج کے آدمی ہیں۔!“

”یہ دوسری ہوئی....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”اگر تم اس حد تک اُس کے اندرونی معاملات میں دخل ہو تو پھر ہلد اکار لوس کے بارے

میں بھی بہت کچھ جانتی ہوگی۔!“

”کہتے رہو....!“ وہ لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر بولی۔

”یہاں سے باہر نہیں جاسکتیں اور تمہیں مزید سوچنے کا موقع بھی دینا چاہتا ہوں۔!“ عمران

نے کہا۔ پھر اُس نے دوسروں کو بھی باہر چلنے کا اشارہ کیا تھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔!

دیکھا جہاں تھی وہیں بیٹھی رہی۔ وہ چلے گئے اور اُس نے دروازے کے قفل میں کنجی گھومنے

کی آواز سنی۔

یک بیک اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دکھائی دیئے.... جیسے اب تک محض

دکھاوے کے لئے اکڑ قائم رکھی تھی۔



مس نوشاد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔! وہ ایک بڑی سی عمارت میں لائی گئی

تھی اور عمران اُسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اپنے تائینا باپ کے لئے.... پریشان تھی جب مقررہ وقت پر وہ گھر نہ پہنچی ہوگی تو اُس کا کیا حال ہوا ہوگا۔

مس نوشاد کی آنکھیں بھر آئیں۔ عمران نے تو وعدہ کیا تھا کہ اُس کے باپ کی بھی حفاظت کی جائے گی۔ لیکن کس طرح....؟ اُسے کہاں لے جایا جائے گا۔ اُس کی وضاحت نہیں کی تھی! یہاں اس عمارت میں کئی افراد تھے اور اُن کا رویہ خادمانہ تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے پوچھتے رہتے تھے کہ اُسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ٹھیک آٹھ بجے انہی میں سے ایک نے اطلاع دی تھی کہ اُسکی فون کال آئی ہے اور اُسے اُس کمرے میں لے گیا تھا جہاں انٹرومنٹ رکھا ہوا تھا! دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔ ”تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔!“

”قطعاً نہیں....! لیکن میرے پیلا....!“

”مطمئن رہو.... وہ محفوظ ہیں اور انہیں سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے.... خود بھی سرکاری ملازم رہ چکے ہیں اس لئے انہیں حالات کا اندازہ ہے.... تم اس وقت اُن سے فون پر گفتگو کر سکو گی.... کیا انہیں ریسیور دوں!“

”نہیں....! فی الحال میں خود میں ہمت نہیں پاتی.... آخر میں انہیں کیا بتاؤں گی!“

”ٹھیک ہے....! میں سمجھتا ہوں....! ہاں پرنس کی پریز آفیسر ریکھا کو جانتی ہو!“

”بس صورت آشنا ہوں....! کبھی بات چیت نہیں ہوئی!“

”وہی ہمارا تعاقب کر رہی تھی!“

”میں سمجھی تھی کوئی مرد ہے۔!“

”مردانہ لباس میں تھی اور خاصے فاصلے پر تھی اس لئے میں بھی اندازہ نہیں کر پاتا تھا۔!“

”تو اُس کا کیا ہوا....!“

”ہو تا کیا....! واپس جا کر اپنے باس کو اطلاع نہیں دے سکی۔!“

”تو مجھے کب تک یہاں رہنا پڑے گا۔!“

”جب تک ضرورت ہوگی.... ویسے تمہارے پیلا تم سے زیادہ دور نہیں ہیں....! اسی

عمارت میں ہیں۔ لیکن میں بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ تم ابھی اُن سے ملو....!“

”لیکن میں فوری طور پر آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔!“

”کوئی خاص بات....!“

”ہو سکتا ہے کوئی خاص بات پیدا ہو ہی جائے۔ ابھی تک میں آپ کی باتوں کے جواب دیتی رہی ہوں آپ سے کچھ نہیں پوچھا۔!“

”فون پر پوچھ سکتی ہو....!“

”کیا یہ مناسب ہوگا۔!“

”فکر نہ کرو....! یہاں کی لائنیں محدود نظام سے تعلق رکھتی ہیں۔!“

”آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ آخر یہ سب کچھ ہو کیا رہا ہے۔!“

”تم نے بھی تو نہیں بتایا کہ اُس نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیسے کیا تھا....! تم ایسی تو نہیں معلوم ہوتیں کہ کوئی غیر قانونی کام کر گزرو۔!“

”میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہی تھی۔! مجھے ان بڑے افسروں کی غیر قانونی حرکات کا پردہ فاش کرنا تھا جو قانون کا احترام نہیں کرتے۔!“

”تمہاری بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔ ریسیور رکھ دو میں خود ہی آرہا ہوں۔!“ اور پھر پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔!

”تم تو رہ رہ کر ہوش اڑا رہی ہو....!“ اُس نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”عمران صاحب....! حقیقتاً مجھ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا....! انور سردار ایک محب وطن آدمی ہے۔!“

”ہم سبھی محب وطن ہیں اپنے اپنے طور پر....! میں یو تونی کو رواج دینے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے انور سردار کے سلسلے میں مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔ بڑی مہربانی ہوگی تمہاری

اگر اس سلسلے میں میری رہنمائی کرو۔!“

”آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔!“

”یہی کہ انور سردار وطن کی محبت میں کیا کر رہا ہے۔!“

”وہ آج کل سر سلطان کو اسٹڈی کر رہے ہیں۔!“

”میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔!“

”انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ آپ جیسے غیر متعلق آدمی کو سرکاری رازوں سے آگاہ کریں۔ آخر آپ کی حیثیت کیا ہے....! یہ عالی شان عمارت آپ کے ہاتھ کیسے لگی یہاں کی شان و شوکت

اور ملازمین کی فوج دیکھ کر میری عقل دنگ رہ گئی ہے۔“
 ”واقعی یہ بات تو سوچنے کی ہے۔“ عمران اس طرح بولا جیسے کسی اور کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی ہو۔!

”آپ سر سلطان سے سرکاری راز حاصل کر کے غیر ملکی ایجنٹوں کے ہاتھوں بھاری داموں میں فروخت کرتے ہیں اور اس میں سر سلطان کا بھی حصہ ہوتا ہے۔“
 ”خدا کی پناہ....!“ عمران دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ اُسے عجیب سے نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ بالآخر عمران نے کہا۔ ”لیکن پہلے تم اتنی زور کیوں ہو گئی تھیں کہ جو کچھ میں کہتا رہا کرتی رہیں۔!“

”بعض باتیں ذرا دیر سے سمجھ میں آتی ہیں۔!“

”اور اس طرح سمجھ میں آتی ہیں کہ بساط بھی اُلٹ جاتی ہے....!“

”میرے پایا کہاں ہیں۔!“

”آرام سے ہیں.... اُن کی فکر نہ کرو.... ہاں تو سردار کو اس پر اعتراض ہے کہ سر سلطان مجھے سرکاری رازوں میں شریک کر لیتے ہیں۔!“
 ”وہ ایسے سارے آفیسروں کی نگرانی کر رہے ہیں جو محکموں کے قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔!“

”اچھا.... اچھا.... میں سمجھ گیا.... بھلا وہ کون کون سے محکمے ہیں۔!“

”مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے، سردار نے مجھے اتنا ہی بتایا تھا۔!“

”بہر حال تم سے پھر یو تو فی سرزد ہو گئی ہے.... اگر مجھے اور سر سلطان کو مجرم سمجھتی ہو تو اتنی کھل کر گفتگو نہ کرنی چاہئے تھی....! اب تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ میری طرف سے کسی رعایت کی گنجائش رہ گئی ہے۔!“
 ”کیا مطلب....!“

”اب اپنے باپ سمیت خود کو میری قیدی سمجھو....! میں کب چاہوں گا کہ میری یا سر سلطان کی گردن کٹ جائے.... اب تو ہم دونوں بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔!“
 ”تم مجھے قید میں نہیں رکھ سکتے....!“ یک بیک وہ جھلا کر بولی۔
 ”ابھی تک تو وہی ہوا ہے جو میں نے چاہا ہے۔!“

”دیکھا جائے گا.... آپ کچھ بھی کریں عمران صاحب سردار کو اس کی اطلاع ہو جائے گی کیونکہ وہ سر سلطان کے آفس کے باہر بھی آپ کی نگرانی کراتے رہے ہیں۔!“
 ”اُف.... فوہ....! یہ نئی اطلاع بھی پھسل ہی گئی آپ کی زبان سے.... واقعی یہ سردار بالکل چغند ہی معلوم ہوتا ہے۔!“
 ”کیا مطلب....!“

”اُس کے بارے میں سب کچھ مجھے بتائے دے رہی ہو.... آخر اُس نے کیا سمجھ کر آپ کو اپنے اس راز میں شریک کیا تھا۔!“

وہ کچھ نہ بولی.... اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنی قابو میں نہ رہنے والی زبان کو دل ہی دل میں کوس رہی ہو۔!“

”یہ اُس کی پرانی کمزوری تھی کہ دوسروں سے خود کو طباع اور ذہین تسلیم کرا لینے کے چکر میں کبھی کبھی اپنی کھال سے بھی باہر نکل جانے کی کوشش کرتی تھی۔ ویسے حقیقتاً وہ اتنی ذہین تھی اور نہ اتنی سمارٹ۔!“

عمران خاموشی سے اُس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے زور زور سے رونا اور اپنے بال نوچنا شروع کر دیتے تھے۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو۔



رخسانہ متحیر رہ گئی جب اُس نے ربیکا یا رقیہ کو چوتھے دن ہی اردو بولتے سنا۔ وہ تو بالکل اُسی کی طرح اردو بول رہی تھی اور اُس کی ماں کی ہو بہو نقل اتار کر رکھ دی تھی۔ بالکل اُسی کے سے انداز میں کہہ رہی تھی ”رخسانہ بیٹی! میرے تو پہونچے دکھنے لگے اب یہ دو فر اکیس تم دھو ڈالو۔!“
 ”بتاؤ نا....! میں صرف نقل اتار سکتی ہوں مفہوم سے بے خبر ہوں....!“

”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اتنی کامیاب مثال ثابت ہو گی۔!“ رخسانہ نے کہا اور ربیکا ہنس پڑی۔ پھر رخسانہ اُسے اُس جملے کا مفہوم بتانے لگی۔

”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے اسٹیج ڈراموں سے دلچسپی رہی ہے۔!“ ربیکا نے کہا۔
 ”میک اپ بھی کر سکتی ہوں... کہو تو تمہاری شکل ہی بدل کر رکھ دوں کبھی تم نے غور کیا کہ میزری

آئے گا کہ میں ایک کامیاب اداکارہ ہوں۔!“

”کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔!“

”اس کی ذمہ داری مجھ پر!“ ربیکا اکر کر بولی پھر چند لمحے خاموش رہ کر پوچھا ”کیا تم دفتر میں زیادہ تر انگریزی بولتی ہو۔!“

”ہاں۔۔۔۔!“ رخصانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ تر انگریزی بولتی ہوں۔!“

”تب تو یہ دشواری بھی رفع ہوئی میں بالکل تمہاری آواز اور تمہارے لہجے میں انگریزی بول سکوں گی۔۔۔۔۔ لو سنو۔۔۔۔۔!“

پھر اُس نے سچ بج بالکل اُسی کی سی آواز اور لہجے میں بولنا شروع کر دیا تھا۔ رخصانہ کا سر چکرا گیا اور کانوں میں سیٹیاں سی بننے لگیں۔!“

”تو پھر میں جاؤں دفتر۔۔۔۔۔!“ ربیکا نے پوچھا۔!

”جاؤ۔۔۔۔۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے کچھ خوف سا محسوس ہو رہا ہے۔!“

”تم فکر نہ کرو۔۔۔۔۔! میں بھی کئی دنوں سے گھٹ رہی رہوں۔۔۔۔۔! تھوڑی سی تفریح ہو جائے گی لیکن ماں کو اس کے بارے میں ہرگز نہ بتانا۔!“

”تمہاری عدم موجودگی اور اپنی موجودگی کا کیا جواز پیش کروں گی۔!“ رخصانہ نے پوچھا۔
”کہہ دینا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور میں تمہاری چھٹی کی درخواست لے کر دفتر گئی ہوں۔“

”اور پھر تم شام تک واپس نہیں آؤ گی۔!“

”اس کے لئے میں خود ہی کوئی عذر سوچ رکھوں گی تم فکر مت کرو۔!“

ماں اس وقت گھر پر موجود نہیں تھی۔۔۔۔۔ خورد و نوش کا سامان لینے مارکیٹ گئی ہوئی تھی۔! رخصانہ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ ایسی کوئی حرکت ہو لیکن وہ خاطر خواہ طور پر اس کی مخالفت نہ کر سکی۔۔۔۔۔ اور ربیکا اُسی طرح آفس چلی گئی۔

ماں کی واپسی پر رخصانہ نے اُسے وہی بتایا جس کا مشورہ ربیکا دے گئی تھی پھر جیسے وقت گذرتا رہا تھا ماں کی تشویش بھی بڑھتی رہی تھی۔

”تم سے بڑی غلطی ہوئی رخصانہ۔۔۔۔۔!“ اُس نے کہا۔ ”ایسی کون سی آفت آگئی تھی تم کل خود ہی عرضی لکھ کر دے دیتیں۔۔۔۔۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم طاہر کو کیا منہ دکھائیں گے۔!“

ناک اور دہانے کی بناوٹ تمہارے دہانے اور ناک کی بناوٹ سے کتنی ملتی جلتی ہے۔!“

”نہیں تو۔۔۔۔۔!“ رخصانہ بولی۔

”بالکل یکساں ہیں۔۔۔۔۔! یقین کرو۔۔۔۔۔! البتہ میری آنکھوں کی بناوٹ مختلف ہے۔ اسی کی بناء پر تم محسوس نہیں کر سکیں۔ میرے بال سنہرے ہیں اور تمہارے سیاہ اگر میں کالی وگ لگا لوں اور تاریک شیشوں کی عینک استعمال کروں تو کوئی بھی مجھے ربیکا کی حیثیت سے نہیں پہچان سکے گا۔ بس یہی معلوم ہو گا کہ تم نے عینک لگالی ہے۔!“

”یقین نہیں آتا۔!“

”ابھی ثابت کئے دیتی ہوں۔۔۔۔۔! میرے پاس کالی وگ بھی موجود ہے۔!“

وہ اپنا سوٹ کیس اٹھا کر ہاتھ روم میں چلی گئی۔ اور رخصانہ کمرے میں بیٹھی عینک عینک کر رہی۔ عجیب و غریب لڑکی تھی یہ ربیکا بھی۔!

تھوڑی دیر بعد ربیکا اُسی ہیئت کدائی میں ہاتھ روم سے برآمد ہوئی جس کا تذکرہ کر کے گئی تھی۔ رخصانہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی اُس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دوسری رخصانہ تاریک شیشوں کی عینک لگائے اُس کے سامنے کھڑی تھی۔!

”خدا کی قسم حیرت انگیز۔۔۔۔۔!“ وہ بدقت کہہ سکی۔!

”اور دیکھو کیا میں تمہاری طرح چلتی نہیں ہوں۔!“ ربیکا اُس کی چال کی نقل اتار کر بولی۔ ”مگر نہیں بھلا تمہیں اپنی چال کا کیا اندازہ ہو گا۔ کیوں نہ آج تمہاری جگہ میں ہی دفتر چلی جاؤں۔!“
رخصانہ کچھ نہ بولی۔

”خاصی تفریح رہے گی۔۔۔۔۔ طاہر میری اس صلاحیت سے آگاہ نہیں ہیں۔!“

”تب تو واقعی بڑا مزہ رہے گا۔!“ رخصانہ بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر بولی۔

”تو پھر چلی جاؤں۔!“

”جیسا تمہارا دل چاہے۔۔۔۔۔ ویسے طاہر بھائی کہیں بعد میں ناراض نہ ہوں۔!“

”کیا سمجھتی ہو۔۔۔۔۔ میں انہیں بتاؤں گی۔۔۔۔۔ بتاؤں گی اُس وقت جب وہ میری کسی حرکت کا ذمہ دار تمہیں ٹھہرائیں گے۔!“

”کک۔۔۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔۔۔!“

”شام کو دوڑے آئیں تم سے تمہارے کسی رویے کا سبب پوچھنے اور تب ہی مجھے بھی یقین

”واقعی بہت بُرا ہوا.... اب میں اُن کا سامنا کیسے کروں گی!“
 ”میں کیا جانوں....!“ ریکا نے لاپرواہی سے کہا۔
 ”ارے یہ تم کہہ رہی ہو۔!“

”میں ہی کہہ رہی ہوں.... مزہ تو اب آئے گا.... جب ماں کہے گی کہ رخسانہ تو آج آفس
 ہی نہیں گئی اور وہ کسی طرح بھی تمہاری باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔!“
 ”اور تم خاموش رہو گی....!“
 ”میری حیثیت ایک تماشائی کی ہو گی۔!“
 ”کیا یہ کوئی اچھی بات ہو گی۔!“

ریکا کچھ نہ بولی.... اس وقت وہ بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ رخسانہ بار بار حیرت سے
 اُسے دیکھنے لگتی۔
 اور پھر ایک گھنٹے کے بعد طاہر بھی آپہنچا تھا....! رخسانہ کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ لہک کر
 اُس کا استقبال کرے ویسے اُس پر کھسیا ہٹ کا دورہ بھی پڑ گیا تھا۔!
 ”خدا کا شکر ہے....! تمہارا موڈ تو ٹھیک ہوا....!“ طاہر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”مجھے حیرت
 ہے کہ آج تمہیں کیا ہو گیا تھا۔!“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آج تو میں دفتری نہیں گئی تھی۔!“
 ”میں بھی یہی سمجھنا چاہتا ہوں کہ آج تم دفتری نہیں گئی تھیں....!“ طاہر نے کہہ کر
 ٹھنڈی سانس لی۔!

”خدا کی قسم آج میں دفتر نہیں گئی تھی.... ماں سے پوچھ لیجئے۔!“
 ”کیوں اس قسم کی باتیں کر رہی ہو.... خیر ہو گا.... چلو اس سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ
 تمہیں اپنے رویے پر ندامت ہے۔!“

”اُن دونوں کے درمیان انگلیں گھٹکتی ہوئی تھی۔ لیکن ریکا لا تعلق بنی بیٹھی رہی تھی۔
 نہ کچھ بولی تھی اور نہ کسی موقع پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ رخسانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا
 کرے۔ کیونکہ سچی بات بتا دینے میں مزید شرمندگی اٹھانے کا خدشہ بھی لاحق ہو گیا تھا۔ اگر ریکا
 اپنے قول کے مطابق مکر جاتی تو شاید طاہر رخسانہ کی دماغی صحت ہی کی طرف سے مشکوک
 ہو جاتا۔ لہذا اُس نے تہہ کر لیا کہ خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے گی اور پھر طاہر نے بھی بات ختم

”بس غلطی ہوئی امی.... وہ بھی تو بہت ضدی ہے....! جس بات پر اڑ جاتی ہے کر ہی کے
 دم لیتی ہے....!“ رخسانہ نے بچاگر سے کہا۔
 ”اللہ کی حفاظت میں دیا۔!“ ماں ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ویسے شام ہوتے ہوتے اُس کی
 حالت خراب ہو گئی تھی۔

آخر ٹھیک ساڑھے چار بجے ریکا کی آواز سنائی دی وہ سیاہ برقعے میں واپس آئی تھی چہرے پر
 نقاب بھی پڑی ہوئی تھی۔ برقعہ اتارا تو اُس میں ریکا ہی برآمد ہوئی۔ رخسانہ نہیں....! رخسانہ
 خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی تھی۔
 ”ماں سے کہہ دو کہ میں نے برقعہ خریدا تھا اور سارے شہر میں گھومتی پھری تھی۔ کئی دن
 سے گھر میں بیٹھے بیٹھے تنگ آ گئی تھی....!“ ریکا نے کہا۔

ماں نے رخسانہ کے توسط سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تھا اور ریکا ہنس کر بولی تھی۔ ”ماں کو
 اطمینان دلا دو کہ میں کوئی نصی ہی بچی نہیں ہوں۔ اپنا تحفظ خود کر سکتی ہوں۔!“
 وہ بات ختم ہو گئی تھی اور رخسانہ نے اُس سے دفتر کے بارے میں پوچھا تھا۔
 ”بس مزہ آگیا....!“ وہ ہنس کر بولی۔ ”کچھ ہی دیر بعد شاید طاہر بھی پہنچ جائیں۔!“
 ”آخر ہوا کیا....؟“

”طاہر سے بحیثیت رخسانہ لڑ گئی تھی۔!“
 ”تب تو انہوں نے تمہیں پہچان لیا ہو گا۔!“
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!“
 ”پھر کیا کیا تم نے....!“
 ”کچھ بھی نہیں.... پھولی بیٹھی رہی.... دوبار کیمین میں معذرت کرنے آئے تھے لیکن میں
 نے لفٹ ہی نہیں دی۔!“

”خدا کی پناہ....! پھر بعد میں انہیں بتایا تھا یا نہیں۔!“
 ”کیوں بتائی.... بحیثیت رخسانہ گئی تھی اور اُسی طرح واپس آئی ہوں۔!“
 ”یہ تو بہت بُرا ہوا۔ لیکن لڑائی کیسے ہوئی تھی۔!“
 ”کچھ کاغذات ٹاپ کرنے کے لئے بھجوائے تھے۔ میں نے غلط سلسلہ ٹاپ کر کے واپس
 کر دیے اور پھر دوبارہ ٹاپ نہیں کئے۔!“



سر سلطان بے حد متفکر نظر آرہے تھے.... عمران مس نوشاد کے بارے میں سب کچھ بتا چکا تو بولے.... ”آخر اُسے روکے رکھنے سے کیا فائدہ.... حوالات میں ڈال دو اور کیس بناؤ....!“

”ابھی نہیں....! انور سردار پر ابھی تک اسی لئے تو ہاتھ نہیں ڈالا جاسکا تھا کہ اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا!“ عمران نے کہا۔

”ہوں.... تو پھر....!“

”اسی طرح کے کم از کم دو شاہد اور مل جائیں تو میدان آپ ہی کے ہاتھ رہے گا!“

”اچھی طرح سوچ لو....!“

”بے فکر رہئے.... اس طرح دیر تو لگے گی لیکن کام پکا ہو گا!“

”اور وہ دوسری عورت.... ریکھا....!“

”اُس نے کسی قسم کا کوئی واضح اعتراف نہیں کیا تھا اسی لئے اس کے ساتھ دوسری تدبیر کی

گئی ہے!“

”وہ کیا....؟“

”رات بھر بند رکھنے کے بعد صبح چھوڑ دیا۔!“

”کیا بات ہوئی....!“

”بات یہ ہوئی کہ ہوش میں آنے کے بعد اور خود کو آزاد محسوس کرنے کے باوجود بھی اُس نے پرنس ہوٹل کا رخ نہیں کیا تھا اور نہ وہیں گئی جہاں اُس کا قیام ہے.... میرے آدمی اُس کی نگرانی کر رہے ہیں۔!“

”تو اُسے چھوڑ کیوں دیا....!“

”میرے خیال سے وہ انور سردار کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔ ممکن ہے ہلدا کارلوس سے متعلق بھی معلومات رکھتی ہو۔ لیکن کسی طرح کچھ اگل دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ لہذا یہ طریق کار اختیار کیا.... بحالت بیہوشی اُسے سائیکو مینشن سے باہر نکالا گیا اور ایک ویرانے میں موٹر سائیکل سمیت چھوڑ دیا گیا۔!“

”بات کو بڑھاتے بہت ہو....!“

عمران کچھ نہ بولا.... تھوڑی دیر بعد سر سلطان نے کہا ”ہلدا کارلوس کی تصویر شائع کرانے کی مخالفت ہو رہی ہے سفارت خانے کی طرف سے۔!“

”ہونی ہی چاہئے....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”تصویر شائع ہو جانے پر اُس کے صورت آشنا لائحہ دو ہو جائیں گے۔ اس طرح اُس کے مل جانے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔!“

”آخر تمہیں کس بناء پر یقین ہے کہ وہ ابھی تک شہر سے باہر نہیں جاسکی۔!“

”اپنے آدمیوں کی کارکردگی کی بناء پر پولیس بھی پوری طرح ہوشیار ہے۔ ناکہ بندی مزید سخت کردی گئی ہے وہ شہر سے باہر نہیں جاسکتی۔!“

”اگر نکل ہی گئی تو....؟“

”میرا اور آپ کا مقدر....!“

”جانتے ہو کیا ہو گا اس کا انجام....!“

”کئی ممالک سے ہمارے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔!“ عمران نے خوش ہو کر کہا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ سر سلطان نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ کال ریسیور کی اور پھر

ریسیور عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری کال ہے۔!“

عمران نے ریسیور لے لیا دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی تھی۔ ”اُس نے فلیئیر

میں کمرہ حاصل کر لیا ہے۔ اپنے گھر نہیں گئی.... کمرہ نمبر ایک سو بارہ۔!“

”ٹھیک ہے.... اُسے کڑی نگرانی میں رکھا جائے.... فلیئیر میں کون ہے۔!“

”صفدر اور نیو....!“

”ٹھیک ہے....!“ عمران نے کہا۔ ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور سر سلطان سے بولا۔ ”میرا

اندازہ غلط نہیں تھا۔ اُس نے فلیئیر میں کمرہ لیا ہے۔ نہ اپنے گھر گئی اور نہ ہی پرنس کا رخ کیا....

بہت کچھ جانتی ہے.... انور سردار کے بارے میں اور بخوبی سمجھتی ہے کہ اگر انور سردار کو شبہ بھی

ہو گیا کہ میری قید میں رہ چکی ہے تو اُس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔!“

سر سلطان کچھ نہ بولے۔

عمران چیونگم کا ایک پیس اُن کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”ہیو ون....!“

سر سلطان نے اُسے بڑی طرح گھورا تھا۔!

”لیکن تمہارا ایک اندازہ ابھی تک غلط ثابت ہوا ہے۔“ انہوں نے عمران سے کہا۔

”کون سا اندازہ....؟“

”تم نے کہا تھا کہ سفیر ابھی ایک رپورٹ اور درج کرائے گا جس میں ہلدا کا تعاقب کرنے

والوں میں سے صرف ایک کا حلیہ وضاحت کے ساتھ ہو گا اور یہ تمہارا ہی حلیہ ہو گا۔“

”بہت سمجھ دار آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یا پھر وہ اتنا محتاط ہے کہ خود اُس نے انور سردار سے

براہ راست رابطہ نہیں رکھا۔ بیٹی کے توسط سے معاملات ہوئے ہوں۔ خصوصیت سے میرے ہی

خلاف شبہ ظاہر کرنے والا انور سردار ہی ہو سکتا ہے۔“

سر سلطان کسی سوچ میں پڑ گئے تھے۔ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”خدا حافظ۔“

سر سلطان نے سر کو جنبش دی تھی اور اُن کی آنکھوں میں فکر مندی کے آثار کچھ اور گہرے

ہو گئے تھے۔

دفتر سے نکل کر عمران نے فلیٹ کی راہ لی۔ اُسے علم تھا کہ اُس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ایک

بہت پرانے موڈل کی شکتہ فورڈ دفتر سے روانہ ہوتے ہی پیچھے لگ گئی تھی جس نے فلیٹ تک پہنچا

کر ہی دم لیا۔

ادھر جوزف بیٹھائیں کھا رہا تھا کیونکہ کچھ ہی دیر پہلے کسی نے فون پر عمران کو بے نقط سنائی

تھیں اور جوزف کے توسط سے اُسے متنبہ کیا تھا کہ وہ آگ سے کھیل رہا ہے۔

”ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے....“ عمران اُس کا شانہ تھپک کر بولا۔

”مجھے بتاؤ باس وہ کون ہے.... میں اُس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔“

”اگر وہ ہڈیاں تڑوانے کا خواہش مند ہو تا تو کم از کم اپنا نام ضرور بتا دیتا۔“

”نام تو نہیں بتایا تھا۔“ جوزف نے مایوسی سے کہا۔ ”لیکن تم تو جانتے ہو گے باس....“

”میں گالیاں دینے والوں سے اُن کے نام نہیں پوچھا کرتا....“

”اپنا کام کر.... کیوں وقت عزیز کو کھوتا ہے اور اگر ہڈیاں ہی توڑنی ہیں تو سلیمان کی توڑ دے۔“

”کیوں باس....؟“

”اپنی بیوی کو بھی مونگ کے پاؤ بنانے کی ترکیب بتا دی ہے۔“

”بڑے اچھے بناتی ہے باس.... میں نے بھی کھائے تھے۔“

”اور تجھے شرم نہیں آئی تھی اتنے بڑے ذیل ڈول سے کر کر کر کی آوازیں نکالتے ہوئے۔“

”سوری سر....! بھول گیا تھا کہ آپ کے دانت نقلی ہیں۔“

”تمہارے باپ کے تو اصلی ہیں کبھی انہیں پیش کر کے دیکھو....“

”انہوں نے مسوڑھوں کے اندر فکس کر رکھے ہیں۔ اگر ایک نکل گیا تو اُس خلاء کو پر نہیں

کیا جاسکے گا اور یہ ایک بڑا قومی نقصان ہو گا۔“

”میرے لئے نئی اطلاع ہے....!“

”کسی سے کہئے گا نہیں۔“ عمران بائیں آنکھ دبا کر آہستہ سے بولا۔ ”ورنہ کہیں گے کہ بیٹھائی

بڑھاپے کی پیلٹی کرتا پھر رہا ہے۔“

”واقعی بہت نالائق ہو....!“ سر سلطان نے کہا.... پھر سنبھل کر بولے۔ ”یہ کیا بکواس

شروع کر دی.... انور سردار کی بات ہو رہی تھی۔“

”ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔“ عمران سر کھچتا ہوا بولا۔ ”انور سردار کے خلاف کم از کم

تین ایسے گواہ ضروری ہیں جو اُس کی زندگی کے بیشتر پہلوؤں سے واقف ہوں۔“

”وقت ضائع کر رہے ہو....!“ سر سلطان نے کہا ”صرف ہلدا کارلوس کی تلاش پر زور دو۔“

”اُس کا آپ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے کہ ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک

سے چلے جانے پر مجبور کر دیں۔“

”لیکن وہ چیز تو ہاتھ آجائے گی جو اُس کے قبضے میں ہے۔“

”اُس کے بعد انور سردار دس عدد نئی ہلدا میں پیدا کر لے گا۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ جہاں تم نے اُس کے معاملے کو باضابطہ طور پر آگے بڑھانے کی

کوشش کی۔ کوئی بڑی رکاوٹ سامنے آکھڑی ہوگی۔“

”میں سمجھتا ہوں.... اسی لئے تو ضابطے کے بغیر ہی کام چلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”پھر گواہوں کی فکر کیوں ہے....!“

”میں اُسکی طرف سے ناامید بھی نہیں ہوں کہ اُسکے خلاف باضابطہ کارروائی ہو سکے گی۔“

”سنو....! میں باعزت طور پر ریٹائر ہونا چاہتا ہوں۔“

”جناب عالی....! وہ صرف بڑے باپ کا بیٹا ہے.... سب سے بڑے باپ کا بیٹا نہیں۔“

فون کی گھنٹی پھر بجی تھی....! سر سلطان نے ریسیور اٹھایا تھا۔ سنتے رہے اور پھر یہ کہہ کر

ریسیور رکھ دیا۔ ”فائل اسد صاحب کے پاس جائے گا۔“

”ٹھہرو باس.... میری بات سن لو.... کچھلی رات میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا جیسے تم نے ایک شیرنی پالی ہے اور جب بھی تم کھانا کھانے بیٹھے ہو تو وہ تمہیں کرا کر تمہارے سینے پر چڑھ بیٹھتی ہے!“

”اور کھانا پکا تا کون ہے....!“

”یہ تو نہیں دکھائی دیا تھا!“

”کاش کوئی شیرنی ہی مجھے سلیمانی موگ کی دال سے نجات دلوا سکتی!“

”باس....! میرے اس خوف ناک خواب کو مذاق میں نہ نالو!“

”یعنی میں سچ کچ کسی شیرنی کو اپنے سینے پر سوار کرالوں....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”تم شادی نہیں کرو گے باس....!“

”اب وہ کہہ رہی ہے!“

”میں نے تمہارے ساتھ کبھی کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو یہ کہہ سکے!“

”تو ایسی عورت کو پہچان ہی نہیں سکتا....! بکواس مت کر....!“

فون کی گھنٹی پھر بجی تھی اور عمران نے ریسیور اٹھالیا تھا۔! اس بار دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز آئی۔

”ہلدا کارلوس والے کیس سے تمہارا کیا تعلق ہے۔!“

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ کسی سفیر کی بیٹی ہے۔!“

”مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم اس کا تعاقب کرتے رہے ہو۔!“

”سر سلطان کو بھی یہی اطلاع دی گئی ہے۔ لیکن اطلاع دینے والے کا نام انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔!“

”میں بتائے دیتا ہوں....!“ رحمان صاحب کی غصیلی آواز آئی۔ ”مجھے انور سردار نے اطلاع دی ہے۔!“

”جھگڑے سے پہلے یا بعد میں۔!“

”کیا مطلب....؟“

”مجھے بھی اطلاع ملی ہے کہ کسی پارٹی میں آپ کا اُس سے جھگڑا ہوا تھا۔!“

”صحیح اطلاع ملی ہے اور تم سے متعلق اس نے مجھے جو اطلاع دی تھی اُس پر جھگڑا ہوا تھا۔!“

”آئی تو تھی باس....!“ جوزف جھینپ کر بولا۔

”کہاں ہیں دونوں نا ہنجا....!“

”میٹنی شور دیکھنے گئے ہیں۔!“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور جوزف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم ٹھہرو باس کہیں وہی نہ ہو۔!“

اُس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔ ”ہیلو....!“

پھر کسی قدر بوکھلائے ہوئے انداز میں عمران کی طرف دیکھا۔

”کوئی عورت ہے باس....!“ وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولا اور عمران نے آگے بڑھ کر ریسیور اُس کے ہاتھ سے لے لیا....!

”ہلو....!“

”کون! مسٹر عمران....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہاں....! میں ہی بول رہا ہوں۔!“

”آپ نے یہ کیا کیا! کیوں پکڑا تھا.... کیوں چھوڑ دیا.... اب میری زندگی خطرے میں ہے۔!“

”کہاں سے بول رہی ہو....!“

”فلیئرز کے کمرہ نمبر ایک سو بارہ سے.... گھر نہیں جاسکتی.... اٹھارہ گھنٹے کی غیر حاضری نے

اُسے شبہات میں مبتلا کر دیا ہوگا۔!“

”میں نے اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ تم باقاعدہ طور پر بارات لے کر آ جاؤ میں نے شادی کا وعدہ

کیا تھا۔!“

”مسٹر عمران پلیز....! مجھے بچائیے.... جتنا کچھ جانتی ہوں سب بتا دوں گی۔ ابھی مرنے کو

دل نہیں چاہتا۔!“

جوزف حیرت سے آنکھیں پھاڑے عمران کو دیکھے جا رہا تھا۔ عمران ماؤتھ پیس میں بولا۔

”اچھی بات ہے۔! وہیں ٹھہرو.... میں کچھ کروں گا۔!“

ریسیور رکھ کر جوزف کی طرف مڑا۔

”کس سے شادی کا وعدہ کیا تھا باس....!“ وہ بوکھلا کر بولا۔

”شیطان کی خالہ سے.... اپنے کام سے کام رکھو....!“

”لیکن یہ تو کئی دن کی بات ہے....! یعنی ہلد اکارلوس کے غائب ہو جانے سے پہلے کی!“
عمران نے کہا۔

”تم کیا کہنا چاہتے ہو....!“ رحمان صاحب بھنا کر بولے۔
”یہی کہ وہ پیش بندی تھی مجھے علم ہے کہ سفیر نے بھی اپنی رپورٹ میں کسی تعاقب کرنے والے کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی نشان دہی نہیں کی۔ انور سردار نشان دہی کر رہا ہے۔!“
”کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہو۔!“

”کس سلسلے میں....!“ عمران نے سوال کیا۔

”ہلد اکارلوس کے سلسلے میں۔!“

”اُس کے کسی معاملے کا مجھے علم نہیں۔!“

”کیا سر سلطان کا حکم اُس میں دلچسپی لے رہا تھا۔!“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ میں ہلد اکارلوس کا تعاقب کرتا رہا ہوں۔!“

”میں نے تم سے سوال کیا ہے۔!“ رحمان صاحب غرائے۔

”بہتر ہوتا اگر آپ یہ سوال سر سلطان ہی سے کرتے۔! وہ سارے کام ٹھیکے پر نہیں کراتے۔

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی کام انہوں نے میرے ذمے نہیں ڈالا۔!“

”سنو....! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم انور سردار سے نہ الجھو....!“

”اور وہ خواہ مخواہ مجھے بدنام کرتا پھرے.... میرے باپ کو باور کرانے کی کوشش کرے کہ

میں لڑکیوں کا تعاقب کرتا ہوں۔!“

”گھر کب آرہے ہو۔!“

”جب آپ حکم دیں۔!“

”کیا تمہیں علم ہے کہ کئی دنوں سے کچھ لوگ تمہارا بھی تعاقب کر رہے ہیں۔!“

”نہیں تو....!“ عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اور وہ اسی کے آدمی ہیں۔!“

”یعنی کہ وہ سیر لیس ہو گیا ہے۔!“

”عمران بکواس مت کرو.... مجھے بتاؤ کہ ہلد اکارلوس کہاں ہے۔!“

”یعنی کہ انور سردار نے تو صرف تعاقب کی بات کی تھی اور آپ کا خیال ہے کہ میں نے

اُسے اغواء کر لیا ہے۔!“

”میں کہتا ہوں بکواس مت کرو....!“

”جی بہت اچھا....!“ کہہ کر عمران نے ریسپورڈ کریڈل پر رکھ دیا اور جوزف کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اپنے سعادت مند اندر روئے کی داد طلب کر رہا ہو۔!



سار جنت نیو کی ڈیوٹی پر نس ہوٹل میں لگائی گئی تھی اور وہ میسی فاؤلر کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے لئے اس نے اسی راہداری کا ایک کمرہ حاصل کیا تھا۔ جس میں میسی کا کمرہ تھا۔ میسی بہت خوبصورت تھی، حرکات و سکنات سے ایسا لگتا جیسے رگوں میں خون کی بجائے پارہہ رکھتی ہو۔ کھڑی ہے تو تھرک رہی ہے بیٹھی ہے تو تھرک رہی ہے چلتی ہے تو لگتا جیسے یہ بھی رقص ہی کا کوئی انداز ہو۔ گاتی بھی تھی اور اس وقت تو اُس کے تماشائیوں کا بُرا حال ہو جاتا جب وہ اردو کی کسی فلمی غزل کی نقل اُتارتی.... پر نس کا ڈائیننگ ہال کچھ بھر رہا تھا اس کی وجہ سے....!

ہفتے میں دو راتیں آرام کی ہوتی تھیں۔ وہ اُن راتوں میں اپنے فن کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی لیکن اس کے باوجود بھی پر نس والوں کی آمدنی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ کیونکہ میسی کی وجہ سے لوگ اپنی میزیں کئی کئی دنوں کے لئے مخصوص کر لیتے تھے ان میں سے زیادہ تر اس چکر میں آتے تھے کہ شانہ اند کی رسائی میسی فاؤلر تک ہو جائے لیکن وہ کسی کو گھاس نہیں ڈالتی تھی۔ جب وہ شو کے لئے تیار ہو کر اپنے کمرے سے برآمد ہوتی تو اُسے راہداری میں ان لوگوں کی بھیڑ نظر آتی جو اُس سے فرصت کے اوقات میں ملنے کے منتفی ہوتے۔!

نیو کو علم تھا کہ آج رات کو میسی کا شو نہیں ہو گا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے کمرے ہی تک محدود نہ رہے گی کوئی نہ کوئی اُسے لے اڑے گا اور وہ اُسی کے ساتھ پر نس کے باہر رات گزارے گی۔! یہ ”شرف“ زیادہ تر ہوٹل کے مالک انور سردار کے دوستوں ہی میں سے کسی کو حاصل ہوتا تھا۔ ویسے نیو یہ سوچ سوچ کر بور ہو تا رہا کہ اُسے اس حال میں بھی اُس کی نگرانی کرنی ہے۔!

ٹھیک اٹھ بجے وہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈائیننگ ہال میں آیا تھا اور کاؤنٹر کے سامنے پڑے ہوئے اسٹولوں میں سے ایک پر بیٹھ کر کلرک سے ٹیلی فون ڈائرکٹری طلب کی تھی۔! مقصد اس

”ہاں اب بتاؤ کہ میں تمہارے کس کام آسکتا ہوں۔!“

”میرے ساتھ باہر چلو۔۔۔۔!“

”ضرور چلوں گا۔!“

”دراصل میں اُن لوگوں سے تنگ آگئی ہوں جو مجھے باہر لے جاتے ہیں۔ شام سے کئی کالیں آچکی ہیں لیکن میں اُن کے ساتھ شام نہیں گزارنا چاہتی۔! وہ سب ایک ہی طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے سبھوں سے کہہ دیا ہے کہ آج ایک پرانا دوست مل گیا ہے جو کبھی فرانس میں رہتا تھا۔!“

”تم نے غلط نہیں کہا۔۔۔۔ میں تین ماہ پیرس میں بھی رہ چکا ہوں۔!“

”اگر کوئی مل جائے تو اس سے کہہ دینا مجھے اس وقت سے جانتے ہو جب میں ریٹا کہلاتی تھی۔!“

”ریٹا۔۔۔۔ یہ نام بھی خوبصورت ہے۔!“

”بس تو پھر چلیں۔۔۔۔!“ میسی میز پر سے اپنا پرس اٹھاتی ہوئی بولی۔

دونوں کمرے سے باہر نکلے تھے۔

میسی نے کہا ”اس کارڈیڈور کے سارے مکینوں میں تم ہی ڈھنگ کے لگے تھے۔!“

”شکریہ۔۔۔۔! لیکن تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کس قسم کی گفتگو پسند کرتی ہو۔!“

”وہ جو میری ذات سے متعلق نہ ہو۔ مجھے علم ہے کہ میں خوش شکل ہوں۔ پھر کیا ضروری ہے کہ تم بات بات پر مجھے مطلع کرتے رہو کہ میں بہت خوب صورت ہوں۔!“

”وہ جھوٹے ہیں۔۔۔۔ تم قطعی خوبصورت نہیں ہو۔!“ نیو نے کہا۔

”یہ ہوئی نابات۔!“

”لیکن میں واقعی بہت خوبصورت ہوں۔۔۔۔ کیونکہ تم نے اس کارڈیڈور میں صرف میری

طرف توجہ دی ہے۔!“

”یہ گوارا ہے کہ میں تمہارے منہ سے تمہارے ہی حسن کی تعریف سن لوں۔!“

جب وہ ڈائیننگ ہال سے گذر کر صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے تو اُن کی جانب

بے شمار نظریں اٹھی تھیں لیکن وہ کسی کی طرف توجہ دیئے بغیر باہر نکلے چلے آئے تھے۔

”کہاں چلو گی۔۔۔۔؟“ نیو نے پوچھا۔

”اب یہ بھی میں ہی بتاؤں۔!“

”اچھی بات ہے۔۔۔۔ تو یہ مجھ پر چھوڑ دو۔!“ نیو نے کہا اور نیکی اسٹینڈ کی طرف بڑھتا رہا۔

کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ میسی کا انتظار کرے۔۔۔۔ وہ ادھر ہی سے گذر کر باہر جاتی۔۔۔۔!

اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورق گردانی شروع کر دی۔! ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ

روم سروس کے ایک آدمی نے اُسے ایک پرچہ تھماتے ہوئے کہا۔ ”آپ کے لئے ہے جناب۔!“

نیو نے اُس سے پرچہ لے لیا۔ تحریر دیکھی اور متحیرانہ انداز میں پرچہ لانے والے کو دوبارہ

دیکھنا چاہا۔۔۔۔ لیکن وہ جا چکا تھا۔ اُس نے پھر تحریر پر نظر ڈالی۔

”تمہیں حیرت ہوگی لیکن مجھ سے مل لو میرے

پڑوسی ہونا۔۔۔۔ کمرہ نمبر سترہ میں رہتے ہو۔!“

تحریر کے نیچے کمرے کا جو نمبر لکھا ہوا تھا وہ میسی فاؤلر کے کمرے کے نمبر کے علاوہ اور کسی کا

نہیں ہو سکتا تھا۔!

نیو سناٹے میں آگیا۔۔۔۔ اس کا مطلب۔۔۔۔ کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ وہ اُس کی نگرانی کر رہا

ہے۔ لیکن اُس نے تو بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ تو پھر اب کیا کیا جائے۔ وہ سوچتا رہا۔ اگر اُسے

شبہ ہو گیا ہے تو اس کمرے میں قدم رکھنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔! لیکن میسی فاؤلر۔۔۔۔ کیا خود

اُس کے دل میں یہ خواہش نہیں پیدا ہوئی تھی کہ کاش وہ بھی کچھ وقت اُس کے ساتھ گذار سکے۔

بہر حال میسی کے قرب کے احساس کی لذت بالآخر سارے اندیشوں پر غالب آگئی۔ وہ اٹھا،

ٹیلی فون ڈائریکٹری کلرک کے حوالے کی اور زیئوں کی طرف بڑھ گیا۔ میسی کے کمرے کے سامنے

پہنچ کر رکا تھا اور دروازے پر دستک دی تھی۔

”آجاؤ۔۔۔۔!“ اندر سے آواز آئی۔ اُس نے ہینڈل گھا کر دروازہ کھولا۔۔۔۔ میسی سنگھار میز کے

قریب کھڑی تھری تھی۔ اُس کی طرف مڑی اور زور سے ہنس پڑی۔ نیو نے غیر ارادی طور

پر اس کا ساتھ دیا تھا۔

”تو اس کا مطلب ہوا کہ تمہیں اس پر حیرت نہیں ہوئی۔“ میسی تھرتھرتی ہوئی بولی۔

”قطعی نہیں۔!“ نیو نے کہا۔ ”حیرت تو اس وقت ہوتی جب تم اپنے کمرے میں بلانے کی

بجائے مجھے مشورہ دیتیں کہ کسی کنوئیں میں چھانگ لگا دوں۔!“

”میں نہیں سمجھی۔!“

”ہر آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی آدمی سے مل بیٹھے۔!“

”معقول بات ہے۔۔۔۔!“ میسی سر ہلا کر بولی۔

”اگر مل ہی بیٹھا تھا تو فلیٹیز میں آنے کی کیا ضرورت تھی....! میک اپ میں بھی نہیں ہے.... اور اُسے علم بھی تھا کہ ریکھانے فلیٹیز ہی میں کمرہ لیا ہے۔!“

”کسی طرح یاد دہانی کراؤ....!“ عمران نے کہا۔

”کسی قدر مدہوش بھی ہے....! میں اُس کے قریب جانے کا خطرہ نہیں مول لے سکتا.... آگاہ کر دیا ہے اگر آپ خود آکر سنبھال سکیں تو سنبھال لیجئے۔!“

”میں آیا تو اچھی طرح سنبھال لوں گا۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ ہاں ریکھا کمرے سے نکلی تھی یا نہیں۔!“

”میرا خیال ہے کہ وہ کمرے ہی تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔!“

”ہوٹل کے عملے کے علاوہ کسی اور کو بھی اُس کے کمرے میں جاتے دیکھا۔!“

”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔!“

”خیر.... میں پہنچ رہا ہوں.... بے فکر رہو....!“ عمران نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ کر اس طرح منہ چلانے لگا جیسے یہ حرکت کوئی مناسب سی تدبیر بھادے گی۔

”کیا قصہ ہے جناب....!“ بلیک زیرو نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

عمران نے دہرایا تھا قصہ.... اور بلیک زیرو پُر تشویش لہجے میں بولا تھا۔ ”نیو اتنا حتمی نہیں معلوم ہوتا کہ خود سے چھیڑ چھاڑ کرے گا۔!“

”اگر اتنا حتمی نہیں ہے تب بھی یہ معاملہ تشویش ناک ہے.... اگر میسی ہی اُس کی طرف متوجہ ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ لوگ نیو کی حیثیت سے آگاہ ہو گئے ہیں....! دونوں ہی صورتیں خطرناک ہیں۔!“

”تو پھر اب کیا کیا جائے۔!“

”مجھے جانا ہی پڑے گا۔!“ عمران نے کہا اور اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں میک اپ کا سامان رہتا تھا۔ بڑے بالوں والی وگ لگائی تھی اور چہرے پر ڈھلکی ہوئی گھٹی مونچھوں کا اضافہ کیا تھا۔ اس طرح رائج الوقت فیشن کے مطابق اصلی صورت کو پردہ نشین کر کے فلیٹیز کی طرف روانہ ہو گیا۔ صفدر کی کال ریسیور کرنے کے بعد فلیٹیز تک پہنچنے میں قریباً پون گھنٹہ لگ گیا تھا۔ لیکن وہ دونوں کہیں نہ دکھائی دیئے اسی تلاش کے دوران میں صفدر دکھائی دے گیا۔ عمران کو علم تھا کہ وہ کس قسم کے میک اپ میں ہے۔

”کہاں ہیں دونوں....؟“ عمران نے پوچھا۔ صفدر آواز سن کر چوک پڑا تھا۔ آہستہ سے

”فلیٹیز....!“ اُس نے ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد ڈرائیور سے کہا تھا۔



عمران اس وقت رانا پیلس میں تھا۔! کچھ دیر پہلے اپنے فلیٹ میں اُس نے ایک بار پھر ریکھا کی کال ریسیور کی تھی اور فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ رانا پیلس پہنچنا چاہتا تھا لیکن تعاقب کرنیوالے کو فلیٹ ہی تک محدود رکھنا بھی مقصود تھا۔ اسلئے اُسے ڈونج دینے میں بھی کچھ وقت صرف ہوا تھا۔ ایسے مواقع کے لئے اُس نے بعض دوکانیں مخصوص کر رکھی تھیں۔ یہ ایسی دوکانیں تھیں جن میں ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری سڑک پر نکل جانا بے حد آسان ہوتا تھا۔ کیونکہ آمد و رفت کے دروازے دونوں جانب ہوتے تھے۔! بس ایسی ہی ایک دوکان کے ذریعے تعاقب کرنے والے کو ڈونج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

بہر حال اس وقت وہ بلیک زیرو سے ریکھا ہی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ بلیک زیرو کا خیال تھا کہ اُسے ریکھا سے مل لینا چاہئے۔!

”میں اُس پر اعتماد نہیں کر سکتا....!“ عمران نے کہا۔

”بات میری سمجھ میں نہیں آئی....!“ بلیک زیرو بولا۔

”وہ نوشاد سے مختلف ہے....! میرا سہارا لینے کی بجائے وہ اس بات کی کوشش کرے گی کہ انور سردار سے دور رہ کر اُسے ٹھنڈا کر لے.... انور سردار اس وقت یہی تو چاہتا ہے کہ میں کسی طرح اُس کے ہتھے چڑھ جاؤں۔ اگر ریکھا کے توسط سے وہ اُس میں کامیاب ہو جائے تو اُسے ضرور بخش دے گا۔!“

”بات سمجھ میں آرہی ہے۔!“ بلیک زیرو سر ہلا کر بولا.... اتنے میں فون کی گھنٹی بجی تھی۔

بلیک زیرو نے کال ریسیور کی۔ پھر ریسیور عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا ”آپ کی کال ہے۔!“

دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی تھی جو فلیٹیز میں ریکھا کی نگرانی پر مامور تھا۔ لیکن میک اپ میں تھا کیونکہ ریکھا اُسے دیکھ چکی تھی۔ صفدر نے اُسے اطلاع دی کہ نیو فلیٹیز میں میسی فاؤنڈر کے ساتھ رقص کر رہا ہے۔!

”اوہ.... تو وہ اُس سے مل بیٹھا ہے۔!“ عمران نے طویل سانس لی۔

بولا۔ ”دونوں رقص کر رہے تھے.... میں کیا بتاؤں.... میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا.... آپ نے آنے میں دیر کر دی.... کوئی پندرہ منٹ پہلے کی بات ہے اچانک یہاں کی بجلی فیل ہو گئی۔ شاید تین منٹ تک اندھیرا رہا تھا۔ دوبارہ روشنی ہوئی تو دونوں غائب تھے۔ سارے میں تلاش کر لیا۔“

”اور ریکھا....!“

”میں نہیں جانتا.... نیو کو میسی کے ساتھ دیکھ لینے کے بعد توجہ انہی کی طرف ہو گئی تھی.... اُس کے کمرے کی طرف نہیں گیا۔“

”شائد تم سے زندگی کی پہلی حماقت سرزد ہوئی ہے۔“ عمران نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ ”تمہیں صرف ریکھا پر نظر رکھنے کے لئے کہا گیا تھا۔ نیو کی ذمہ داری تم پر تو نہیں تھی۔ بس اتنا ہی کافی تھا کہ تم نے مجھے اس پروجیشن سے آگاہ کر دیا تھا۔“

”واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔“

”اب کڑی نظر رکھو ریکھا کے کمرے پر۔“

فلپیئر سے باہر آکر وہ ایک ڈرگ اسٹور میں پہنچا اور وہاں سے فون پر بلیک زیرو سے رابطہ قائم کر کے بولا ”تمہیں معلوم ہے کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں۔!“

”جی ہاں....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”وہ جو باہر کی ڈیوٹی پر نہیں ہیں....! انہیں فوری طور پر یہاں بھیج دو۔ آگاہ کر دینا کہ اُن سے یہیں رابطہ قائم کر لیا جائے گا۔ سب کسی ایک جگہ اکٹھا نہ ہوں۔! الگ الگ رہ کر ایک دوسرے پر نظر رکھیں۔!“

”بہت بہتر جناب....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور عمران نے ریسپورڈ کر ٹیل پر رکھ دیا۔ وہ پھر فلپیئر کی طرف پلٹا تھا۔

اُس کے ماتحتوں نے بھی وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ صفدر نے کہا۔ ”آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں....؟“

”ریکھا کے کمرے پر ریڈ کروں گا۔!“

”تک.... کیوں....؟“

”نیو اور میسی فاولر وہیں ہوں گے۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سردار کو علم نہیں ہو سکا کہ ریکھا کہاں ہے۔! آخر وہ اُس سے چھپتی پھر رہی تھی.... اُس کے پاس تو نہیں گئی۔!“

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا ”میرا خیال ہے کہ مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ بہت چالاک عورت معلوم ہوتی ہے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اُسے اس طرح کیوں چھوڑا گیا ہے۔ محض ہمیں دکھانے کے لئے ادھر ادھر بھٹکتی پھری تھی اور پھر یہاں کمرہ لے لیا تھا.... کمرے کے اندر بیٹھ کر فون پر سردار سے رابطہ قائم کر لینا کیا مشکل ہے۔!“

”خدا جانے....!“ صفدر بیزاری سے بولا۔

پھر عمران کے ماتحت دو ٹکنیوں میں تقسیم ہو کر راہداری کے دونوں سروں پر جم گئے تھے۔ عمران تہار ریکھا کے کمرے کی طرف بڑھا.... دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

”کون ہے....؟“ اندر سے نسوانی آواز آئی۔

”میدان صاف ہے....!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

دروازہ تھوڑا ہی سا کھلا تھا کہ عمران کسی ار نے بھینے کی طرح جھپٹ پڑا.... دروازہ کھولنے والی دور جاگری تھی اور تین آدمی عمران کے پستول کی زد پر تھے۔

”نہیں حضرات....!“ اُس نے رساں سے کہا۔ ”آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ اس پستول کی نال پر سائیلنسر چڑھا ہوا ہے۔ کسی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی کی تو.... آپا دو خواتین بھی ہیں.... بد تمیزی کی معافی چاہتا ہوں۔ معزز خواتین.... لیکن یہ آدمی جو بستر پر اوندھا پڑا ہوا ہے.... زندہ ہے یا مر چکا۔!“

کوئی کچھ نہ بولا۔ ریکھا فرش سے اٹھ چکی تھی اور میسی فاولر آنکھیں پھاڑے پستول کو گھورے جا رہی تھی۔

”اس کا مطلب....!“ اُن تینوں مردوں میں سے ایک بولا.... ٹھیک اُسی وقت صفدر اور چوہان بھی کمرے میں داخل ہوئے۔

”دروازہ بند کر دو....!“ عمران نے اُن کی طرف مڑے بغیر کہا۔

”آخر تم ہو کون....!“ اُسی آدمی نے اس بار کسی قدر غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ یہ زندہ ہے یا مر گیا....!“ عمران غرایا۔

”بیہوش ہے....! ہم نہیں جانتے کہ یہ کون ہے راہداری میں پڑا ملا تھا۔ ہم نے پولیس کو

فون کیا ہے۔“

عمران نے میسی کی طرف دیکھ کر اُس آدمی کا جواب انگلش ہی میں دہراتے ہوئے سوال کیا
”کیا یہ صحیح کہہ رہا ہے۔“

”ہاں.... یہی بات ہے....“ وہ جلدی سے بولی۔

”کیا تم میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا....“ عمران نے اُردو میں پوچھا۔

سب نے انکار میں سر ہلائے تھے پھر اُس نے انگلش میں میسی سے پوچھا۔ ”کیا تم اسے پہچانتی ہو؟“
”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا....!“ میسی نے کہا ”پہچانتی ہوتی تو اسے اس کے ٹھکانے پر نہ پہنچا

دیا جاتا۔ یہاں کیوں ڈال رکھتے۔!“

”اور تم لوگوں نے اس کے لئے پولیس کو فون کیا ہے۔!“

”ہاں.... ہاں.... ہاں....! کتنی بار بتایا جائے۔!“ ایک آدمی جھلا کر بولا۔

”تب تو پھر تم سب میرے ساتھ ہیڈ کوارٹر چلو گے....!“

”کیا مطلب....؟“

”میسی فائلر آج کل شہر کی جانی پہچانی شخصیت ہے۔“ عمران نے انگلش میں کہا۔ ”ریکریشن

ہال کے درجنوں افراد اس بات کی شہادت دیں گے کہ بیہوش آدمی اُسی کے ساتھ ہال میں داخل
ہوا تھا اور یہ دونوں دیر تک وہاں رقص کرتے رہے تھے۔!“

میسی کا چہرہ زرد پڑ گیا....! اور سانس تیزی سے چلنے لگی۔ عمران کہتا رہا۔ ”تم سب میرے
ساتھ چلو گے.... عقبی دروازے سے.... اگر ڈاننگ ہال سے گذرے تو پرنس ہوٹل کا
رپوٹیشن خطرے میں پڑ جائے گا۔ کیونکہ مردوں کے ہاتھوں میں جھٹکڑیاں ہوں گی۔!“

”اے ہوشیار....!“ دفعتاً دیکھا بولی۔ ”یہ عمران کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔!“

”جنہیں تم نے اپنی مدد کے لئے طلب کیا تھا۔“ عمران نے ہنس کر کہا۔ پھر سنجیدگی سے

بولا۔ ”ہوشیار بننے کا وقت گذر چکا....!“

انہیں بالآخر عمران ہی کی تجویز پر عمل کرنا پڑا تھا۔!



دوسرے دن عمران سر سلطان کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”میرے
اندازے کے مطابق ریکھا کی اسکیم یہی تھی کہ مجھے اپنے کمرے میں بلائے اور وہاں پہلے سے چھپے
آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑیں۔ ابھی میں فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میسی نیو سے مل بیٹھی
جو اُس کی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ اُسے میرے آدمی کی حیثیت سے نہیں جانتی
تھی۔ صرف تبدیلی کی خاطر اُس نے اُس کا انتخاب کیا تھا۔ سردار کے دوستوں سے ٹک آگئی تھی
لیکن جب سردار کو اطلاع ملی کہ وہ کسی جانے پہچانے آدمی کے ساتھ باہر نہیں جا رہی تو اُس نے
اُن کا تعاقب کر لیا۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ انہوں نے بھی فلیٹیز ہی کا رخ کیا۔ جہاں کے ایک
کمرے میں ریکھا مقیم تھی۔ سردار کو اطلاع ملی کہ دونوں فلیٹیز پہنچے ہیں تو اُس نے فون پر ریکھا سے
رابطہ قائم کر کے کہا کہ وہ میرے بیشتر آدمیوں کو دیکھ چکی ہے۔ ذرا فلیٹیز کے ریکریٹیشن ہال میں
جا کر دیکھے کہ میسی کے ساتھ رقص کرنے والا میرا ہی کوئی آدمی تو نہیں ہے....! ریکھا
ریکریٹیشن ہال میں پہنچی تھی اور نیو کو پہچان لینے کے بعد آپے میں نہیں رہی تھی۔ تین آدمی پہلے
ہی سے اُس کے کمرے میں موجود تھے جنہیں میری آمد کا انتظار تھا بس وہ اُن کے پاس دوڑی گئی
اور سردار کو متحیر کر دینے کے چکر میں پڑ گئی.... یعنی اُسے یہ اطلاع دیے بغیر کہ نیو میرا ہی آدمی
ہے پہلے اُسے قابو میں کر لینا چاہا.... اُن تینوں آدمیوں کو اس کام پر لگا دیا کہ وہ کسی طرح ان
دونوں کو ریکریٹیشن ہال سے اُس کے کمرے میں پہنچادیں۔ اُن بیچاروں کو بیسو جھی کہ ہال میں
اندھیرا کر کے نیو کو بیہوش کریں اور اٹھالے جائیں۔ بہر حال میں اُس کے کمرے تک اس سے
قبل پہنچ گیا تھا کہ وہ سردار کو اپنی کارگذاری کی اطلاع دے دیتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو میں اتنی آسانی
سے انہیں فلیٹیز سے نہ لاسکتا۔ سردار اُن کی مدد کے لئے کچھ اور آدمیوں کو بھیج دیتا اور وہاں خاصا
ہنگامہ برپا ہوتا۔!“

”بات پھر بھی نہیں بنی....!“ سر سلطان مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولے اور عمران حیرت
سے انہیں دیکھنے لگا۔!

”اسی طرح چلے گا پتا بھی.... ورنہ میں حضرات کا عامل تو ہوں نہیں کہ روحوں کو طلب
کر کے اُن سے اُس کا پتہ معلوم کر لوں گا۔!“

”یہ بے حد ضروری ہے عمران ورنہ تمہارے شعبے کی کارکردگی پر حرف آئے گا۔!“
”تین حرف تو پہلے ہی سے آئے ہوئے ہیں....! یعنی ج چ اور وال....! اچھا اب اجازت

اپنی گاڑی کے مڈ گاڑ میں ہو جانے والے سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔

درخت سے گرنے والی لاش کے قریب ہی ایک راکٹ بھی پڑی نظر آئی ذرا ہی سی دی رہی
عمران پھر سر سلطان کے کمرے میں بیٹھا ہٹا رہا تھا۔

”یہ کیا ہوا.....!“ وہ آنکھیں نکال کر بولے۔

”مجھے تو نہیں معلوم.....!“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔ ”سوراخ گاڑی کی بجائے خود مجھ
میں ہوا ہوتا تو پتہ بھی چلتا۔!“

”میں پوچھ رہا ہوں..... اس پر کس نے فائر کئے تھے۔ لاش چھلنی ہو گئی ہے۔!“

”کس پر.....! میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟“

”جو درخت پر تھا۔ اس نے تم پر فائر کیا تھا..... لیکن اس پر کس نے فائر کئے۔!“

”اپنے سیکورٹی کے عملے سے پوچھئے..... یہ آپ کا دفتر ہے۔ یتیم خانہ تو ہے نہیں ایک مسلح
آدمی اس درخت پر کیسے پہنچا..... پھر وہ دوسرے مسلح آدمی کپاؤنڈ میں کیسے داخل ہوئے جنہوں
نے اُسے چھلنی کر دیا۔!“

سر سلطان خاموش ہو گئے۔

”زیادہ جھیلیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔!“ عمران شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ
بولا۔ ”پولیس کے لئے اس سے زیادہ موزوں بیان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ایک مسلح آدمی چوری
چھپے کپاؤنڈ میں داخل ہوتا ہوا دیکھا گیا.....! سیکورٹی عملے کے لٹکارنے پر درخت پر جا پڑھا اور
وہاں سے فائرنگ شروع کر دی۔ مجبوراً سیکورٹی والوں کو بھی فائر کرنے پڑے۔ عملے کو سمجھا دیجئے
کہ اس جھوٹ کے بغیر اس کی افادیت خطرے میں پڑ جائے گی۔!“

سر سلطان نے عمران کو قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور
عمران ترسے بولا۔ ”آپ مجھے کیوں گھور رہے ہیں۔ میں نے کیا کیا ہے.....!“
انہوں نے فون پر کسی سے کہا تھا کہ سیکورٹی چیف کو ان کے کمرے میں بھیج دیا جائے اور
ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی تھی۔

”اگر تم الجھن میں ڈال کر فوراً ہی اُسے رفع بھی نہ کر دو تو تمہیں گولی مار دوں۔!“ وہ بالآخر
مسکرا کر بولے ”تمہاری ہی طرح تمہارے ماتحت بھی خاصے پھر تیلے ہیں۔!“

”مجھے اُن پر فخر ہے جناب.....!“ عمران نتھنے پھلا کر بولا۔

دیکھئے..... ابھی مجھے اُن سے باقاعدہ پوچھ گچھ کا وقت ہی کہاں ملا ہے۔!“

”ٹھہرو.....!“ سر سلطان سخت لہجے میں بولے۔

”جی ٹھہر گیا.....!“

”میری فائزر خاصی شہرت رکھتی ہے..... غیر ملکی ہے۔ اس کی گمشدگی پولیس کو مزید درد و سر
میں مبتلا کرے گی۔!“

”وہ تو کبھی بھی چکی..... انور سردار نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی ہے..... نیو کا
حلیہ بھی رپورٹ کی زینت ہے..... جس کے ساتھ وہ آخری بار دیکھی گئی تھی لیکن رپورٹ میں
اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ بھی پرنس ہی کے ایک کمرے میں مقیم تھا۔!“
”ریکھا کا کوئی ذکر.....!“

”جی نہیں..... ریکھا اور اُن تین آدمیوں کا کوئی ذکر نہیں۔!“

”معاملے کو الجھاتے ہی چلے جا رہے ہو۔!“

”مقدرات..... جناب عالی..... مجھے صرف ریکھا کی فکر تھی۔ میسی خواہ مخواہ آپھنسی۔ میں نے
تو نہیں چاہا تھا! لیکن میسی کے غائب ہو جانے پر سفارت خانے کے رد عمل پر ضرور نظر رکھئے گا۔!“
”سفارت خانے سے کیا مطلب.....!“

”میرا خیال ہے کہ میسی کا تعلق بھی اسی ملک سے ہے جس کا سفارت خانہ ہے۔!“

”نہیں..... میسی فریج ہے۔!“

”بڑے وثوق سے کہہ رہے ہیں۔!“ عمران اُن کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا..... اور
سر سلطان گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔!

عمران سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔ ”فرائیسی اُس کی مادری زبان نہیں معلوم
ہوتی..... اسی بناء پر دور ہی سے اُس کی نگرانی کراتا رہا ہوں اب وہ خود ہی آپھنسی تو کیا کروں۔!“

سر سلطان کچھ نہ بولے۔ عمران اٹھ گیا تھا۔ باہر نکلا تھا اور گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ ایک فائر
ہوا..... اور وہ اچھل کر بائیں جانب جا پڑا..... پھر پے در پے کئی فائر ہوئے تھے..... اور تھوڑے

ہی فاصلے والے ایک درخت سے کسی کی لاش ٹپک پڑی تھی..... دفاتر کی کپاؤنڈ میں بالچل پڑ گئی۔!
عمران اٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا۔ کچھ لوگ اُس کی طرف جھپٹے..... اور اُس کی نیریت
دریافت کرنے لگے..... لیکن درخت سے چپکنے والی لاش کو دور ہی سے دیکھا جا رہا تھا۔ عمران نے

”اور مجھے تم پر ہے.....!“

”بس کسی طرح اُس شریف آدمی کا ہاتھ بہک گیا ورنہ فخر کرنے کی بجائے مجھ پر فاتحہ پڑھ رہے ہوتے۔!“

”اچھا تو بس اب تم جاؤ..... ورنہ پولیس کے چکر میں پڑو گے۔!“ سر سلطان نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”کہنا سنا معاف کیجئے گا ہو سکتا ہے اگلی ملاقات بروز قیامت ہی ہو سکے۔!“

”بختی سے کہہ رہا ہوں کہ بہت محتاط رہنا۔!“

”میرے کانوں کو ہر بات نرم لگتی ہے..... خدا حافظ۔!“

”ٹھہرو..... میں بھی تمہاری گاڑی تک چل رہا ہوں..... ورنہ وہ لوگ تمہیں پھر گھیر لیں گے.....!“ سر سلطان اٹھتے ہوئے بولے۔



انور سردار پر نس ہوٹل کے منیجر کے کمرے میں داخل ہوا اور منیجر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”میمی واپس آئی یا نہیں.....!“ اُس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

”نہیں جناب.....!“ منیجر نے جواب دیا۔

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جہاں گئی ہے اپنی مرضی سے نہیں گئی۔!“

”لیکن جناب.....! دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ دونوں اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہے

تھے جیسے ایک دوسرے کے پرانے شناسا ہوں۔!“

”ہر چند کہ وہ آدمی ہوٹل ہی میں مقیم تھا لیکن تم لوگوں کے لئے تو اجنبی ہی تھا۔!“

”جی ہاں تھا تو، لیکن یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوا تھا کہ ہم میں سے کوئی دخل اندازی کرتا۔!“

”وہ ہماری ذمہ داری تھی..... ہماری حکومت کو اُس کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔!“

”مجھے احساس ہے جناب.....!“

”پولیس کیا کر رہی ہے.....؟“

”اُدھر سے یہی جواب مل رہا ہے کہ تلاش جاری ہے۔!“

”ذرا اپنی پرچیز آفسر کو تو بلاؤ..... کیا نام ہے۔!“

”ریکھا جناب..... وہ تو پرسوں سے غائب ہے.....!“

”کیا مطلب.....؟“

”پرسوں سہ پہر کو دو گھنٹے کی چھٹی لے کر گئی تھی۔ لہذا کل صبح اُسے آنا چاہئے تھا..... یا نہ

آنے کی صورت میں اطلاع دیتی۔!“

”عجیب بات ہے۔!“ انور سردار پُر تشویش انداز میں سر ہلا کر بولا..... چند لمحے کچھ سوچتا رہا

پھر بولا۔ ”ڈیوڈ کو میرے ریٹائرنگ روم میں بھیج دو.....!“

”بہت بہتر جناب.....!“

انور سردار منیجر کے کمرے سے نکل کر اپنے ریٹائرنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ قد آور

اور اچھی صحت کا حامل تھا۔ عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ جلد کی رنگت سرخ و سپید

تھی۔ بال اخروٹ کی رنگت کے تھے اگر آنکھیں بھی کرچی ہوئیں تو کوئی سفید فام غیر ملکی معلوم

ہوتا۔! ریٹائرنگ روم میں داخل ہو کر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے پر ہولے ہولے دستک دی تھی۔!

”آجاؤ.....!“ سردار نے اونچی آواز میں کہا اور پھر اندر داخل ہونے والے کو خوں خوار

نظروں سے دیکھتا رہا۔!

”لیس باس.....!“ آنے والا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”تمہارے ناکارہ پن سے میں تنگ آ گیا ہوں۔!“

”میں کیا کر سکتا ہوں باس..... آپ کے احکامات دوسروں تک پہنچا دیتا ہوں اور وہ اُسی کے

مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔!“

”لیکن بدلے ہوئے حالات میں اپنی عقل نہیں استعمال کرتے..... گلدھے ہو جاتے ہیں۔

میں کچھ نہیں جانتا..... اگر میسی شام تک یہاں نہ پہنچی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“

دفعتاً پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اُسے بھی اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔

آنے والا کسی قدر بدحواس سا نظر آ رہا تھا۔

”کیا خبر لائے ہو.....!“ سردار اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”خیر و..... بارڈالا گیا جناب.....!“

”کیا بک رہا ہے۔!“

”یقین کیجئے جناب.... دفتر خارجہ کی کمپاؤنڈ میں اُس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ وہاں اُس نے ایک درخت پر سے کسی پر فائر کیا تھا۔ وہ توجہ گیا لیکن خیر و کا جسم چھلنی ہو گیا۔!“

”کیا اُسی نے جوابی حملہ کیا تھا جس پر فائر کیا گیا تھا۔!“

”نہیں جناب....! اُس پر مختلف ستوں سے بیک وقت کئی فائر ہوئے تھے۔ لیکن فائر کرنے والوں کا سراغ نہیں مل سکا.... ویسے پولیس کو یہ بیان دیا گیا ہے کہ اُس پر سکیورٹی کے آدمیوں نے گولیاں برسائی تھیں۔ اُسے مشتبہ سمجھ کر سکیورٹی والوں نے لاکرا لیکن وہ ایک درخت پر چڑھ کر فائرنگ کرنے لگا۔!“

”ساتم نے!“ سردار ڈیوڈ کی طرف دیکھ کر غرایا۔ ”کیا اس کام کے لئے خیر وہی رہ گیا تھا۔!“

”خود وہی آگے آیا تھا باس....!“

”اتنی آسانی سے جان نہیں چھوٹے گی تمہاری۔!“ سردار اُسے گھونہ دکھا کر بولا۔

”میں بالکل بے قصور ہوں باس....!“

”اس مرنے والے کو خیر و نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ خیر و کے توسط سے پولیس سیدھی

یہیں پہنچے گی۔ خیر و ہمارے خاندان کا پشتینی غلام تھا۔!“

”ارے باس....! پولیس آپ کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔!“

”جو اس مت کر.... میں خواہ مخواہ دوسرے مول لینے کا قائل نہیں ہوں۔!“

”میں جھوٹ نہیں بول رہا باس....! کئی شہادتیں پیش کر سکتا ہوں کہ وہ خود ہی سر ہوا تھا اس

کام کے لئے۔!“

”کچھ بھی ہوا ہو.... لیکن میسی اگر شام تک نہ ملی تو دیکھنا اپنا حشر....! ہاں اُن دونوں کی

نگرانی پر کسے لگایا تھا۔!“

”آر تھر کو جناب عالی۔!“

”اُسے بلاؤ۔!“

”بہت بہتر باس....!“ ڈیوڈ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ سردار بعد میں آنے والے

کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ”تم جاسکتے ہو۔!“

پھر وہ کمرے میں تنہا رہ گیا تھا۔ رہ رہ کر دانت پیتا اور دروازے کو گھورنے لگتا۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈیوڈ ایک دبلے پتلے آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

”یہ انگلی نگرانی کر رہا تھا۔!“ سردار نے تعارت آمیز لہجے میں سوال کیا اور آر تھر اپنے خشک

ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ ڈیوڈ نے سردار کے سوال کا جواب اثبات میں دیا تھا۔

”تو وہاں کتنی دیر ٹھہرا تھا۔!“ سردار نے براہ راست آر تھر سے سوال کیا۔

”یہ تو یاد نہیں جناب عالی.... لیکن ڈیوڈ کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ فلیٹیز پہنچے ہیں اور ریکریشن

ہال میں ٹوینٹ کر رہے ہیں۔!“

”پھر تم نے کیا کیا تھا....!“ سردار ڈیوڈ کی طرف مڑا۔

”میں نے آپ کو مطلع کر دیا تھا۔!“

”پھر میں نے کیا کیا تھا۔!“

”آپ نے کہا تھا کہ میں روم نمبر ایک سو بارہ میں ریکھا سے فون پر رابطہ قائم کر کے میسی

کے ساتھی سے متعلق گفتگو کروں۔!“

”کیا گفتگو کی تھی۔!“

”یہی کہ وہ اپنے بیان کے مطابق عمران کے کئی ساتھیوں کی شناخت کر سکتی ہے۔ ریکریشن

ہال تک جا کر دیکھے کہ میسی کا پارٹنر عمران ہی کا کوئی آدمی تو نہیں۔!“

”ٹھیک ہے....!“ سردار طویل سانس لے کر بولا۔ ”تو اس احمق عورت نے اُسے دیکھا

ہوگا۔ بچانا بھی ہوگا۔ لیکن تمہیں اطلاع دے کر مزید ہدایات حاصل کرنے کی بجائے خود ہی کچھ

کر ڈالنے کی کوشش کی ہوگی۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے باس....!“

”میسی فاؤنڈر....!“ انور سردار بائیں ہتھیلی پر دایاں گھونہ رسید کر کے بولا ”شام تک اُس کی

واپسی ضروری ہے۔!“

”میں کوشش کروں گا باس....!“

”تمہاری زندگی کا انحصار اسی پر ہوگا۔!“ سردار غرایا۔ ”دفع ہو جاؤ! تو ٹھہرے گا آر تھر۔!“

آر تھر کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ڈیوڈ کے چلے جانے کے بعد

سردار اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تیرا کام اطلاع دینے کے بعد ختم تو نہیں ہو گیا تھا۔!“

”مجھے اس سلسلے میں کوئی خاص ہدایت نہیں دی گئی تھی باس....!“

”اطلاع دینے کے بعد کتنی دیر وہاں ٹھہرا تھا!“

”میرا وہاں سے ہنسنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے تک وہیں رہا تھا لیکن پھر اچانک وہاں کی بجلی فیل ہو گئی.... اور میں نے سوچا کہ میرا کام تو ختم ہو گیا ہے پھر میں اندھیرے میں وہاں ٹھہر کر کیا کروں!“

”تو دوبارہ روشنی ہونے سے پہلے ہی وہاں سے چل دیا تھا!“

”ہاں.... باس.... ڈیوڈ نے مجھ سے صرف اتنا ہی تو کہا تھا کہ مجھے اس پر نظر رکھنی ہے کہ وہ دونوں کہاں جاتے ہیں اور ڈیوڈ کو مطلع کر دینا۔“

انور سردار نے بیزاری سے اُس کی طرف دیکھا تھا۔



میمی فاؤلر نشلی آنکھوں سے عمران کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ اٹھیلیاں کر رہی تھی۔

”اس کی نہیں ہوتی....“ عمران فرانسیسی میں بولا.... اور میمی چونک کر سنجیدہ ہو گئی۔

”تنت تم میری زبان بول سکتے ہو!“ اُس نے حیرت سے کہا۔

”تمہاری ہوتی تو ہر گز نہ بول سکتا!“

”کیا مطلب؟“

”فرانسیسی تمہاری مادری زبان نہیں ہے۔“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”یہ تم کس بناء پر کہہ رہے ہو!“

”اس لئے کہ تمہارا اصل نام تانیا نشکووا ہے۔“

”اس سے بڑا جھوٹ میں نے آج تک نہیں سنا....“ وہ ہنس کر بولی۔ لیکن عمران اُس نے متاثر ہوئے بغیر کہتا رہا۔ ”تم تین سال تک اپنے ملک کے اسپانی ٹریننگ سینٹر سے بھی وابستہ رہی ہو۔ تم نے ہر قسم کے قفل کھول لینے کی تربیت وہاں حاصل کی تھی۔“

”اچھا تو پھر....!“ دفعۃً وہ جارحانہ انداز میں بولی۔

”یہی نہیں.... بلکہ ہلدا کارلوس بھی اُسی ٹریننگ سینٹر کی تربیت یافتہ ہے۔“

”میں تمہاری کسی بات کی نہ تائید کر رہی ہوں اور نہ تردید.... صرف سن رہی ہوں.... اور

تمہارا چہرہ دیکھ رہی ہوں.... ایسا چہرہ آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔“

”واقعی....“ عمران نے نروس ہو جانے کی ایکٹنگ کی۔

”بچوں کا سا چہرہ.... آنکھوں میں ہلا کی معصومیت....!“

”بس کرو.... ورنہ میں بیہوش ہو جاؤں گا۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ویسے بہتر یہی ہوگا

کہ تم میرے حُسن کی تعریف کرنے کی بجائے میری زبان سے اپنے بارے میں سب کچھ سنو....!

تم ہلدا کارلوس کی ہموطن ہو۔“

”میں کسی ہلدا کارلوس کو نہیں جانتی۔!“ وہ تھرتھاتی ہوئی بولی۔

”فی الحال تسلیم کئے لیتا ہوں کیونکہ مجھے تم کو تمہاری پوری ہسٹری سنائی ہے۔ تم تانیا نشکووا

ہو.... اپنے ملک کی غدار بھی ہو....! پچھلے سال تم مغربی یورپ کے ایک ملک میں اپنی حکومت

کی سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے مقیم تھیں تم نے وہاں کے وزیرِ دفاع پر ڈورے ڈالے۔ مقصد یہ

تھا کہ اپنی حکومت کے لئے اُس ملک کے فوجی راز حاصل کرو۔ لیکن وہ ڈبل کر اس تھا۔ میرے

پاس تمہارے خلاف دستاویزی ثبوت موجود ہے۔ لیکن تمہاری حکومت کو آج تک اس ڈبل

کر اس کا علم نہیں ہو سکا۔“ تھرتھاتے تھرتھاتے وہ ساکت ہو گئی اور عمران مسکرا کر بولا۔ ”جس دن سے

تم نے میرے ملک میں قدم رکھا تھا میری آنکھیں تمہاری ہی طرف لگی ہوئی تھیں۔ لیکن میں

تمہیں چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ہلدا کارلوس کی تلاش تھی مجھے۔ اگر وہ ہاتھ لگ جاتی تو میں تمہارا ذکر

بھی نہ آنے دیتا کہیں۔ ہر چند کہ یہ کارنامہ اُس نے تمہاری ہی مدد سے سرانجام دیا تھا۔ بہر حال یہ

محض اتفاق تھا کہ تم میرے اُسی آدمی سے مل بیٹھیں جو تمہاری نگرانی کر رہا تھا اور اس نگرانی کا

مقصد بھی صرف اسی حد تک تھا کہ شاید تمہارے توسط سے ہلدا کارلوس ہاتھ آجائے۔ یقیناً کرو

مجھے مجبوراً تمہیں گرفتار کرنا پڑا ہے۔ اگر تم اُس وقت دیکھا کے کمرے میں موجود نہ ہوتیں تو میں

تمہیں ہاتھ بھی نہ لگاتا۔“

وہ بے حس و حرکت کھڑی پلکیں جھپکائے بغیر عمران کو دیکھے جا رہی تھی۔ عمران چند لمبے

خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”اگر تمہاری حکومت کو علم ہو جائے کہ تم نے ریڈ لسٹ والے معاملے میں

اپنی حکومت کو ڈبل کر اس کیا تھا تو تمہارا کیا حشر ہو۔ تم نے اپنے چیف کو جو اطلاعات فراہم کی

تھیں وہ سرے سے غلط تھیں.... صحیح اطلاعات تم نے مخالف کیمپ کے ذمہ داروں کے ہاتھ

فروخت کر دی تھیں۔ کہو تو سوئزر لینڈ کے اُس بینک کا نام بھی بتا دوں جہاں اس غداری کے عیوض ملنے والے دس لاکھ ڈالر جمع ہیں۔“

وہ عمران کو خوف زدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی قریبی کرسی پر بیٹھ گئی اُس کے ہونٹ سختی سے بچھنے ہوئے تھے اور سانسیں تیزی سے چلنے لگی تھیں۔“

عمران اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”جب میں اتنے دور کے معاملات میں اس حد تک باخبر ہوں تو اپنے ہی گھر میں ہونے والے واقعات سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہوں۔“

”میں نے سب کچھ سن لیا۔“ دفعتاً وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”شکریہ.....“ عمران کا لہجہ بے حد شریفانہ تھا۔

”تم کیا چاہتے ہو.....! لیکن ظہر..... کیا عمران تم ہی ہو۔“

”ہاں میرا یہی نام ہے۔“

وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”اب بتاؤ..... تم کیا چاہتے ہو۔“

”ہلدا کارلوس کا پتہ.....!“

”میں نہیں جانتی وہ کہاں ہے..... لیکن جس آدمی کے سپرد کی گئی تھی اُس کی صورت آشنا ہوں..... نام بھی جانتی ہوں لیکن یہ نہ بتا سکو گی کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔“

”کیا نام ہے.....!“

”ظاہر.....“ میسی نے کہا اور اُس کا حلیہ بیان کرنے لگی..... عمران کی پٹیل تیزی سے نوٹ بک کے صفحے پر چل رہی تھی۔ اُس کے خاموش ہونے پر بولا۔ ”لیکن اچانک اُسے چھپا کیوں دیا گیا۔“

”انور سردار کو جب یہ معلوم ہوا کہ تم اُس کا تعاقب کرتے رہے ہو تو اُس نے یہ احتیاطی قدم اٹھایا تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو کچھ اُس نے حاصل کیا ہے اُس کے لئے صرف اُسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے کسی دوسرے پر نہیں اور وہی اُسے ملک سے باہر لے جائے گی۔“

”تم بالکل درست سمجھتے ہو۔ اُن کاغذات کو جہاں بھی پہنچنا ہے ہلدا ہی کے ہاتھوں پہنچنا ہے کسی اور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔“

”اور اب وہ کہیں چھپی بیٹھی کسی مناسب موقعے کا انتظار کر رہی ہے۔“

”ہاں یہی بات ہے۔“

”تم لوگوں کے درمیان انور سردار کی کیا حیثیت ہے۔“

”اب..... میری باری ہے.....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”اُس وقت تک کسی سوال کا جواب

نہیں دوں گی جب تک مجھے اپنے چند سوالات کے جواب نہیں مل جائیں گے۔“

”چلو یہی سہی.....! اب تو ہماری دوستی کی بنیاد پڑی چکی ہے۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

”پہلا سوال تو یہی کہ تم مجھ سے دوستی کیوں کرنا چاہتے ہو۔“

”اس سوال کا جواب بعد میں دوں گا..... دوسرا سوال.....؟“

”یہی بنیادی سوال ہے.....! اس لئے اس کا جواب پہلے چاہتی ہوں۔“

”تم یہاں مشرق وسطیٰ کے ایک ملک سے آئی ہو۔“

”خدا کی پناہ..... آخر تم میرے بارے میں کتنے باخبر ہو۔“

”اسی قدر کہ جب تم صرف تین سال کی تھیں تو تمہارے باپ نے خود کشی کر لی تھی۔“

میسی نے پلکیں جھپکاتا چھوڑ دیا ایک نیک عمران کو دیکھے جا رہی تھی۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”مشرق وسطیٰ کے جس ملک

سے آئی ہو..... وہیں تمہیں پھر واپس جانا ہے میں بھی وہاں کے ایک معاملے سے دلچسپی رکھتا

ہوں۔ لیکن فی الحال وہاں میرا کوئی آدمی موجود نہیں لہذا معاملے کی بات تم سے کرنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن میں تو تمہاری قیدی ہوں۔“

”قید سے فرار تو ہو سکتی ہو اور اپنے چیف کو بتا سکتی ہو کہ فرار کے بعد تم نے انور سردار سے

ملنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کیونکہ وہ بھی خطرے میں تھا۔“

”اور اگر میں تمہارا کام کرنے سے انکار کر دوں تو۔“

”تم یہاں قید رہو گی اور وہاں تمہاری ماں کو گولی مار دی جائے گی۔“

”کیا مطلب.....!“ میسی اچھل پڑی۔

”جو دولت تم نے ڈبل کراسنگ کے عوض حاصل کی ہے اور اُسے دنیا کے مختلف بینکوں میں

مخفوظ کرایا ہے اُس کا وارث وہاں کے کاغذات میں اپنی ماں کو قرار دیا ہے..... اُن کاغذات پر

تمہاری ماں کے دستخط بھی موجود ہیں۔“

میسی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگی.....! پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی ”انور سردار

نے یہی بتایا تھا کہ تم اعلیٰ درجے کے بلیک میلر ہو۔“

”ذره نوازی ہے۔!“ عمران متکسرانہ انداز میں بولا۔

”اچھا....! اگر میں تمہارا کام کرنے پر رضامند ہو جاؤں تو۔!“

”ہلدا کارلوس کے ملتے ہی تمہارے فرار کا انتظام کر دیا جائے گا۔ ایسے حالات پیدا کئے جائیں

گے کہ تمہارے چیف کو تمہارے بیان پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہوگا۔!“

”مجھے اس مسئلے پر مزید غور کرنے کا موقع دو.... اور ہلدا کو تلاش کرتے رہو....!“

”چلو منظور ہے.... لیکن ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو.... حقیقتاً یہاں سے فرار

نہیں ہو سکوگی۔ یہاں سے فرار کی کوشش کرنے والے لازمی طور پر مر جاتے ہیں اور میں تمہیں

کھونا نہیں چاہتا۔!“

میری کچھ نہ بولی.... اُس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔!



بلیک زیرو نے متحیرانہ انداز میں عمران کی روداد سنی تھی اور عمران بولا تھا ”سمعی علامات

(IDENTITY CAST) شناخت کے ماہر نے جو خاکہ طاہر کے حلقے کا تیار کیا ہے اس کے فوٹو

پرٹ جلد ہی تمہیں مل جائیں گے اس شخص کو تلاش کرو۔!“

”بہت بہتر.... لیکن کیا آپ سچ جی سی سے کوئی کام لیں گے۔!“

”اب تم بھی سوال کرو گے....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”معافی چاہتا ہوں....!“ بلیک زیرو جلدی سے بولا۔

عمران نے فون پر پرنس کے نمبر ڈائل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”سردار صاحب سے

ملاؤ۔!“

”کون صاحب ہیں۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”سیٹھ فیما بھائی۔!“

”وہ دفتر میں تشریف نہیں رکھتے۔!“

”تشریف نہیں چاہئے بھائی.... اُن سے ملنے کا ہے۔!“

”مطلب یہ کہ وہ دفتر میں نہیں ہیں۔!“

”مکہر ہوئیں گا۔!“

”چتا نہیں....!“ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔!

”آپ پھر کہیں گے کہ سوال کر رہا ہوں۔!“ بلیک زیرو مسکرا کر بولا۔

اب عمران سردار کی قیام گاہ کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ وہاں سے سردار ہی کی آواز آئی تھی۔!

”غالباً تم سمجھ گئے ہو گے کہ کون بول رہا ہے۔!“

”میں تم سے سمجھ لوں گا۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اگر اسی دوران میں خود کشی پر نہ مجبور ہو گئے تو ضرور سمجھ لو گے۔ ویسے یہ بتاؤ کہ تم اتنے

بے غیرت کیوں ہو۔!“

”شٹ اپ....!“ انور سردار کی دھاڑ سنائی دی۔

”بولو.... معاملہ کرتے ہو....!“

”کیا معاملہ....!“

”تین لاکھ پر بات ختم ہو سکتی ہے۔!“ عمران نے کہا ”تمہارے نزدیک میں ایک اعلیٰ درجے کا

بلیک میل ہوں.... اور یہ بھی سن لو کہ اتنا منظم ہوں کہ میری یہ کال تم اکیچینج کے ذریعے ٹریس

نہیں کر سکو گے۔ لہذا اس آدمی کو روک دو جسے تم نے دوسرے انسٹرومنٹ پر بھیجا ہے۔!“

”میں نے کسی کو نہیں بھیجا.... اور تمہاری بکواس بھی نہیں سننا چاہتا سمجھے۔!“ دوسری

طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ عمران نے بھی ریسپورر رکھ دیا اور بلیک زیرو

کی طرف مڑ کر بولا۔ ”طاہر اُس کے ایسے دوستوں میں سے ہے جو اُس کے ساتھ بہت زیادہ نہیں

دیکھے جاتے۔ میری اتفاقاً اُس کے نام سے آگاہ ہو گئی تھی اور اُس کا خیال ہے کہ انور سردار کو اس کا

علم نہیں کہ میری ہلدا کے غائب ہو جانے کے بارے میں کچھ جانتی ہے۔!“

”اُسے ڈھونڈ نکالنا مشکل نہ ہوگا۔!“ بلیک زیرو نے کہا۔ ”انور سردار کے آس پاس والوں

میں سے کوئی نہ کوئی طاہر کو ضرور پہچانتا ہوگا۔!“

”لیکن یہ کام بہت احتیاط سے ہونا چاہئے۔!“

”آپ مطمئن رہئے۔!“

”ریکھا کے حواس درست ہوئے یا ابھی نہیں۔!“

”میرا خیال ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دیوانگی کا ڈھونگ رچانے کی کوشش کر رہی ہے۔!“ آپ

خود دیکھ لیجئے اور وہ تینوں صرف فیلڈ ورکرز ہیں۔ معاملات کی نوعیت کا علم نہیں رکھتے۔“
 ”انہیں فی الحال بند رکھنا ہے! پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اچھا میں دیکھا کو دیکھتا ہوں۔“
 ”اُس سے مل کر آپ خوش ہو جائیں گے۔“ بلیک زیرو نے کہا اور عمران چلتے چلتے رک کر
 اُس کی طرف مڑا۔

”صرف آپ کا نام ہے اُس کی زبان پر۔۔۔۔۔“

”ساتھ ہی دانت تو نہیں بیٹتی۔۔۔۔۔“ عمران نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

دیکھا اور اُس کے تینوں ساتھی رانا پیلس میں رکھے گئے تھے اور میسی فاؤلر سائیکو مینشن میں
 تھی۔ عمران دیکھا والے کمرے کا قفل کھول کر اندر داخل ہوا۔ بستر پر اووندھی پڑی نظر آئی۔
 دروازہ کھلنے کی آواز پر نہ تو چوکی تھی اور نہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔۔۔۔ نیم وا آنکھوں سے عمران کو دیکھتی
 اور مسکراتی رہی۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ عمران چمچ گڑ بڑا کر رہ گیا۔

”آؤ ظالم۔۔۔۔۔“ وہ بالا خر بڑے رومانی لہجے میں بولی۔ ”سچ کہتی ہوں۔۔۔۔۔ نرے بیوقوف ہو۔“

”اتنے خلوص سے آج تک کسی نے بھی بیوقوف نہیں کہا۔“

”میں ضرور کہوں گی۔۔۔۔۔ کسی بات کو سمجھنے تک کی صلاحیت ہے نہیں تم میں۔“

”اتنی جی تقید بھی پہلی بار سن رہا ہوں۔“

”میں جانتی تھی کہ تم میری طرف سے مشکوک ہو گئے ہو۔ اور کیوں نہ ہو جاتے کیونکہ یہ
 حقیقت بھی تھی میں نے یہی چاہا تھا کہ تم باس کے ہاتھ لگ جاؤ۔“

”واقعی۔۔۔۔۔“ عمران حیرت سے بولا۔

”محض اپنی جان چھڑانے کے لئے کیونکہ میں ہلدا کارلوس کی نشان دہی نہیں کر سکتی تھی۔
 لیکن جب میسی فلیئرز میں تمہارے آدمی کے ساتھ نظر آئی تو میں نے باس کو اس سے آگاہ نہیں
 کیا۔ بلکہ انہی تینوں آدمیوں کی مدد سے اُن پر قابو پانے کی کوشش کی اور قابو پانے کے بعد بھی
 باس کو مطلع نہیں کیا۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اس مرحلے پر تمہارے آدمی ضرور ریڈ کریں
 گے اور ہم سب پکڑ لئے جائیں گے۔“

”یعنی تم خود چاہتی تھیں کہ تمہیں دوبارہ پکڑ لیا جائے۔“

”یہی بات ہے۔“

”مگر کیوں۔۔۔۔۔؟“

”میسی فاؤلر جو ہاتھ لگ گئی تھی اُس کے اور باس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں بتا سکے گا کہ
 ہلدا کارلوس کہاں ہے۔۔۔۔۔؟“

دفعۃً عمران دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

”کیوں کیا ہوا۔۔۔۔۔؟“ دیکھا بولکھلا کر اٹھتی ہوئی بولی۔

”کچھ نہ پوچھو۔۔۔۔۔“ عمران کراہا۔ ”تقدیر پھوٹ گئی۔“

”کیا کہہ رہے ہو۔۔۔۔۔ میں کچھ نہیں سمجھتی۔“

”ارے وہ تو راستے ہی میں فرار ہو گئی تھی دوسری گاڑی میں تھی میرے آدمیوں کو جل دے
 کر نکل گئی۔“

”کچھ بھی نہ ہوا۔۔۔۔۔“ دیکھا چیخ کر بولی۔

”کیا نہ ہوا۔۔۔۔۔“

”خاموش رہو۔۔۔۔۔ اب تمہارے فرشتے بھی نہ معلوم کر سکیں گے کہ ہلدا کارلوس کہاں
 ہے۔۔۔۔۔ تم نے جس آدمی سے ٹکری ہے وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔“

”تم نے فلیئرز ہی میں یہ بات کیوں نہیں بتائی تھی۔“

”تم عقل سے کورے ہی لگتے ہو! وہاں میں اُن کے سامنے وہ سب کچھ کیسے بتاتی اور پھر تم
 وہاں تھے کب۔۔۔۔۔ تمہارے آدمیوں کو ایک بڑے بالوں والا سائنڈ لیڈ کر رہا تھا۔ اُس نے پستول
 تان رکھا تھا ہم پر۔“

”باس جس انداز سے تمہارا ذکر کرتا ہے اُس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ بہت بھیانک آدمی
 ہو گے۔۔۔۔۔ لیکن تمہارا ٹائپ تو وہ ہے جس پر میری جان جاتی ہے۔“

”یعنی کہ۔۔۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔۔۔“

”ہائے یہی ادا تو جان لیا ہے۔۔۔۔۔“ دیکھا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

عمران کے کان کی لویں سرخ ہو گئیں اُس نے اس طرح شرما کر سر جھکایا تھا جیسے کوئی پردہ
 نشین کنواری شرمائی ہو۔

”ارے تو تم مجھے زندہ بھی رہنے دو گے یا نہیں۔۔۔۔۔ ہائے ہائے۔۔۔۔۔“ وہ بستر سے اتر کر
 عمران پر چھپٹ پڑی۔

وہ ارے ارے کرتا ہوا دیوار سے جا لگا۔۔۔۔۔ اور وہ اُس سے دو فٹ کے فاصلے پر رک کر

ہولی۔ ”اب میری واپسی کا کوئی سوال ہی نہیں.... ساری زندگی تمہارے ہی ساتھ گزرے گی اسی چھت کے نیچے.... اگر انور سردار کی رسائی یہاں تک نہ ہو گئی۔“

”مجھے اُس کے دوستوں کے بارے میں بتاؤ.... جتنے نام بھی تمہیں یاد ہوں۔“ عمران نے پرسکون آواز میں کہا۔

”اُس سے کیا فائدہ ہو گا....؟“

”تم اُس کی فکر مت کرو.... نام بتاؤ.... اور جن کے پتے یاد ہوں۔“

”صرف نام ہی بتا سکوں گی.... چوں سے مجھے کیا سر و کار۔“

”چلو یہی سہی.... بیٹھ جاؤ....“ عمران بستر کی طرف اشارہ کر کے بولا اور خود کرسی کی جانب بڑھا۔

ریکھانے کچھ نام گنوائے تھے.... لیکن اُن میں طاہر نہیں تھا....! عمران نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔ ”مجھے دراصل اُس آدمی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں جس کی ٹھوڑی پر بڑا سا ابھرا ہوا سیاہ تل ہے....!“

”ٹھہرو.... مجھے سوچنے دو.... ہاں دیکھا ہے میں نے۔“ ریکھا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”بڑا خوبصورت آدمی ہے.... لیکن ایک غیر شعوری حرکت اُس کے سارے حسن کا بگاڑ کر کے رکھ دیتی ہے.... تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس طرح نتھنے پھڑکانے لگتا ہے جیسے ناک اندر سے خشک ہوئی جا رہی ہو۔ اس حرکت کا اثر ہونٹوں پر بھی پڑتا ہے.... لیکن مائی ڈیز.... اُس کا نام نہیں جانتی۔ لیکن ٹھہرو.... ایک بات یاد آ رہی ہے.... کبھی کبھی میں نے اُسے ایک ایسی دین سے اترتے دیکھا ہے جس پر لارن گوہن لمیٹڈ لکھا ہوا ہے۔“

عمران کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑے رہ گئے۔

”کیوں....؟ کچھ نئی بات....!“

”ہو سکتا ہے.... دیکھیں گے۔“

”اُس کی کیا اہمیت ہے۔“

”ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

”دیکھو ڈیز.... تم بہت بُرے چکر میں پڑ گئے ہو.... انور سردار کو بلیک میل نہیں کر سکو گے۔ میں نہیں جانتی کہ ہلدا کارلوس کا کیا معاملہ ہے.... لیکن تم جانتے ہو کہ انور سردار کیا چیز

ہے۔ غالباً سمجھ گئے ہو گے۔“

”میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے کہ میں انور سردار کو بلیک میل کر نیکی کوشش کر رہا ہوں۔“

”اچھا تو پھر....؟“

”میں قانون کے محافظوں کے ساتھ ہوں اور اس بار انور سردار کو دفن کر دوں گا۔“

”وہ تو کہتا ہے کہ تم بلیک میلر ہو....! اپنے باپ کے عہدے سے بھی فائدہ اٹھاتے ہو۔“

”تمہیں اور تمہارے تیوں آدمیوں کو مس نوٹا سمیت سرکاری گواہ بننا پڑے گا۔“

”اور اُس کے بعد ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ مجھے تو اسی پر حیرت ہے کہ تم اب تک زندہ کیسے ہو۔“

”اللہ کی مرضی....! ویسے تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔“

”قطعی نہیں.... نہایت شاندار ناشتہ تھا۔“

”معمولی حوالات میں تمہاری زندگیوں کی ضمانت ہرگز نہ دی جاسکتی اسلئے یہاں رکھا گیا ہے۔“

”انور سردار کو کس سلسلے میں گھیر رہے ہو۔“

”وطن دشمن سرگرمیوں کے سلسلے میں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”غیر ملکی جاسوسوں کی مدد کرتا ہے.... اور اُن سے بھاری رقومات حاصل کرتا ہے۔

ہلدا کارلوس اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔“

”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی.... میں تو اُسے صرف ایک ایسا آدمی سمجھتی تھی جو

ضرورت مندوں سے بڑی رقومات حاصل کر کے انہیں اپنے اثر و رسوخ کا فائدہ پہنچاتا ہے۔“

”بیہودگی انتہا کو پہنچ کر ذلالت بن جاتی ہے۔“

”اگر تم اُس کے خلاف ایسا کوئی ثبوت رکھتے ہو تو اپنے خاندان سمیت بہت بڑے خطرے

سے دوچار ہو....!“ ریکھانے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

”میں جانتا ہوں۔“

”تم جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہو اُس سے تمہیں کیا حاصل ہو گا۔“

”یہ اطمینان کہ میں نے ایک غلط کام نہیں ہونے دیا۔ ملک کی ساکھ کو نقصان نہیں پہنچنے دیا۔“

”تو وہ غیر ملکی ایجنٹ بن گیا ہے۔“ ریکھا طویل سانس لے کر بولی۔ ”میں بہت بُری ہوں۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے پر اُس نے بھی ریسور رکھ دیا اور آہستہ آہستہ بایاں گال کھجانے لگا۔ آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔!

”کیا ہوا جناب....؟“ بلیک زیرو نے سوال کیا۔

”گاڑی کی نشان دہی کار آمد ثابت ہوئی۔ ظاہر کا سراغ مل گیا۔ وہ لارسن گوہن کمپنی میں کسی سیکشن کا انچارج ہے۔!“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ ریکھا کو آپ نے توڑ لیا ہے۔!“

”حالات کے ساتھ پلٹا کھاتی رہتی ہے مجھے اب بھی یقین نہیں ہے کہ وہ پوری طرح ہمارے ساتھ ہے۔!“

”اگر میسی کا بیان سچ ہے تو پھر ہم اہم ترین آدمی تک پہنچ گئے ہیں۔!“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اُس نے ریسور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی تھی ”میں تو حیرت زدہ رہ گیا ہوں۔!“

”کیا دم نکل آئی ہے....؟“ عمران نے سوال کیا۔

”میسی یہاں پرنس میں اپنا شو کر رہی ہے.... میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے۔!“

”گھاس تو نہیں کھا گئے۔!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میسی فرار ہو گئی ہے۔!“

”جی نہیں.... آپ نے تو نہیں کہا تھا۔!“

”اچھا تو پھر....!“

”کسی نے بھی مجھے ایسی کوئی اطلاع نہیں دی۔!“

”تو پھر کیوں بکواس کر رہے ہو۔!“

”ارے جناب....! آپ خود آکر دیکھ لیجئے۔! باقاعدہ طور پر اُس کے نام کا اعلان ہوا ہے۔ اسٹیج پر رقص کر رہی ہے اپنے مقبول ترین گانے کے ساتھ.... آپ کو فون کرنے کے لئے اپنی میز سے اٹھ آیا تھا اب پھر واپس جا رہا ہوں۔!“

”میسی....! ہیڈ کوارٹر میں بدستور موجود ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”تب پھر وہ کوئی نقلی میسی ہوگی جو ہیڈ کوارٹر میں بدستور موجود ہے! یہاں وہ رقص کر رہی ہے اور اپنا مشہور گیت بھی گارہی ہے جسے میں کئی بار سن چکا ہوں۔!“

اُس کی غیر قانونی سرگرمیوں میں اس کا ہاتھ بٹاتی رہی ہوں۔ لیکن دیدہ دانستہ اس حد تک جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی.... اچھا ڈیزیز عمران یہ تو بتاؤ کہ آخر اسے کس چیز کی کمی ہے.... دولت میں تو پہلے ہی سے کھیل رہا تھا۔!“

”اس کھیل میں پڑ جانے کے بعد آنکھیں کھلی رکھنا محال ہو جاتا ہے۔ لہذا عام طور پر وہی شاخ کلہاڑی کا نشانہ بنتی ہے جس پر خود بھی بیٹھے ہوتے ہوں۔!“

”اچھا دوست! وہ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولی ”اب چاہے گردن بھی کٹ جائے مجھے اپنے ساتھ ہی پاؤ گے۔ لہذا انتہائی بُری ہونیکے باوجود بھی غدار وطن کہلانا پسند نہیں کرونگی۔!“

دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملائے تھے اور ریکھا بولی تھی۔ ”کچھ دیر پہلے میں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ محض بات بنائی تھی دراصل ہوٹل سے انور کو فون نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اُن تینوں میں سے کسی کو باہر بھیج کر کہیں اور سے فون کرانے کی سوچ ہی رہی تھی کہ تمہارے آدمیوں نے ریڈ کر دیا۔!“

”میں نے یقین کب کیا تھا۔!“ عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”ویسے تم نے اُسی گاڑی کی نشاندہی کر کے خاصی مدد کی ہے میری۔!“

”تب تو وہ شخص.... کیا نام لیا تھا تم نے۔!“

”اُس کے سلسلے میں میں نے کوئی نام نہیں لیا تھا۔ بس حلیہ بتایا تھا کسی کا اور تم نے گاڑی کی نشان دہی کر دی تھی.... نام نہ تم جانتی ہو اور نہ میں.... خیر اب آرام کرو۔!“

”بہت بُرا ہوا کہ میسی فرار ہو گئی.... وہ ضرور جانتی ہوگی کہ ہلدا کہاں ہے۔!“

”فکر نہ کرو.... دیکھا جائے گا۔!“



اُسی شام کو عمران نے صدیقی کی کال ریسرو کی....! وہ کہہ رہا تھا۔

”اُس حملے کا آدمی مل گیا ہے.... لارسن گوہن لینڈ میں ایک سیکشن کا انچارج ہے.... ظاہر

نام ہے۔ عظیم آباد کی کوٹھی نمبر تین سو گیارہ میں رہتا ہے۔!“

”ٹھیک ہے.... اُس پر نظر رکھو....! فی الحال چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں ہے۔!“

”اچھی بات ہے.....!“ میں پہنچ رہا ہوں۔! اپنی میز ہی پر ملنا..... بچھلی ہی رات والے میک اپ میں ہو..... یا بدل دیا.....؟“

”اسی میں ہوں.....!“

”ویس آل.....!“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

”اب کیا ہوا.....؟“ بلیک زیرو نے پوچھا۔

اور پھر صفدر کی کال کے بارے میں معلوم ہوتے ہی وہ بھی متحیر رہ گیا تھا۔ ”اُس کا مطلب یہ ہوا کہ بچھلی رات خود ہمارے ہی ساتھ کوئی فراڈ ہو گیا ہے۔!“ وہ بالآخر بولا۔

”خود دیکھیے بغیر یقین نہیں کر سکتا۔!“ عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔

پھر اُس نے بھی میک اپ کیا تھا اور پرنس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ صفدر کا بیان غلط نہ نکلا..... عمران دروازے کے قریب ہی رک کر حیرت سے اسٹیج پر رقص کرنے والی کو دیکھتا رہا۔ وہ گاگا کر رقص کر رہی تھی۔ صد فیصد میسی کی آواز تھی عمران بھی کئی بار سن چکا تھا۔ گیت ختم ہوا رقص بھی ختم کیا اور وہ پردے کے پیچھے چلی گئی۔ ہال میں روشنی ہو رہی تھی اس لئے صفدر کی میز تلاش کر لینے میں اُسے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

صفدر اُسے دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ لیکن عمران آہستہ سے بولا۔ ”میں ہوں۔!“

”بیٹھ جائیے..... دیکھا آپ نے۔!“

”ہاں دیکھا..... لیکن ایک میسی سائیکو مینشن میں بھی موجود ہے۔ اسے بھی اٹل حقیقت سمجھو!“

”چلئے..... سمجھ لیتا ہوں..... لیکن یہ میسی.....؟“

”اب پھر دیکھوں گا یہاں سے نسبتاً قریب ہے اسٹیج۔ کیا صرف اُسی کے پروگرام ہو رہے ہیں۔!“

”جی ہاں..... یہی اعلان ہوا ہے وہ نو بجے تک اپنے فن کا مظاہرہ کرے گی۔!“

”خیر..... دیکھتے ہیں۔!“

”ظاہر کا سراغ مل گیا ہے۔ وہ لار سن گو بن کمپنی میں کام کرتا ہے۔ صدیقی اُس کی نگرانی

کر رہا ہے۔!“

”لیکن وہ لڑکی.....!“

”اُس سے بھی زیادہ اب میسی کی فکر ہو گئی ہے۔!“

صفدر کچھ نہ بولا۔! تھوڑی دیر بعد عمران نے پوچھا۔ ”سردار بھی دکھائی دیا تھا.....؟“

”نہیں.....! ابھی تک تو نہیں دکھائی دیا۔ آج یہاں دن بھر پولیس والوں کا تانتا بندھا رہا تھا خیر و کے بارے میں پوچھ گچھ ہوتی رہی تھی۔!“

”آہا..... یاد آیا..... ہاں وہ اُس کے خاندان کا پشتینی نمک خوار تھا۔ آخر سردار اس کا کیا جواب دے گا کہ وہ محکمہ خارجہ کے آفس کے پاس کیا کر رہا تھا۔!“

”کوئی نہ کوئی کہانی گھڑ لی ہوگی..... کہانیوں کا تو ماہر ہے۔!“

”میں نے بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اُس نے اُس کے سلسلے میں پولیس کو کیا بیان دیا ہے۔!“

”کچھ بھی ہو..... اُس کے معاملے میں ایک خامی رہ گئی ہے۔ اگر لاش سے متعلق سرسری کارروائی ہوئی تو خیر کوئی بات نہیں۔! لیکن اگر پوسٹ مارٹم کی تفصیلات میں اُس کے جسم سے برآمد ہونے والی گولیوں کے سلسلے میں چھان بین ہوئی تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ سیکورٹی والوں کی گولیوں کا نشانہ نہیں بنا تھا۔!“

”سر سلطان اس بات کا خیال رکھیں گے..... بچے نہیں ہیں..... اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کن کی گولیوں کا نشانہ بنا تھا۔!“

”مگر صاحب..... آپ بال بال بچے تھے۔!“

دفعۃً ہال میں پھر میوزک گونجنے لگا تھا۔! میسی اسٹیج پر نمودار ہوئی اُس کے ایک ہاتھ میں مائیک تھا اور دوسرے میں پھولوں کا گچھا اُس نے گیت شروع کیا اور تھرکنے لگی۔!

”کمال ہے.....! اصل ہو یا نقل، مکمل ہے.....!“ عمران بڑبڑایا۔ لیکن صفدر آرکسٹر کی گونج میں نہ سن سکا کہ کیا کہا تھا۔ لہذا وہ آگے جھک کر سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

عمران نے سر کو منہنی جنبش دی اور اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بڑی خوبصورت آواز تھی۔ اور گیت تو گویا بہاروں کا نقیب تھا۔ اور پھر اُس کے جسم کی چمک تو ایسی لگ رہی تھی جیسے اعضاء نے الگ سے کوئی اور گیت چھیڑ رکھا ہو۔!

عمران جھومتا رہا..... پھر اچانک کسی طرف سے ایک فائر ہوا تھا اور میسی اچھل کر بیک گراؤنڈ کے پردے کے قریب جا گری تھی۔ بُری طرح تڑپ رہی تھی لیکن گیت بدستور جاری تھا۔ اس میں نہ کرب شامل ہوا تھا اور نہ لے ہی ٹوٹی تھی۔ پھر وہ ساکت بھی ہو گئی لیکن گیت اب بھی ہال میں گونج رہا تھا۔!

”یہ بھی عجیب انداز ہے....!“ صفدر آگے جھک کر بولا۔

”قتل اور پلے بیک میوزک!“ عمران نے کہا۔ ”ہوشیار رہنا.... شاید ہم پھنس گئے ہیں۔!“
دفعۃً ہال میں سناٹا چھا گیا۔

”خواتین و حضرات....!“ سناٹے میں کسی کی آواز ابھری.... ”رقاصہ کو کسی نے قتل کر دیا ہے.... براہ کرم پولیس کے آنے تک وہیں ٹھہریے جہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔!“
”یہ ہوئی ہے....!“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”پھنس گئے بیٹے خان.... دروازے پہلے ہی بند کر دیئے گئے ہوں گے۔ کوئی ہال سے نہیں نکل سکے گا۔!“

ہال میں شور برپا ہو گیا تھا۔ لوگ اپنی جگہوں سے اٹھ اٹھ کر اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ مائیکروفون کے ذریعے بار بار اعلان ہو رہا تھا کہ لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔ لیکن کوئی نہیں سن رہا تھا۔!

”اٹھو اور اسی بیئر میں گم ہو جاؤ۔!“ عمران نے کہا.... ”پھر میں کچھ سوچتا ہوں.... پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی نکل چلتا ہے۔!“

”یہ آخر ہوا کیا....؟“

”وہ میسی نہیں تھی.... اُس کے میک اپ میں تھی.... اور صرف ہونٹ ہلا رہی تھی اور میسی کے گیتوں کے ریکارڈ بجائے جا رہے تھے۔ ورنہ بھلا لاش کیسے گاسکتی۔!“
”خدا کی پناہ.... لیکن مقصد....؟“

”فی الحال خاموش رہو.... ادھر آؤ.... بائیں طرف سے چلو.... میرے پاس سائمنلر موجود ہے.... کسی بلب پر فائر کر کے اندھیرا کر دوں گا۔ نکل چلنے کے لئے کسی دروازے کا انتخاب کر لو.... ورنہ ہم دونوں میک اپ میں ہیں اگر یہ بات پولیس کی موجودگی میں کھل گئی تو بڑی دشواریوں میں پڑیں گے۔!“

”بات تو ٹھیک ہے.... تیسری منزل پر پہنچنے کی کوشش کیجئے.... وہاں سے چکر دار عقبی زینے سے نیچے اتر جائیں گے۔!“

”اُس کی بھی نگرانی نہ ہو رہی ہوگی؟“ عمران نے کہا۔

”تب پھر انور سردار کے ریٹائرنگ روم کی طرف چلئے۔!“

”وہاں کیا ہے....؟“

”اس وقت خالی ہوگا.... اور ہم اس وقت یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ وہ ریٹائرنگ روم کا دروازہ اندر سے بند کر کے باہر کیسے پہنچ جاتا ہے۔!“

”اُوہو.... تو یہ بات بھی ہے۔!“

”جی ہاں....! میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھی ہیں.... اور یہاں کے چپے سے واقف ہو گیا ہوں۔!“

”اسی لئے ایکس ٹو تمہیں دوسروں پر فوقیت دیتا ہے۔!“

”لیکن ایک دشواری ہے....! ادھر جاتے ہوئے ہم دیکھ لئے جائیں گے۔!“

”تو پھر اندھیرا کرنا بھی ضروری ہوگا....! اندھیرا ہوا تو سارے میں ہوگا اور تم ریٹائرنگ روم سے سڑک پر پہنچنے کا راستہ تلاش نہ کر سکو گے۔!“

”تو پھر تیسری منزل ہی کی سہی۔!“

دفعۃً پورے ہال میں اندھیرا ہو گیا لیکن عمران نے کسی بلب پر گولی نہیں چلائی تھی۔

”کمال ہے....!“ صفدر بڑبڑایا۔

عمران مضبوطی سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”زینوں کی طرف“ شور بڑھ گیا تھا۔ لوگ اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے۔ میزیں الٹ رہی تھیں۔!

وہ زینوں تک پہنچتے تھے اور ریلنگ کا سہارا لے کر اوپر چڑھتے چلے گئے تھے.... دوسری منزل تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی.... لیکن تیسری منزل کے لئے زینے طے کرتے وقت عمران نے محسوس کیا کہ وہاں اور کوئی بھی موجود ہے.... اور انہی کی طرح اندھیرے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔!

عمران نے صفدر کا بازو دبایا.... اور وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ اُن کے آگے والے نامعلوم آدمی نے پنل ٹارچ روشن کی اور روشنی کی باریک سی لکیر اُس کے آگے ریختی چلی گئی۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ اُس دروازے تک پہنچ گیا جسے خود یہ دونوں عقبی زینوں تک پہنچنے کے لئے استعمال کرنے والے تھے۔

پنل ٹارچ کی روشنی ہی میں وہ اُس کا قفل کھولنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔! پھر دروازہ کھولا ہی تھا کہ عمران کا ہاتھ اُس کی گردن پر پڑا.... وہ خاموشی سے ڈھیر ہو گیا.... ٹارچ ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی تھی۔!

عمران نے مارچ اٹھا کر اُس کے چہرے پر روشنی ڈالی.... وہ ہلکی سی سیٹی بجا کر رہ گیا۔

”کون ہے....؟“ صفدر نے آہستہ سے پوچھا۔

”کوئی غیر ملکی ہے.... ہو سکتا ہے اُسی سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہو اب تو یہ بھی ساتھ جائے گا۔!.... آہا.... بغلی ہولسٹر بھی ہے.... اور اس میں ریوالور بھی موجود ہے.... واہ بھی۔! اب اطمینان سے اتر چلو.... ادھر کوئی بھی نہ ہوگا۔ یہ خود سردار کی حرکت نہیں معلوم ہوتی.... لیکن ٹھہرو.... پہلے میں نیچے اترتا ہوں.... ہو سکتا ہے کوئی اُس کا منتظر ہو۔!“

اُس کا یہ اندیشہ غلط بھی نہیں نکلا تھا....! ابھی زینے طے ہی کر رہا تھا کہ ایک آدمی مخالف سمت کے اندھیرے سے برآمد ہوا اور زینوں کے قریب آکھڑا ہوا.... تاروں کی چھاؤں میں ایک تاریک ہیولی لگ رہا تھا.... جیسے ہی عمران نگلی سیڑھی پر پہنچا.... نامعلوم آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ”جلدی سے نکل جاؤ۔!“

لیکن دوسرے ہی لمحے میں عمران کا چچا تلاتا تھا اُس کی کینٹی پر پڑا تھا۔! وہ تیرا کر گر اور پھر نہ اٹھ سکا۔!



پرنس ہوٹل سے فرار ہونے کی کوشش کرنے والے غیر ملکی کو سائیکو مینشن کے ایک کمرے میں ہوش آیا تھا....! لیکن صورت سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے محاورتا ہوش اڑ گئے ہوں۔ کیونکہ میسی فاؤلر سامنے ہی بیٹھی تھی۔!

”تت.... تم.... زندہ ہو....!“ وہ ہلکائی۔!

”ہاں میں زندہ ہوں....!“ وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

”لیکن.... لیکن....!“

”ہاں.... تم نے تو مجھے گولی ماری تھی۔!“

وہ تھوک نکل کر رہ گیا.... پھر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”ہم کہاں ہیں....؟“

”جہنم میں....!“ میسی غرائی۔!

”میں نہیں سمجھ سکتا۔!“

”تمہیں میرے قتل کا حکم کس سے ملا تھا۔!“

”کس سے مل سکتا ہے....!“ اُس نے سنبھالا لے کر میسی کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”میں تم سے پوچھ رہی ہوں....!“

”کس پوزیشن میں....!“

”یہ بھی سوال ہی ہے.... سوالات میں کروں گی....! تم نہیں۔!“

”پہلے تم صرف یہ بتادو کہ ہم کہاں ہیں....!“

”کسی نامعلوم آدمی کی قید میں....!“

”کیا تم نے اُسے دیکھا نہیں۔!“

”نہیں....! میں نے اُسے نہیں دیکھا....!“

”وہ کیا چاہتا ہے....!“

”میں نہیں جانتی....! بتاؤ تم نے مجھے مار ڈالنے کی کوشش کیوں کی تھی....؟“

”اوپر سے یہی حکم آیا تھا۔!“

”اب ہم دونوں ہی مار ڈالے جائیں گے۔!“

”کیوں نہ یہاں سے نکل جانے کی کوشش کریں۔!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔

”اس کمرے سے تو نکل نہیں سکتے۔!“

”کیوں.... آخر کیوں....؟“

”دروازہ ہی کھول کر دکھاؤ....!“ میسی نے تلخ لہجے میں کہا۔

”کیوں....؟ دروازے کو کیا ہوا ہے....؟“

”ہینڈل میں برقی رو موجود ہے۔!“

اُس نے ایک بار پھر چاروں طرف نظر دوڑائی اور بولا۔ ”یہ سرکاری حوالات تو ہو نہیں

سکتی.... یقیناً ہم اُسی بلیک میلر کے قیدی ہیں۔!“

”تم ٹھیک سمجھو ہو....!“ دفعتاً بائیں جانب سے آواز آئی۔ وہ اچھل کر اُس طرف مڑا....

عمران ہاتھ روم سے برآمد ہو رہا تھا۔ اُس کی طرف توجہ دیئے بغیر میسی فاؤلر سے بولا۔ ”غالباً اب

تمہیں یقین آگیا ہوگا۔!“

”میں تمہیں مار ڈالوں گا....!“ قیدی نے کہا اور عمران پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن اپنے ہی زور میں

سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔! عمران تو بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ وہ پھر پلٹا لیکن

کچھ کرنے کا کیونکہ عمران کی ٹھوکر اُس کی ٹھوڑی پر پڑی تھی۔ لبالب لٹ گیا اور اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے کچھ سمجھائی ہی نہ دیتا ہو۔!

”یہ اُس لڑکی کا قاتل ہے جو تمہارے میک اپ میں وہاں رقص کر رہی تھی۔ انور سردار نے یہ ڈھونگ مجھے پھانسنے کے لئے رچایا تھا۔!“ عمران نے کہا اور خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

”سفارت خانے والوں کو اُس نے مطلع کر دیا تھا کہ تم میرے ہاتھ لگ گئی ہو اور تمہاری گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی تھی۔ لیکن پھر شائد ضروری نہیں سمجھا تھا کہ سفارت خانے کو اس سے بھی مطلع کروے کہ تمہارے سلسلے میں کوئی ڈھونگ بھی رچانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سفارت خانے والوں نے سمجھا کہ کسی طرح تمہاری واپسی ہو گئی ہے۔ لہذا انہوں نے تمہیں ختم کرانے کی اسکیم بنا ڈالی۔ بہر حال ہلد اسفیر کی بیٹی ہے اور اُسے ایک اہم ترین کام بھی انجام دینا ہے۔ لہذا اُسے تم پر فوقیت دی گئی۔ تم اُس کے راز سے پوری طرح آگاہ ہو۔۔۔ اور میری نظروں میں بھی آگئی تھیں۔ لہذا تمہارا زندہ رہنا اُن کے لئے خطرناک ہوتا۔!“

”بس کرو۔۔۔!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”سب کچھ سمجھ گئی۔!“

”اس لئے اب فرار نہیں ہو سکتیں۔۔۔ بہتر یہی ہو گا کہ سفارت خانے کے خلاف سرکاری گواہ بن جاؤ۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں عمر قید نہ ہونے دوں گا۔ اُس کے بعد تم اپنے معاملات میں آزاد ہو گئی اور تمہارا دوسرا راز بھی میرے ہی سینے میں دفن رہے گا۔!“

”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔!“ کہہ کر اُس نے طویل سانس لی اور بولی ”میں مرنا نہیں چاہتی۔!“

قیدی پھر بیہوش ہو گیا تھا۔ اُس کو اسی حال میں چھوڑ کر وہ دونوں کمرے سے نکل آئے۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم ہو کیا چیز۔۔۔؟“ میمی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔!

”انور سردار غلط فہمی میں مبتلا ہے۔۔۔ میں بلیک میلر نہیں ہوں۔!“ عمران بولا۔

”مجھے اب اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ تم کیا ہو اور کیا نہیں ہو۔! ہاں۔۔۔! ہلد اکا سراغ ملایا نہیں۔!“

”صرف طاہر کا ملا ہے۔!“

”یہی بڑی بات ہے۔۔۔ میں صرف حلیہ ہی بتا سکتی تھی۔!“

”اور اس میں اتنی باقاعدگی تھی کہ جلد ہی کامیابی ہو گئی۔!“

وہ دوسرے کمرے میں آئے تھے اور میمی نے عمران سے پوچھا تھا۔! ”باس تم ہی ہو۔!“

”نہیں۔۔۔! باس کے احکامات کا پابند ہوں۔!“

”مجھے اپنے باس سے ملاؤ۔۔۔!“

”وہ خود کبھی کسی سے نہیں ملتا۔!“

”یہ بڑی اچھی بات ہے۔۔۔ اور مجھے تم لوگوں کا طریق کار بھی پسند آیا ہے۔ کسی قسم کے تشدد کے بغیر مجھے راہ پر لے آئے ہو۔!“

”اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ تمہارے بارے میں وہ معلومات فراہم کرنی پڑیں جو تمہاری بوڑھی ماں کی ذات سے آگے نہیں بڑھی تھیں۔!“

”یہ غلط ہے۔۔۔! محض غلط فہمی کہ وہ ہی دونوں تک محدود رہی ہیں اگر یہ بات ہوتی تو تم تک کیسے پہنچتا یہ راز۔۔۔!“

”ہمارے بیرونی ممالک کے ایجنٹ بہت تیز ہیں۔۔۔ لیکن خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔!“

”مجھے صرف آرام کرنے دو۔۔۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔۔۔!“ میمی نے کہا اور آرام کر سی پر نیم دراز ہو گئی۔!

عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی تھی۔ وہ نیم وا آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ عمران سر جھکائے بیٹھا تھا۔!

”انور سردار یہاں کا ایک بہت بارسوخ آدمی ہے۔!“ میمی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”لیکن نہ جانے کیوں۔۔۔! تم سے خائف رہتا ہے۔! بڑے سے بڑے سرکاری آفیسر کو کچھ نہیں سمجھتا۔!“

”مجھے خود بھی حیرت ہے۔۔۔!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔



آج طاہر نے کسی دوست کے گھر ایک غیر ملکی فلم دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا۔۔۔! وہ تینوں سر شام ہی روانہ ہو گئے۔ ریکا برقعے میں تھی اور پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ طاہر گاڑی چلا رہا تھا اور رخسانہ اُس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کبھی ایسا نہ کرتی لیکن ریکا اسی پر مصر

رہی تھی۔!

”کلم کہاں سے ہاتھ آگئی....!“ رخسانہ نے پوچھا۔!

”میرا دوست مشرق وسطیٰ سے لایا ہے.... ویڈیو ٹیپ ہے.... ٹی وی پر دیکھیں گے۔!“

”اس کی وجہ سے بڑی آسانی ہو گئی ہے۔!“

”میرے دوست سے مل کر خوش ہو جاؤ گی۔!“

”ایسی اس طرح جانے کی اجازت ہرگز نہ دیتیں اگر آپ کا معاملہ نہ ہوتا۔!“

”اس اعتماد کے لئے اُن کا شکر گزار ہوں۔!“

”بالکل بیٹوں کی طرح آپ کا ذکر کرتی ہیں.... دراصل ترسی ہوئی ہیں۔! میرے کبھی کوئی

بھائی نہیں تھا۔!“

”اب تو ہے....!“ طاہر ہنس کر بولا۔

”ہاں.... خدا کا شکر ہے آپ نے یہ کی پوری کر دی ہے۔!“

طاہر کچھ نہ بولا۔ نہ جانے کیوں یک بیک اُس کے چہرے پر اضطحال سا طاری ہو گیا تھا۔

ریکا بچھلی سیٹ پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی.... اور اپنے جھوٹے سے سوٹ کیس کا ہینڈل

مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔!

گاڑی تیز رفتاری سے کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھی۔! سورج غروب ہونے

والا تھا۔ شہر کی بھری پدی سڑکوں پر گزرا کر وہ ایک سنسان راستے پر ہوئے۔!

”آخر جانا کہاں ہے....؟“ رخسانہ نے پوچھا۔

”سمن ہاؤزنگ سوسائٹی.... شارٹ کٹ اختیار کیا ہے....!“ طاہر نے جواب دیا۔!

”وہاں تو بہت بڑے لوگ رہتے ہیں۔!“

”میرا دوست بھی خاصا سی حیثیت ہے۔!“

وہ کچھ نہ بولی.... پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا تھا اور سمن ہاؤزنگ سوسائٹی کی بڑی

بڑی عمارتوں کے درمیان اُنکی گاڑی اس طرح چکراتی پھر رہی تھی جیسے کسی ایسی عمارت کی تلاش

ہو جسے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو! بالا خرہ ایک دور افتادہ اور زیر تعمیر عمارت کے سامنے رکی تھی۔!

”کیا یہی ہے....!“ رخسانہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں یہی ہے....!“ طاہر نے جواب دیا۔

”لیکن یہ تو ابھی بن رہی ہے۔!“

”کچھ حصے مکمل ہو گئے ہیں اور رہائش کے قابل ہیں۔ وہاں سب کچھ موجود ہے۔ اندر پہنچ کر

تم ذرا سی دیر میں بھول جاؤ گی کہ کسی زیر تعمیر عمارت میں بیٹھی ہوئی ہو۔!“

وہ اندر داخل ہوئے تھے اور پھر جس بڑے کمرے میں پہنچے تھے وہاں کی آرائش دیکھ کر کچ کچ

یہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی مکمل عمارت میں آئے ہوں۔ لیکن اُس بڑے کمرے میں اُن تینوں

کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا....! ربیکا نے برقعہ اتارا ہی تھا کہ رخسانہ اچھل پڑی۔ کیونکہ وہ اُسے

اپنی ہی جیسی دھج میں نظر آئی تھی۔ سر پر سیاہ وگ تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔

طاہر ہنس پڑا اور رخسانہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”بے فکر ہو.... یہ سب کچھ مجھے

بتا چکی ہیں.... اُس دن آفس میں تم نہیں یہی تھیں جنہوں نے مجھ سے جھگڑا کیا تھا۔!“

”لل.... لیکن یہاں....!“ رخسانہ ہکلائی۔

”اُوہ.... میں دراصل اپنے دوست کو متحیر کر دینا چاہتا ہوں اُس سے کہوں گا کہ دونوں

جزواں بہنیں ہیں۔!“

”اچھا.... اچھا....!“ رخسانہ بھی ہنسنے لگی۔

”بڑا مزہ رہے گا....!“ طاہر بولا۔ ”آہستہ آہستہ اُس پر حقیقت کا انکشاف کروں گا پہلے رقیہ

عینک اتاریں گی اور میں کہوں گا کہ دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کی آنکھیں نیلی ہیں اور

دوسری کی سیاہ۔!“

”اور آخر میں جب یہ وگ اتاریں گی تو مزہ آجائے گا۔!“

”بالکل.... بالکل....!“ طاہر نے قہقہہ لگایا۔ لیکن اُس قہقہے کا کھوکھلا پن رخسانہ نے بھی

محسوس کر لیا تھا۔!

اور شدت سے بے چینی محسوس کرنے لگی تھی۔ ریکا خاموش اور لا تعلق بیٹھی رہی۔ رخسانہ

مسلل سوچے جا رہی تھی آخر اس کی ضرورت ہی کیا ہے....؟ طاہر اپنے دوست کو کیوں

سر پر اندر دینا چاہتا ہے۔!

”کک.... کہاں ہیں.... آپ کے وہ دوست....!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

”بس آہی رہا ہو گا۔!“ طاہر نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”تو آپ نے رقیہ بھابی کو پہلے ہی سے آگاہ کر دیا ہو گا کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔!“

”تم لوگ کون ہو.... اور اس حرکت کا مطلب....؟“ انور سردار نے سخت لہجے میں پوچھا۔
 ”انکا تعلق فیڈرل سکیورٹی فورس سے ہے اور مجھے تو تم جانتے ہی ہو!“ پستول والے نے کہا۔
 ”اور تم شاید مجھے اچھی طرح نہیں جانتے!“ انور سردار نے زہریلے لہجے میں کہا۔
 ”کتوں کی ساری نسلیں مجھے زبانی یاد ہیں!“ پستول والے نے کہا۔ پھر باوردی آدمی سے بولا۔
 ”کیپٹن....! سیاہ عینک والی ہی ہو سکتی ہے!“
 ”یہ کیا بکواس ہے....!“ انور سردار حلق پھاڑ کر چیخا۔

”چاروں طرف سے جکڑے جا چکے ہو سردار.... میں تو تمہیں خود کشی کا موقع دینا چاہتا تھا
 لیکن اوپر والوں نے سکیورٹی فورس طلب کر لی۔ یہ عمارت اس وقت گھیرے میں ہے!“
 ”آخر کیوں....؟ کیا چارج ہے میرے خلاف!“
 ”تم غیر ملکی جاسوسوں کے آلہ کار ہو.... ثبوت وہ سامنے بیٹھا ہوا ہے ہر چند کہ وہ دونوں
 ہم شکل نظر آتی ہیں!“

”خاموش رہو! بلیک میلر....!“
 ”مجھے بات پوری کرنے دو.... گالیاں بعد میں دے لینا....! ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ چشمے
 والی کی آنکھیں یقینی طور پر نیلی ہوں گی اور سنہرے بال اس سیاہ وگ کے نیچے پوشیدہ ہوں گے۔“
 ”عمران....! میں تمہیں جہنم رسید کر دوں گا!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میمی فاؤلر اور ریکھا میرے ہی
 قبضے میں ہیں اور وہ تمہارے خلاف اپنے تحریری بیان دے چکی ہیں.... ورنہ فیڈرل سکیورٹی
 فورس کیوں حاضر خدمت ہوتی!“

”تنت.... طاہر بھائی....!“ رخسانہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی اور لہرا کر فرش پر گر پڑی۔
 لیکن طاہر اُس کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

فورس کے کیپٹن نے ہتھ کڑی کا جوڑا نکالا اور انور سردار کی طرف بڑھا۔
 ”خبردار....! وہیں ٹھہرو.... تم جانتے ہو....! میں کون ہوں....؟“ انور سردار دھاڑا۔
 ”خاموشی سے ہتھ کڑیاں پہن لو.... بعد میں یہ بھی سن لوں گا کہ تم کون ہو!“ کیپٹن نے کہا۔
 لیکن انور دیوانہ وار اُس پر ٹوٹ پڑا.... اور دونوں گتھے ہوئے فرش پر چلے آئے۔
 دفعتاً ریکا نے دوسرے دروازے کی طرف دوڑ لگائی تھی لیکن عمران نے جھپٹ کر اُسے

”بالکل.... بالکل.... اسی لئے تو یہ پوری تیاری سے آئی ہیں!“
 ٹھیک اُسی وقت دروازہ کھلا تھا اور ایک قوی میکس و جیہہ آدمی کمرے میں داخل ہوا تھا۔
 ”اوہ....! بلو!“ وہ دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا اور اُن دونوں کو بغور دیکھے جا رہا تھا۔
 ”جڑواں نہیں....!“ طاہر نے انگلش میں کہا۔
 ”واقعی.... حیرت انگیز....!“ انور سردار قدم آگے بڑھ کر بولا۔
 ”ان سے ملو....!“ طاہر نے اُن دونوں سے کہا۔ ”یہ میرے دوست انور سردار ہیں۔!“
 انور سردار کسی قدر خرم ہوا تھا اور ان دونوں کے ہاتھ پیشانیوں کی طرف اٹھ کر رہ گئے تھے۔
 ”اب تم اپنی عینک اتار دو!“ طاہر نے ریکا سے انگلش میں کہا۔ اُس نے فوراً تعمیل کی تھی۔
 ”بس اتنا سا فرق ہے!“ طاہر بولا۔ ”ان کی آنکھیں نیلی ہیں یہ رقیہ ہیں اور یہ رخسانہ۔!“
 ”آپ دونوں سے مل کر خوشی ہوئی۔“ انور سردار نے خشک لہجے میں کہا اور طاہر کی طرف
 مڑ کر بولا ”تم ذرا میرے ساتھ باہر آؤ.... ان دونوں کو یہیں چھوڑ کر۔!“
 رخسانہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُس نے انور سردار کے لہجے میں کچھ ایسا ہی محسوس کیا تھا
 جیسے وہ طاہر کو بہت حقیر سمجھتا ہو۔!
 اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ طاہر اور سردار کمرے سے جا چکے تھے۔ رخسانہ نے ریکا کی
 طرف دیکھا۔ اُس نے پھر عینک لگالی تھی اور اُس کی ماحول سے لا تعلقی اب بھی برقرار تھی۔!
 ”میں نہیں سمجھ سکتی۔!“ رخسانہ نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ لیکن وہ صرف شانوں کو
 جنبش دے کر رہ گئی۔!
 غالباً رخسانہ اپنا جملہ پورا کرنے ہی والی تھی کہ دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور وہ
 دونوں لڑکھڑاتے ہوئے فرش پر آگرے۔
 ریکا اور رخسانہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
 دروازے میں ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ جس کے ہاتھ میں سائینلر لگا ہوا پستول تھا۔
 وہ دونوں فرش سے اٹھ گئے تھے۔ طاہر پر بدحواسی طاری تھی۔ لیکن انور سردار پستول والے
 کو قہر آلود نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔
 ”آجاؤ کیپٹن شاید کھیل ختم ہو گیا ہے۔!“
 دوسرے ہی لمحے میں ایک باوردی آدمی اُس کے عقب سے نکل کر کمرے میں داخل ہوا۔!

کا تعارف ذمہ دار شخصیتوں سے کراتا رہتا تھا اور اسی طرح میسی کو آپ کے ڈپٹی سیکریٹری سے ملوایا تھا اور پھر میسی ہی کے توسط سے ہلد اُس تک پہنچی تھی۔!

”مت بور کر دو.... میں سب کے بیانات دیکھ چکا ہوں۔!“

”بور نہیں کر رہا.... مشورہ دے رہا ہوں کہ اپنے محلے کے سارے مردوں کو کان پکڑ کر نکال باہر کیجئے اور صرف عورتوں کی بھرتی کیجئے۔!“

”پھر تم کہاں ہو گے۔!“

”عورتوں میں....!“ عمران غم ناک لہجے میں بولا۔

”یہ بہت بُرا ہوا کہ سردار نے خود کشی کر لی۔!“

”اُس سے بڑا ڈر پوک آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا تھا۔ بس کرائے کے غنڈوں کے بل بوتے پر ساری اکڑ تھی۔ بہر حال مجھے علم نہیں تھا کہ جدھر سے اُسے گاڑی تک لے جایا جا رہا ہے ادھر کوئی کنواں بھی ہے.... اندھیرا تو تھا ہی بس تیر کی طرح ہمارے درمیان سے نکلا اور کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ اُس وقت وہ سیکورٹی فورس کی تحویل میں تھا۔ اس لئے مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لیکن آخر یہ سیکورٹی فورس کیوں....؟“

”میں نے اس معاملے کو براہ راست وزیر اعظم تک پہنچا دیا تھا۔ انہوں نے فورس بھجوا دی۔!“

”آپ یہ نہ کرتے تب بھی وہ بڑے باپ کا بیٹا بچ نہیں سکتا تھا۔ میں نے چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔!“

”میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ باعزت طور پر ریٹائر ہونا چاہتا ہوں۔!“

”مجھ سے سنئے کہ آپ لوگ خواہ خواہ اُس سے مرعوب تھے۔ اگر باپ کی وجہ سے مرعوب تھے تو باپ تو بے حد میاں آدمی ہے۔ اگر وہ خود کشی نہ کر لیتا تو شائد باپ کی یہی کوشش ہوتی کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دے۔!“

”اچھا.... بس اب دفع ہو جاؤ.... میں بڑی تھکن محسوس کر رہا ہوں آرام کروں گا۔!“

”ذرا میں اپنے باپ سے فون پر تھوڑی سی گفتگو کر لوں۔!“ عمران ریسور کی طرف ہاتھ

بڑھاتا ہوا بولا۔

اور سر سلطان اُسے غصیلی نظروں سے دیکھ کر رہ گئے!

اُس نے فون پر رہمان صاحب کے نمبر ڈائیل کئے تھے دوسری طرف سے انہی کی آواز آئی۔

پکڑ لیا اور پھر زرخسانہ ہی کی طرح وہ بھی فرش پر گر گئی۔

”انور.... خود کو مقدر کے حوالے کر دو.... ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا....!“

عمران نے پستول کی نالی اُس کی کینٹی پر رکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں دباوردی اور مسلح آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور یہ کھیل زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ انور اور طاہر کے ہتھ کڑیاں لگادی گئیں۔



”وہ بلا کی اداکارہ ہے جناب....!“ عمران نے سر سلطان سے کہا۔ ”رخسانہ کے ساتھ اسی لئے رکھی گئی تھی کہ اُس کی آواز اور چال ڈھال کی نقل اتار سکے۔ اُس کا وہ پاسپورٹ بھی ہاتھ لگ گیا ہے جو رخسانہ حبیب کے نام سے بنوایا گیا تھا اور اُس پر آنکھوں کی رنگت نیلی درج کرائی گئی تھی اگر طاہر کا سر اُغ نہ مل گیا ہوتا تو وہ کل رات ہی کو بارہ بجے والی فلائٹ سے نکل جاتی اور رخسانہ کو اُس وقت تک اُس عمارت میں روکے رکھا جاتا جب تک کہ طیارہ یہاں سے پرواز نہ کر جاتا۔ وہ اسی لئے وہاں لے جانی گئی تھی۔ بیچاری مفت میں ماری گئی۔ لاعلمی میں چوٹ کھا گئی۔ اگر اُس کے مذہبی جذبات نہ اُبھارے جاتے تو وہ اس حد تک ہلد اکارلوس کی گرویدہ نہ ہوتی۔ بُری طرح ایمان لے آئی تھی اُس پر....!“

”میں نے کاغذات کے بارے میں پوچھا تھا۔!“ سر سلطان بولے۔

”محفوظ ہیں....! ہلد اکارلوس ہی کے پاس تھے اُس وقت....! لیکن اب آپ کے اُس چہیتے ڈپٹی سیکریٹری کا کیا بنے گا جس کی تحویل میں تھے وہ کاغذات۔!“

”جہنم میں جائے....!“ سر سلطان براہِ سامنہ بنا کر بولے۔

”روز روشن میں یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ میسی اور ہلد اانے....! ڈپٹی صاحب یہیں دفتر کے ریٹائرنگ روم میں ہلد ا کے ساتھ رنگ رلیاں منارہے تھے اور میسی فاولر نے دفتر کی سیف پر ہاتھ صاف کر دیا تھا۔!“

”ہاں.... میں نے میسی کا بیان دیکھا ہے۔!“

”اب سنئے....! کہ سردار پر میری نظر بہت دنوں سے تھی کیونکہ وہ اپنی غیر ملکی رقاصاؤں

”میں سر سلطان کے دفتر سے بول رہا ہوں جناب....!“ عمران بولا۔

”کیا بات ہے....؟“

”بات تو سن ہی لی ہوگی آپ نے....!“ عمران نے کہا کچھ اور بھی کہتا لیکن دوسری طرف

سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

عمران نے بڑے دلاویز انداز میں مسکرا کر اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کئے۔

جوزف نے کال ریسپور کی تھی۔

”اب یہ شادی ہر گز نہیں ہو سکتی۔!“

”اُوہ.... باس.... خدا کا شکر ہے کہ تم نے ارادہ بدل دیا.... لیکن وہ دونوں صبح سے لڑ

رہے ہیں۔!“

”کس بات پر....؟“

”جھنڈی پر....!“

”کیا مطلب....؟“

”وہ کہتی ہے مُسکلم جھنڈیاں پکاؤ.... لیکن وہ کتر کر پکانے پر مصر ہے۔!“

”تو ایسا کر کہ دونوں کو ہانڈی میں ڈال کر اوپر سے سالہ ڈال دے۔!“

دوسری طرف سے جوزف کے ہنسنے کی آواز آئی تھی اور عمران بولا تھا۔ ”میرے پہنچنے سے

قبل اگر ایک ایک جھنڈی گھر سے نہ نکال دی گئی تو تم سب کھیت رہو گے۔!“

سر سلطان نے ریسپور اُس سے چھین کر کریڈل پر رکھ دیا اور غصیلی آواز میں بولے۔ ”آخر

تم چاہتے کیا ہو....؟“

”واپسی کا کرایہ.... آج صبح جیب کٹ گئی.... گاڑی خراب تھی.... بس پر بیٹھ گیا کوئی

میرے بھی اُستاد ہاتھ صاف کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔!“

سر سلطان نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پھر سر کو متقی جنبش دے کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔!

﴿تمام شد﴾